گناہان کبیرہ جلد ا

تالیف: شہید محراب آیۃ اللہ دستغیب شیرازی

ناشر: المعراج کمپنی اردو بازار۔ لاہور
اہتمام پی ڈی ایف: آل البیتؑ اسلامک سنٹر لاہور
ویب سائٹ: www.islaminurdu.com
رابطہ : info@islaminurdu.com

اپیل: جو حضرات اپنی کتاب پی ڈی ایف کی صورت میں ہماری ویب سائٹ پر دینا چاہتے ہوں برائے مہربانی ہم سے رابطہ کریں۔

دیگر مفید ویب سائٹ:

www.sistani.org دفتر آیۃ اللہ العظمیٰ سیستانی سے فقہی مسائل دریافت کرنے کی سہولت

www.duas.org ہر دن کی دعا، اعمال بصورت ٹیکسٹ و آواز اور ڈاؤن لوڈ کی سہولت

www.hussainiat.com درس، مجلس، نوحہ، قصیدہ، مرثیہ اور منقبت آواز کی سہولت کے ساتھ

www.islamonmobile.org درس، مجلس، نوحہ، قصیدہ، مرثیہ اور منقبت آواز موبائل سیٹ پر ڈاؤن لوڈ کی سہولت کے ساتھ

توجہ: قرآنی آیات میں پروف ریڈنگ یا فونٹ کی وجہ سے کسی غلطی کا امکان ہوسکتا ہے
محترم قارئین اس کو اصل قرآن کریم سے تصحیح کرلیں

ملنے کا پتہ

کریم پبلی کیشنز سمیع سنٹر 38 اُردو بازار، لاہور
فون 042-37122772

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب گناہانِ کبیرہ
جلد اوّل
تالیف شہید محراب آیۃ اللہ العظمٰی سیّد عبدالحسین دستغیبؒ
مترجم سید محمد علی الحسینی بلتستانی مدیر جامعۃ الزہرا = کراچی
ناشر المعراج کمپنی اردو بازار، لاہور
کمپوزنگ عمران طاہر

عرضِ ناشر

آیۃ اللہ دستغیب کی مختصر سوانح حیات

شہید آیۃ اللہ دستغیبؒ ایک پا کیزہ گھرانے کے پاکیزہ قلب انسان تھے۔آپ نے آٹھ سو سالہ قدیم بزرگ علمی گھرانے دستغیب میں پیدا ہوئے۔گھر کے مذہبی ماحول اور ''اسلام'' اور ''روحانیت'' سے قدرتی لگاؤ کی بنا پر ابتدائی تعلیم اپنے وطن میں حاصل کرنے کے بعد مزید تعلیم کے لیے نجف اشرف کا رُخ کیا۔

وہاں آپ نے جوارِ حضرت مولیٰ الموحدین امیر المؤمنین حضرت علی بن ابیطالب۔(عراق) میں بزرگ اساتذۂ کرام اور آیاتِ عظام کے حضور زانوئے ادب تہہ کیا، اس کے بعد اُس وقت کے بزرگ مراجع کرام سے اجازۂ اجتہاد حاصل کر کے شیراز ہ واپس لوٹ آئے۔شیرازہ میں آپ نے جامع مسجد عتیق کی (جو کہ نہایت بوسیدہ حالت میں تھی) لاکھوں تومان خرچ کر کے تعمیرِ نو کرائی، اور پھر وہاں درسِ تفسیر و اخلاق کا سلسلہ شروع کیا۔لہٰذا آپ کی متواتر کوششوں کے سبب شیراز کے حوزۂ علمیہ نے درسِ فقہ واصول اور اخلاقیات میں ممتاز حیثیت اختیار کر لی۔

ظالم شاہ کی بے دین حکومت سے مسلسل مبارزہ کی بناء پر آپ متعدد بار گرفتار ہوئے اور آپ کو گھر میں بھی نظر بند رکھا گیا۔انقلابِ اسلامی کی کامیابی کے بعد آپ مجلسِ خبرگان کے رکن منتخب ہوئے اور اہلِ شیراز کی درخواست پر آپ کو امام خمینیؒ کے نمائندہ اور امام جمعہ شیراز کے منصب پر فائز کیا گیا۔

شہید دستغیبؒ نے متعدد علمی آثار چھوڑے ہیں جن میں ''شرح حاشیۂ کفایۂ، رسائل ومکاسب، گناہانِ کبیرہ، قلبِ سلیم، صلوٰۃ الخاشعین، معاد، توبہ، زندگانی حضرت زہراءوزینب کبریٰ +، استعاذہ اور ہزار سوال'' کے علاوہ درجنوں اخلاقی فقہی اور تفسیر کی کتب شامل ہیں۔

الغرض آپ اخلاق ومحبت، خلوص ومروت اور زہد وتقویٰ کے مکمل عملی نمونہ تھے۔۲۰/آذر ماہ، سن ۱۳۶۰ھ ش کو عین اس وقت جب آپ جمعہ کے طاغوت شکن اجتماع میں نماز کی اقتداء کرنے کی غرض سے مسجد کی جانب تشریف لے جا رہے تھے عالمی استکبار کے ایجنٹوں (منافقین) کے ہاتھوں بم کے دھماکے میں شہید ہو گئے۔

﴿ لَقَدْ عَاشَ سَعِیْد ادَمٰات شَہِیْداً ﴾

حقیر
سیّد محمد علی الحسینی بلتستانی

تقویٰ کی حقیقت

تقویٰ کا مصدر وقایہٗ ہے، جس کے معنی ہیں حفاظت اور پرہیز گاری۔ شرعی اصطلاح میں خود کو ہر اس چیز سے روکنا جو آخرت کے لیے نقصان دہ ہو، باالفاظِ دیگر اوامر ونواہی میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے پرہیز کرنا تقویٰ ہے چنانچہ حضرت امام جعفر صادق - سے جب تقویٰ کے معنی دریافت کیے گئے تو آپؑ نے فرمایا:

اَنْ َلایَفْقُدُکَ حَیْثُ اَمَرَکَ وَ َلا یَدَاکَ حَیْثُ نَهَاکَ

(سفینۃ البحار جلد ۳ ص ۶۷۸)

''جہاں حکمِ خدا ہے وہاں سرِ تسلیم خم کردو اور جہاں نہی خداوندی ہے وہاں سے دُور رہو''۔

یعنی احکامِ خداوندی کو بجالانے والے اور اُس کی منہیات سے بچنے والے بنواس بناء پر تقویٰ کی دو قسمیں ہیں:

اوّل اطاعتِ الٰہی حاصل کرنا اور اُس کے احکامات کو بجالانا یعنی اس طرح کہ کوئی واجب ترک نہ ہو۔ واجب امور وہ ہیں جن کے انجام نہ دینے سے پروردگارِ عالم کے غیظ وغضب کا مورد قرار پائے گا ساتھ ہی جہاں تک ممکن ہو مستحبات کو بھی ترک نہ کرے۔ مستحب وہ اعمال ہیں جن کی بجا آوری میں ثواب ہے لیکن اُن کو ترک کرنے میں عذاب نہیں۔

تقویٰ کی دوسری قسم حرام چیزوں سے بچنا اور جن باتوں سے منع کیا گیا ہے اُن کو ترک کرنا ہے اس طرح کہ اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ اور منع کی ہوئی باتوں سے کہ جو اس کے غیظ وغضب کا موجب ہیں بچتا رہے۔ حرام بندہ کا وہ عمل ہے جس کے ارتکاب سے وہ عذابِ الٰہی کا مستوجب ٹھہرے۔ اس کا دوسرا رُخ یہ ہے کہ وہ مکروہات کو بھی ترک کردے۔ مکروہ بندہ کا وہ عمل ہے جس کا نہ کرنا بہتر ہے اور ترک کرنے میں شارع مقدس کی رضا ہے۔ لیکن اس کے کرنے پر عذاب نہیں۔ وہ شخص کہ جو سعادت اور تقویٰ کے بلند مقام کا طالب ہے اُسے چاہیئے کہ تقویٰ کے دوسرے مرتبے کو جو حرام چیزوں اور گناہوں سے پرہیز کرنا ہے زیادہ اہمیت دے۔ کیونکہ اگر حرام چیزوں سے پرہیز کرلیا تو اس کا عمل کتنا ہی حقیر اور کم ہی کیوں نہ ہو بارگاہِ خداوندی میں قبول پاتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

اِنَّمَا یَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِیْنَ (سورہ ۵ آیت ۲۷)

''خدا صرف پرہیز گاروں سے (اعمال) قبول کرتا ہے''۔

اور رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

یَکْفِیُ مِنَ الدُّعَاءِ مَعَ البِرِّ مَایَکْفِیُ الطَّعَامِ مِنَ الْمِلْحِ

''دعا کی استجابت کے لیے پرہیز گار شخص کی مختصر سی دعا اس طرح سے کافی ہے جس طرح کھانے کو خوش ذائقہ بنانے کے لیے تھوڑا سا نمک کافی ہے۔'' (عدۃ الداعی)

گناہ اچھے اعمال کو ضائع کر دیتا ھے

بعض گناہانِ کبیرہ اعمالِ صالح کو نابود کردیتے ہیں جس کی تفسیر آگے بیان کی جائے گی۔ مختصر یہ کہ گناہ سے پرہیز کرنا اچھے اعمال بجالانے سے زیادہ اہم ہے۔ اس مقصد کے ثبوت میں کچھ روایات نقل کی جاتی ہیں:

روایات میں ترکِ حرام کی اھمیت

پہلی روایت:

حضرت امام جعفر صادق - نے فرمایا:

تَرْکُ لُقْمَةِ الْحَرَامِ اَحَبُّ اِلَی اللّٰهِ مِنْ صَلٰوةِ اَلْفَیْ رَکْعَةِ تَطَوَّعاً (عدۃ الدّاعی)

''لقمہ حرام کا نہ کھانا اللہ تعالیٰ کے نزدیک اُس کی خوشنودی کے لیے دو ہزار رکعت مستحبی نماز پڑھنے سے زیادہ بہتر ہے''۔

دوسری روایت:

رَزْدَانِقِ حَرَامٍ يَعْدِلُ عِنْدَ اللّٰهِ سَبْعِيْنَ حَجَّةً مَّبْرُوْرَةً (عدۃ الداعی)

حضرت امام جعفر صادق -نے فرمایا: ''ایک درہم اس کے مالک کو واپس کر دینا خداوندِ عالم کے نزدیک ستّر حج مقبول کے برابر ہے''۔

تیسری روایت:

حضرت امام جعفر صادق -نے فرمایا:

جِدُّوْا وَاجْتَهِدُوْا وَاِن لَّمْ تَعْمَلُوْا فَلاَ تَعْصُوْا، فَاِنَّ مَنْ يَّبْنِىْ وَلَايَهْدِمُ يَرْتَفِعُ بِنَائَهُ وَاِنّ كَانَ يَسِيْرًا وَمَنْ يَبْنِىْ وَ يَهْدِمُ يُوْشَكُ اَنْ لَايَرتَفِع بِنَائَهُ

(عدۃ الداعی۔ص۲۳۵)

''اچھے اعمال کو بجالانے کی کوشش زیادہ کرو، اگر نیک اعمال نہ بجالاسکو تو کم از کم نافرمانی نہ کرو، کیونکہ اگر کوئی عمارت کہ بنیاد رکھے اور اُسے خراب نہ کرے تو اگرچہ کام کی رفتار کم بھی ہو وہ عمارت یقیناً بلند ہوتی ہے اور (اس کے برعکس) وہ شخص جو بنیاد رکھدے اور ساتھ خراب بھی کرتا رہے اس عمارت کی دیوار ہوسکتا ہے کہ کبھی بلند نہ ہو''۔

بہشت کے درخت کو جلانے والی آگ

چوتھی روایت:

قَالَ النَّبِىُّ (ص) مَنْ قَالَ سُبحَانَ اللّٰهِ غَرَسَ اللّٰهُ لَهُ شَجَرَةً فِى الْجَنَّةِ فَقَامَ رَجُلٌ مِّنْ قُرَيْشٍ وَقَالَ اِنَّ شَجَرَنَا فِى الْجَنَّةِ لَكَثِيْرَةٌ قَالَ (ص) نَعَمْ وَلٰكِنْ اِيَّاكُمْ اَنْ تُرْسِلُوْا اِلَيْهَا نِيْراناً فَتُحْرِقُوْهَا (عدۃ الداعی ص ۲۳۵)

حضرت رسولِ خدا ﷺ نے فرمایا: اگر کوئی سبحان اللہ کہے تو خداوندِ عالم اس کے لیے بہشت میں ایک درخت لگاتا ہے''، یہ سنتے ہی قریش کا ایک شخص کھڑا ہوگیا اور عرض کیا؛ ''اگر ایسا ہے تو ہمارے لیے بہشت میں بہت سے درخت ہونگے''، حضرت نے فرمایا؛ ''ہاں، لیکن اس چیز سے ڈرنا کہ تم یہاں سے اُس کے لیے آگ بھیج کر کہیں سب کو خاکستر نہ کردو''۔

پانچویں روایت:

اَلْحَسَدُ يَأْكُلُ الْاِيْمَانَ كَمَا يَأْكُلُ النَّارُ الْحَطَبَ

''حسد ایمان کو کھا کر نابود کر دیتا ہے جیسا کہ آگ لکڑی کو''۔(اصول کافی وعدۃ الداعی)

حرام خوری عبادت کو جلا دیتی ہے

چھٹی روایت:

لَيَجِيْئَنَّ اَقْوَامٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لَهُمْ مِنَ الْحَسَنَاتِ كَجِبَالِ تَهَامَةَ فَيُؤْمَرُ بِهِمْ اِلَى النَّارِ، فَقِيْلَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَمْ مُّصَلُّوْنَ ؟ قَالَ (ص) كَانُوا مُصَلّوْنَ وَيَصُوْمُوْنَ وَيَاْخُذُوْنَ وَهْنًا مِّنَ اللَّيْلِ لٰكِنَّهُمْ كَانُوْا اِذَالاَحَ لَهُمْ شَئٌ مِنَ الدُّنْيَا وَسَبُوْا اِلَيْهِ

''قیامت کے دن ایسی قومیں بھی ہوں گی جن کے نیک اعمال تہامہ کے پہاڑوں کی طرح وزنی ہوں گے باوجود اس کے حکم ہوگا کہ انہیں آتشِ جہنم میں جھونک دیا جائے''۔(یہ سن کر) کسی نے عرض کیا، ''یارسول اللہ! کیا یہ لوگ نماز گزار تھے''؟ فرمایا، ''ہاں؛ نماز پڑھتے تھے اور روزہ رکھتے تھے اور رات کا کچھ حصہ عبادت میں گزارتے تھے۔لیکن جب بھی ان کو دنیا کی کوئی چیز ملتی اس پر بے تحاشہ ٹوٹ پڑتے تھے۔(یعنی حلال وحرام میں فرق نہ رکھتے تھے)''۔

حق الناس قبولیت اعمال میں رکاوٹ ہے

ساتویں روایت:

قَالَ النَّبِىُّ صَلَّىٰ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ اَوْحَى اللّٰهُ تَعَالٰى اِلَىَّ اَنْ اَنْذِرْ قَوْمَكَ، لاَ تَدْخُلُوا بَيْتاً مِّنْ بُيُوتِىْ وَلاَ حَدٍ مِّنْ

عِبَادِیْ عِنْدَ اَحَدٍ مِّنْکُمْ مَظْلَمَۃٌ فَاِنِی اَلْعَنُہٗ مَادَامَ قَائِماً یُصَلِّیْ بَیْنَ یَدَیَّ حَتیٰ یَرُد المظْلَمَۃَ (عدۃ الداعی ص ۲۳۶)

حضرت رسولِ خدا ﷺ نے فرمایا: ''مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوا ہے کہ اپنی قوم کو ڈراؤ اور کہو کہ میرے گھروں (مساجد) میں سے کسی گھر (مسجد) میں داخل نہ ہونا اس حالت میں کہ میرے بندوں میں سے کسی بندے کا حق تمہارے ذمے ہو۔ اس حالت میں اگر وہ نماز کے لیے کھڑا ہوگا تو میں اس پر لعنت کرتا رہوں گا جب تک کہ وہ حق اس کے مالک کو واپس نہ کر دے''۔

آٹھویں روایت:

نیز آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

اِنَّ لِلّٰہِ مَلَکاً یُنَادِیْ عَلٰی بَیْتِ الْمَقْدَسِ کُلَّ لَیْلَۃٍ، مَنْ اَکَلَ حَرَاماً لَّمْ یَقْبَلِ اللّٰہُ مِنْہُ صَرْفاً وَلاَ عَدْلاً

''اللہ تعالیٰ کا ایک فرشتہ ہے جو ہر رات بیت المقدس سے آواز بلند کرتا ہے جو کوئی حرام کھاتا ہے، خدا اس کا کوئی عمل قبول نہیں کرتا خواہ واجب ہو یا مستحب''۔

صرف پرہیز گاری کے ساتھ عمل قبول ہوتا ہے

نویں روایت:

لَوْصَلَّیْتُم حَتّٰی تَکُوْنُوا کَالْاَوْتَادِ وَصُفتُمْ حَتّیٰ تَکُوْنُوا کَالْحَنَایَا لَمْ یَقْبَلِ اللّٰہُ مِنْکُمْ اِلَّا بِوَرَعٍ حاجِزٍ (عدۃ الداعی)

''اگر تم اس طرح نماز میں کھڑے رہو جیسے زمین میں گڑی ہوئی میخ اور اس قدر روزہ رکھو کہ سوکھی ہوئی لکڑی کہ طرح کمزور ہو جاؤ اور تیر کمان کی طرح جھک جاؤ پھر بھی خدائے تعالیٰ تم سے کوئی عمل قبول نہیں کرتا جب تک تمہارے پاس گناہوں سے باز رکھنے والا زہد و تقویٰ نہ ہو''۔

گناہ دعا کی قبولیت میں مانع ہے

دسویں روایت:

وَعَنْہُ عَلَیْہِ السَّلام: مَرَّمُوْسٰی بِرَجُلٍ مِنْ اَصْحَابِہٖ وَھُوَ سَاجِدٌ وَانْصَرَفَ مِنْ حَاجَتِہٖ وَھُوَ سَاجِدٌ فَقَالَ لَوْکَانَتْ حَاجَتَکَ بِیَدِیْ لَقَضَیْتُھَالَکَ فَاَوْحیٰ اللّٰہُ اِلَیْہِ یَامُوْسٰی لَوْسَجَدَ حَتیٰ اِنْقَطَعَ عُنُقُہٗ مَاقَبِلْتُہٗ اَوْیَتَحَوَّلُ عَمَّا اَکْرَہُ اِلٰی مَااُحِبُّ. (عدۃ الداعی ص ۱۲۵)

حضرت موسیٰ - کا گزر ایک شخص کی طرف سے ہوا جو ان کے اصحاب میں سے تھا، وہ سجدے کی حالت میں تھا، پھر جب موسیٰؑ اپنے کام سے فارغ ہو کر واپس آئے تب بھی اُسے سجدے میں دیکھا تو آپؑ نے فرمایا، ''اگر تمہاری حاجت برآوری میرے اختیار میں ہوتی تو میں خود تمہاری حاجت پوری کرتا''۔

خداوند تعالیٰ نے موسیٰؑ پر وحی نازل کی کہ اگر یہ شخص میرے لئے اتنے سجدے کرے کہ اس کی گردن کٹ جائے پھر بھی میں اس کے اعمال قبول نہیں کروں گا یہاں تک کہ وہ جو چیز مجھے ناپسند ہے اس سے روگردانی نہ کرے اور جو مجھے پسند ہے اُسے بجالائے (یعنی گناہوں سے پرہیز کرے اور عبادات بجالائے) ورنہ گناہ دعا کی قبولیت کو روک لیتا ہے۔

گناہ ترک کرنا حقیقی عبادت ہے

گیارہویں روایت:

اَصْلُ الدِّیْنِ الْوَدَعُ کُنْ وَرِعاً تَکُنْ اَعْبَدَ النَّاسِ کُنْ بِالعَمَلِ بِالتَّقْوٰی اَشَدَّ اِھْتِمَاماً مِنْکَ بِالعَمَلِ بِغَیْرِہٖ فَاِنَّہٗ لاَ یَقِلُّ عَمَلٌ یَتَقَبَّلُ لِقَوْلِہٖ تَعَالٰی ''اِنَّمَا یَتَقَبَّلُ اللّٰہُ مِنَ الْمُتَّقِیْنِ'' (الداعی)

گناہوں سے پرہیز کرنا دین کی بنیاد ہے۔ اس لیے گناہ سے اجتناب کرو تا کہ سب سے زیادہ عبادت گزار متقّی ہو جاؤ اور سختی کے ساتھ اپنے آپ کو تقویٰ سے مزیّن کرنے کا اہتمام کرو۔ تقویٰ کے بغیر کوئی عمل بجا نہ لاؤ۔ یقیناً وہ عمل مقبول الٰہی ہے، جس کے ساتھ تقویٰ ہو اگر چہ عمل مقدار میں کم ہی کیوں نہ ہو، جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ خدا صرف پرہیز گاروں کے (اعمال) قبول کرتا ہے۔

یعنی اگر تم نے گناہ سے دوری اختیار کی اگر چہ تمہارا عمل کم سے کم کیوں نہ ہو، قبول ِ درگاہ ِ الٰہی ہوتا ہے اور مقبول عمل اس لحاظ سے جب کہ رب العالمین نے اسے شرفِ قبولیت بخشا ہو کم عمل اور چھوٹا عمل نہیں کہا جا سکتا۔

گناہ سے بچنا چاہیئے

ان روایتوں کو مدّنظر رکھتے ہوئے گناہ سے زیادہ ڈرنا چاہیئے اور بہت ہوشیار رہنا چاہیئے، تب جا کر اس سے نیک کام صادر ہوتا ہے، اور ان نیک کاموں کو آل ِ محمد ؐ کے قرب و جوار کے منازل اور اعلیٰ درجات تک پہنچانا چاہیئے۔ مبادا گناہ کے ارتکاب سے وہ ضائع اور برباد ہو جائے۔ ایسے خسارے اور نقصان سے بہت ہوشیار رہنا چاہیئے جس سے انسان اپنے ہی ہاتھوں اپنے نیک اعمال کے ذخیرے کو ضائع کرتا ہے۔

نیک اعمال گرد و غبار کی طرح پراگندہ ہو سکتے ہیں

عَنْ سُلَیْمَانِ بْنِ خَالِدٍ قَالَ سَئَلْتُ اَبَاعَبْدِاللّٰهِ (ع) عَنْ قَوْلِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ "وَقَدِمنَا اِلٰی مَاعَمِلُوا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنَاهُ هَبَاءً مَّنْشُوْراً " قَالَ اَمَا وَاللّٰهُ وَاِنْ کَانَ اَعْمَالُهُمْ اَشَدَّ بَیَاضاً مِنَ الْقَبَاطِیْ وَلٰکِنْ کَانُوْا اِذا عَرَضَ لَهُمْ حَرَامٌ لَّمْ یَدَعُوْهُ (عدة الداعی)

''سلیمان بن خالد کہتا ہے میں نے حضرت امام جعفر صادق - سے اس قول ِ خدا کے بارے میں پوچھا، "ہم نے قصد کیا اُس عمل کا جو خوبصورت شکل میں ہے پھر اس عمل کو ذروں کی طرح ہوا میں بکھیر دیتے ہیں تو حضرت نے فرمایا؛ خدا کی قسم اگر چہ ان کے اعمال مصری کپڑوں کے مانند زیادہ سفید، چمکدار بھی ہوں گے مگر جب ان کے سامنے گناہ اور حرام نمودار ہوتا ہے تو وہ اسے چھوڑتے نہیں ہیں''۔

بعبارت دیگر ان کے اعمال تقویٰ نہ ہونے اور حرام میں مرتکب ہونے کی بنا پر گرد و غبار کی طرح فضا میں پراگندہ ہوتے ہیں ایسے اعمال کی قدر و قیمت ہی نہیں ہوتی۔

علامہ مجلسی علیہ الرحمۃ والرضوان اس حدیث کی شرح کے ضمن فرماتے ہیں کہ یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ عبادات و اطاعات گناہ کی سبب سے فنا ہوتی ہیں۔

بے شمار پرہیز گار لوگ جنت میں جائیں گے

قَالَ اَبُوْ عَبْدِاللّٰهِ (ع) اَوْحیٰ اللّٰهُ تَعالٰی اِلٰی مُوْسٰی اِنَّ عِبَادِیْ لَمْ یَتَقَرَّبُوْا اِلَیَّ بِشَیٍٔ اَحَبَّ اِلَیَّ مِنْ ثَلَاثِ خِصَالٍ قَالَ مُوْسٰی یَارَبِّ وَمَاهُنَّ قَالَ تَعَالٰی یَامُوْسٰی الزُّهْدُ فِی الدُّنْیَا وَالْوَرَعُ عَنْ مَّعَاصِیْ وَالْبُکَاءُ مِنْ خَشْیَتِیْ قَالَ مُوْسٰی مَالِمَنْ صَنَعَ ذا؟ فَاَوْحیٰ اللّٰهُ اِلَیْهِ اَمَّا الزَّاهِدُوْنَ فِی الدُّنْیَا فَفِیْ الجَنَّةِ وَاَمَّا البَکَّاؤُنَ مِنْ خَشْیَتِیْ فَفِیْ الرَّفِیْعِ اَلْاَعْلٰی لاَ یُشَارِکُهُمْ فِیْهِ اَحَدٌ غَیْرُ هُمْ وَاَمَّا الْوَرِعُوْنَ عَنْ مَّعَاصِیْ فَاِنِّیْ اُفَتِشُ النَّاسَ وَلاَ اُفَتِیْشُهُمْ(عدة الداعی)

''حضرت صادق آل ِ محمد علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا: اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ پر وحی نازل کی اور فرمایا یقیناً میرا بندہ میرے نزدیک نہیں ہوسکتا مگر میری پسندیدہ تین چیزوں کے بغیر۔ حضرت موسیٰؑ نے عرض کی میرے پالنے والے وہ تین چیزیں کونسی ہیں؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا؛ اے موسیٰ وہ تین چیزیں دنیا میں زہد سے کام اور گناہوں سے پرہیز کرنا اور میرے خوف سے گریہ کرنا ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا: پروردگار! جو یہ چیزیں بجالایا اس کے لیے کیا اجر و ثواب ہے؟ فرمایا: دنیا میں زہد سے کام لینے والوں کے لیے بہشت ہوگی اور میرے ڈر سے گریہ کرنے والوں کے لیے ایسا بلند مقام ہوگا جہاں ان کے علاوہ اور کسی کو ٹھہرنے کی گنجائش نہیں ہوگی۔ لیکن میری نافرمانی سے پرہیز کرنے والوں کے لیے بے شک تمام مخلوق کے اعمال کی باز پرس ہوگی مگر ان کے اعمال کا حساب و کتاب نہیں ہوگا اور بغیر حساب بہشت میں داخل ہوں گے''۔

گناہانِ کبیرہ وصغیرہ کی تقسیم

کبیرہ سے اجتناب صغیرہ سے درگزر کا سبب بنتا ھے

اگرکوئی گناہانِ کبیرہ سے پرہیز کرے تو اس کے چھوٹے گناہوں کی باز پرس نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اُسے بخش دیتا ہے۔ جیسا کہ سورۃ النساء کی آیت ۳۰ میں فرماتا ہے:

اِنْ تجتَنِبُوْا کَبَائِرَ مَاتُنهَوْنَ عَنهُ نُکَفِرّ عَنکُمْ سَیّئاتِکُمْ وَنُدْخِلکُمْ مُّدْ خَلاً کَرِیْماً (سورہ ۴. آیت ۳۰)

''اگر ان میں سے تم گناہانِ کبیرہ سے بچتے رہو تو ہم تمہارے (صغیرہ) گناہوں سے بھی درگزر کریں گے اور تم کو بہت اچھی عزت کی جگہ پہنچا دیں گے اور تمہارا بڑے گناہوں سے اجتناب کرنا چھوٹے گناہوں کا کفّارہ قرار دیا جائے گا''۔

بھشت کے دروازے پرھیزگاروں کے سامنے کھلے ھیں

حضرت رسولِ خدا ﷺ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: قسم ہے اُس خدا کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے کوئی بندہ ایسا نہیں کہ دن میں پانچ مرتبہ واجب نماز بجالائے، ماہِ مبارک رمضان کا روزہ رکھے اور گناہانِ کبیرہ سے دوری اختیار کرلے مگر یہ کہ بہشت کے دروازے اس کے سامنے کھولے جائیں گے۔ اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے گذشتہ آیۂ مبارکہ کو تلاوت فرمایا۔ (تفسیر منہج الصادقین)

شفاعت

جس سے گناہِ کبیرہ سرزد ہو اور توبہ نہ کرے تو وہ فاسق ہے۔ اس کے پیچھے نماز جائز نہیں اور اس کی گواہی قابلِ قبول نہیں اور مرنے کے بعد عذابِ الٰہی کا مستحق ہوتا ہے۔ مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم اس کے شاملِ حال ہو جائے اور فضلِ الٰہی میں سے ایک حضرت محمد ﷺ وآلِ محمد ؑ کی شفاعت ہے۔ چنانچہ خود آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے:

اِدَّخَرْتُ شَفَاعَتِیْ لِاَهْلِ الْکَبَائِرِ مِنْ اُمَّتِیْ

(ج ۳ بحار الانوار۔ عدۃ الداعی)

''میری شفاعت میری اُمّت کے گناہانِ کبیرہ کے مرتکب افراد کے لیے ذخیرہ کی گئی ہے''۔ اور فرمایا:

اِنَّمَا شَفَاعَتِیْ لِاَهْلِ الْکَبَائِرِ مِنْ اُمَتِیْ فَاَمَّا الْمُحسِنُوْنَ فَمَا عَلَیْهِمْ مِّنْ سَبِیْلِ (ج ۳ بحار الانوار۔ عدۃ الداعی)

''میری شفاعت میری اُمّت کے گناہانِ کبیرہ بجالانے والوں کے لیے (مخصوص) ہے لیکن گناہانِ کبیرہ کے ترک کرنے والوں، یعنی نیکوکاروں کے لیے کوئی مواُخذہ نہیں''۔

شفاعت معصیّت کرنے پر دلیری کا سبب نھیں ھونی چاھیئے

دراصل شفاعت کی حقیقت میں کوئی شک نہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ پیغمبرِ اکرم ﷺ اور آئمہ اطہار ؑ کی عظمت اور شان و بزرگی اور دوسرے شفاعت کرنے والوں کے احترام کا اظہار ہے۔ کیونکہ گناہانِ کبیرہ میں ملوّث افراد کو انہیں کے حوالہ کیا جائے گا بلکہ ان کی شفاعت کی برکت سے گناہ گاروں کو ان کے دوسرے دوستوں کی طرح بلند مقام اور مرتبے پر فائز کیا جائے گا۔ اور یہی قرآنِ مجید اور صحیح خبروں میں اور متواتر و مسلّم احادیث سے ظاہر ہوتا ہے اور یہاں اس مختصر بحث میں ان سب کا ذکر طوالت کا سبب ہوگا۔ جو چیز یہاں ذکر کرنا لازم ہے وہ یہ ہے کہ شفاعت کا موضوع معصیّت پر جرأت کا سبب نہ بنے، نہ توبہ سے غفلت کرے۔

نجات کی امید میں خودکشی کرنا

شفاعت کی امید میں گناہ کرنا اور توبہ نہ کرنا زہر کھانے اور اژدہے کے منہ میں ہاتھ ڈالنے کے مترادف ہے۔ یہ امید رکھنا کہ ڈاکٹر پہنچ جائے گا اور علاج کر دیگا خلافِ عقل ہے۔ کیونکہ زہر کھانے کے بعد یقین پیدا نہیں ہوتا کہ ڈاکٹر اور دوا میسر آجائیں گے۔ دوسری بات یہ ہے کہ ممکن ہے کہ ڈاکٹر اور دوا

دونوں فراہم ہو جائیں مگر زہر رگوں میں داخل ہو کر دل کو ناکارہ بنادے اور موت سے ہمکنار کر دے۔اسی طرح جو شخص گناہ کرتا ہے وہ کس طرح یقین رکھتا ہے کہ مرنے کے بعد سفارش کرنے والے کی شفاعت فوراً حاصل ہو جائے گی۔

موت کی تین قسموں میں سے ایک قسم واقع ہوتی ہے

حضرت امام محمد تقی - نے اپنے اجداد کرام سے روایت نقل کی ہے:

قال قیل لامیر المؤمنینؑ صِفْ لَنَاالْمُوْتَ؟ فَقَالَ عَلَیْهِ السَّلاَمَ؛ عَلٰی الخَبِیْرِ سَقَطْتُمْ هُوَاَحَدُ ثَلاثَةِ اُمُورٍ. یُرَدُّ عَلَیْهِ اِمَّا بَشَارَةٌ بِنَعِیْمِ الْاَبَدِ. وَاِمَّا بَشَارَةٌ بِعَذَابِ الْاَبَدِ. وَاِمَّا تَحزِیْنٌ وَتَهْوِیْلٌ وَاَمْرُه مُبْهَمٌ لاَ یَدْرِیْ مِنْ اَیِّ الْفِرَاقِ هُوَ. فَمُوَا الِیْنَا الْمُطِیْعُ لِاَمْرِنَا فَهُوَ الْبَشَرَّ بِنَعِیْمِ اِلْاَبَدِ وَاَمَا عَدُوَّنَا الْمُخَالِفُ عَلَیْنَا فَهُوَ الْمُبَشَرُ بِعَذابِ الْاَبَدِ. وَاَمَّا الْمُبْهَمُ اَمْرُهُ الَّذِیْ لاَ یَدْرِیْ مَاحَالُهُ فَهُوَ الْمُؤمِنُ مِنَ الْمُسْرِفُ عَلٰی نفسِهِ. لاَ یَدْرِیْ مَایَؤُلُ اِلَیْهِ حَالُهُ یَاتیهِ الْخَبَرُ مُبْهَمًا تَخُوْفاً ثُمَّ لَنْ یُسَوِّیَهُ اللّٰهُ بِهِ اَعدَائَنَا لکِنْ یُخرِجُهُ مِنَ النّارِ بِشَفَاعَتِنَا. فَاعَمَلُوْا وَاطِیعُوْا وَلاَتَنْکِلُوْا وَلاَ تَسْتَصْغِرُوْا عُقُوْبَةَ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ فَاِنَّ مِنَ الْمُسْرِفِیْنَ مَنْ لاَ تُلْحِقُهُ شَفَاعَتُنَا اِلَّا بَعْدَ ثَلٰثمأةِ اَلْفِ سَنَةٍ (ج۳ بحارالانوار نقل از معانی الاخبار)

''حضرت امیر المومنین - سے کسی نے موت کی تعریف پوچھی تو آپؑ نے فرمایا: تم عالم اور باخبر ہستی کے پاس آئے ہو، (اب سنو): تین میں سے ایک حالت میں انسان کی موت واقع ہوتی ہے۔ابدی نعمت کی خوشخبری دی جاتی ہے، یا ابدی عذاب کی وعید سناتی ہے، یا وہ ہمیشہ کے لئے وحشت اور خوف میں مبتلا رہتا ہے اور اس کا کام غیر یقینی اور تردد کی حالت میں رہتا ہے اور پتہ نہیں چلتا کہ وہ کس قسم کی موت سے دوچار ہوتا ہے۔

پس جاننا چاہیئے کہ ہمارا دوست ہمارا فرمانبردار ہوتا ہے۔وہ معصیت کار نہیں ہوتا۔اسے ابدی نعمتوں کی خوشخبری دی جاتی ہے لیکن ہمارا بدخواہ جو ہماری مخالفت کرتا رہا ہے ہمیشہ کے عذاب میں گرفتار رہے گا۔

لیکن وہ شخص جو غیر یقینی حالت میں ہے اور معلوم نہیں کہ اس کا انجام کیا ہوگا جبکہ وہ ایسا مومن ہے کہ جس اپنے نفس پر ظلم اور اسراف کیا ہے یعنی وہ گنہگار اور اس کی موت ڈر اور خوف و ہراس اور مبہم حالت میں آتی ہے۔پس اللہ تعالیٰ اس کو اور ہمارے دشمن کو مساوی نہیں دیکھتا بلکہ ہماری شفاعت کی وجہ سے وہ جہنم سے نکالا جائیگا۔

پس (میرے دوست) عمل کرو۔اور احکامات الٰہی کی اطاعت کرو۔خداوند کے عذاب کو چھوٹا اور حقیر شمار نہ کرو۔اور بے شک کچھ ایسے گناہ گار بھی ہیں جن کو ہماری شفاعت نصیب نہیں ہوتی مگر تین لاکھ سال گزر جانے کے بعد''۔

میں تمہارے بارے میں برزخ سے ڈرتا ہوں

قُلْتُ لِاَبِیْ عَبْداللّٰهِ عَلَیْهِ السَّلاَمُ اِنِّیْ سَمِعْتُکَ تَقُوْلُ کُلُّ شِیْعَتِنَا فِی الْجَنَّةِ عَلٰی مَاکَانَ فِیْهِمْ.

قَالَ عَلَیْهِ السَّلاَمُ صَدَّقْتُکَ؛ کُلُّهُمْ وَاللّٰهِ فِیْ الجَنَّةِ. قُلْتُ جُعِلْتُ فِدَاکَ اَنَّ الذُّنُوْبَ کثیرةٌ کَبَائِرٌ.

قَالَ عَلَیْهِ السَّلاَمُ اَمَّا فِیْ الْقِیٰمَةِ فَکُلُّکُمْ فِیْ الجَنَّةِ بِشفاعَةِ نَبِیّ المُطَاعِ اووصِیّ النَّبِیّ وَلٰکِنْ وَاللّٰهِ اَتَخَوَّفُ عَلَیْکُمْ فِیْ البَرْزَخِ.

قُلْتُ وَمَا البَرْزَخُ قَالَ عَلَیْهِ السَّلاَمَ القَبْرُ منْذُحِیْنَ مَوْتِهِ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَةِ (کافی)

''عمر بن یزید کہتا ہے کہ میں نے حضرت امام جعفرؑ سے دریافت کیا کہ میں نے آپ کو یہ کہتے ہوئے سنا تھا کہ ہمارے تمام شیعہ خواہ کتنے بھی گنہگار ہوں بہشتی ہوں گے۔

فرمایا: اللہ تعالیٰ کی قسم میں نے سچ کہا ہے! وہ سب کے سب بہشتی ہوں گے۔

پھر میں نے عرض کیا: میں آپ پر قربان ہو جاؤں؛ بے شک گناہ زیادہ اور بڑا ہو (پھر بھی کیا بہشت میں ہوں گے؟)، فرمایا، ''قیامت کے دن حضرت محمد ﷺ یا ان کے کسی بھی وصی کی شفاعت سے تم سب بہشت میں داخل ہوں گے۔ لیکن خداوند عالم کی قسم تمھارے بارے میں برزخ سے ڈرتا ہوں۔میں نے عرض کیا؛ ''مولا برزخ کیا چیز ہے؟'' جواباً فرمایا؛ برزخ قبر ہے۔اس کی مدت مرنے کے وقت سے لیکر قیامت کے دن تک ہوتی ہے''۔

کل خون کے آنسو بہائے گا

حضرت رسولِ اکرم ﷺ نے ابنِ مسعود کو مخاطب کر کے کچھ نصیحتیں فرمائیں۔اس سلسلے میں ارشاد فرمایا:

لاتَحقِرَنَ ذَنباً وَّلا تَصغِرَنَّہ. وَاجتَنِبِ الکَبَائِرَ فَاِنَّ العَبدَ اِذَا نَظر اِلٰی ذُنُوبِہ دَمعَتُ عَینَاہُ دَمًا وَقِیحًا یَقُولُ اللّٰہُ تَعَالٰی یَومَ تَجِدُ کُلُّ نَفسٍ مَّا عَمِلَتُ مِنُ خَیرٍ مُحضَرًا وَّمَا عَمِلَتُ مِنُ سُوءٍ تَوَدُ لَو اَنَّ بَینَھا وَبَینَہٗ اَمَدًا بَعِیداً (جلد ۱۷۔بحارالانوار)

''ہرگز کسی گناہ کو چھوٹا اور حقیر تصوّر نہ کرو اور بڑے گناہوں سے پرہیز کرو کیونکہ قیامت کے دن جب بندہ اپنے گناہ پر نظر کرے گا تو بے اختیار اس کی آنکھوں سے خون اور پیپ کے آنسو بہیں گے،اس وقت اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ قیامت وہ دن ہے کہ ہر ایک اپنے نیک و بد اعمال اپنے سامنے پائے گا اور آرزو کرے گا کہ خود اس کے اور گناہوں کے درمیان بہت دور کا فاصلہ ہو جائے''،اور حضرت رسولِ اکرم ﷺ سے منقول ہے کہ فرمایا:

اِنَّ العَبدَ لَیُحبَسُ عَلٰی ذَنبٍ مِّنُ ذُنُوبِہٖ مِأۃَ عَامٍ (کافی)

''بے شک بندے کے ہر ایک گناہ کی سزا میں اسے ایک سو سال جہنم میں قید رکھا جائے گا''۔

نماز کو حقیر شمار کرنے والوں کے لیے شفاعت نہیں

نماز کا استخفاف گناہانِ کبیرہ میں شمار ہوتا ہے۔بعض روایتوں میں واضح طور پر بیان ہے کہ نماز کو حقیر سمجھنے والا شفاعت سے محروم ہے۔چنانچہ حضرت امام جعفر صادق - نے فرمایا:

لا تَنَالُ شَفَاعَتُنَا مَنُ اِستَخَفَّ بِصَلَاتِہ

''ہماری شفاعت ان لوگوں کو نہیں ملتی جنہوں نے نماز کو حقیر سمجھا''۔

حضرت رسولِ اکرم ﷺ سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا:

''لَیسَ مِنِّیُ مَنُ اِستَخَفَّ بِالصَّلوٰۃِ لایَرِدُ عَلَیَّ الحَوضَ لاوَاللّٰہِ'' (بحارالانوار)

''جو کوئی نماز کو حقیر شمار کرتا ہے وہ مجھ سے نہیں۔اللہ کی قسم وہ حوضِ کوثر پر میرے نزدیک نہیں پہنچ سکتا''۔(بحارالانوار)

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ گناہوں سے نہ بچنا اور دلیری سے گناہوں میں ملوّث ہونا اور شفاعت کی امید میں توبہ کرنے میں تاخیر کرنا جہالت،گھمنڈ اور لاپروائی کی علامت ہے۔

زیادہ گناہ ایمان کو ختم کر دیتا ھے

جو کچھ شفاعت کے بارے میں ذکر کیا گیا اس وقت کام آتا ہے جب کہ کوئی شخص ایمان کے ساتھ دنیا سے رخصت ہو جائے۔کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ گناہوں میں زیادہ ملوّث ہونے اور توبہ میں تاخیر کرنے سے ایمان کا نور دل سے ختم ہو جاتا ہے اور وہ شک میں پڑ کر انکار کی حد تک پہنچ جاتا ہے،اور ایسی حالت میں پھر وہ موت سے ہمکنار ہو جاتا ہے۔اس شخص کی مانند ہے کہ جس نے اس قدر مہلک زہر کھا لیا ہو کہ ڈاکٹر کے پہنچنے سے پہلے وہ مر جائے۔اس صورت میں ڈاکٹر اس کا علاج نہیں کر سکتا۔اسی طرح شفاعت کرنے والے کی سفارش اسے فائدہ نہیں دیتی۔

فَمَاتَنفَعُھُمُ شَفَاعَۃُ الشَّافِعِینَ (سورہ ۷۴۔آیت ۴۹)

میں اس دعوے کے ثبوت کے لیے ایک آیت شریفہ اور دو روایتیں ذکر کرنے پر اکتفا کرتا ہوں۔چنانچہ سورۂ روم،آیت ۱۰ میں ارشاد ہوتا ہے:

ثُمَّ کَانَ عَاقِبَۃُ الَّذِینَ اَسَاؤُا السُّوٓاٰی اَنُ کَذَّبُوا بِآیاتِ اللّٰہِ وَکَانُوا بِھَایَستَھزِؤُن.

''پھر جن لوگوں نے بُرائی کی تھی ان کا انجام بُرا ہی ہوا کیونکہ ان لوگوں نے خدا کی آیتوں کو جھٹلایا تھا اور ان کے ساتھ مسخرہ پن کیا تھا''۔

گناہ دل کو سیاہ کر دیتا ھے

پہلی حدیث حضرت امام جعفر صادق - نے فرمایا:

مَا مِنُ عَبدٍ اِلاَّ وَفِیُ قَلبِہٖ نُکتَۃٌ بَیضَاءٌ فَاِذا اَذنَبَ ذَنباًخَرَجَ مِن نُکتِہٖ نُکتَۃٌ سَودَآءٌ فَاِذَاتَابَ ذَھَبَ ذٰلِکَ السَّوادُ وَاِنُ تَمَادیٰ فِی الذُّنُوبِ زَادَذٰلِکَ السَّوَادُ حَتّٰی یغطِّیِ البَیَاضَ فَاِذَا غَطٰی البَیَاضُ لَمُ یَرجِعُ صَاحِبُہٗ اِلٰی الخَیرِ

اَبَداً وَھُوَ قَوْلُہُ تَعَالٰی کَلَّابَلْ رَانَ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ مَاکَانُوا یَکْسِبُوْنَ (کتاب کافی)

''کوئی بندہ نہیں مگر اس کے دل میں ایک سفید نقطہ ہوتا ہے۔ جب گناہ کرتا ہے اس نقطے سے سیاہ نقطہ نکل آتا ہے۔ اگر توبہ کرے تو وہ سیاہی مٹ جاتی ہے، اگر وہ گناہوں میں ڈوب گیا اور لگاتار آلودہ رہا تو دل کی سیاہی بڑھتی جاتی ہے یہاں تک کہ وہ دل کی پوری سفیدی کو گھیر لیتی ہے۔ جب سفید نقطہ پر مکمل طور پر کالا پردہ چھا جاتا ہے تو ایسے دل کے مالک کبھی بھی خیر کی طرف رجوع نہیں کریں گے۔ یہ روایت فرمانِ الٰہی کے عین مطابق ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے: ''نہیں، نہیں بات یہ ہے کہ جو لوگ اعمال (بد) کرتے ہیں ان کے دلوں پر زنگ بیٹھ گیا ہے''۔

قلب سیاہ پر وعظ و نصیحت کا اثر نہیں ہوتا

یعنی ان کے دل میں گناہوں سے زنگ آلود ہو کر تاریکی چھا گئی ہے۔ حقیقی آنکھ سے محروم ہو کر نہ حق کا چہرہ دیکھ سکتا ہے نہ حق کی پہچان باقی رہتی ہے، نہ نصیحت قبول کرنے اور خیر و خوبی کا راستہ نظر آتا ہے۔ اسی لیے امام جعفر صادق - کا ارشادِ گرامی ہے:

''کوئی شخص کسی گناہ کا ارادہ کرتا ہے مگر اس کو عملاً بنا نہیں لاتا۔ کبھی بندہ گناہ کا کام کرتا ہے اور خدا اُسے دیکھتا ہے اور فرماتا ہے میری عزّت کی قسم اس کے بعد میں تجھے ہرگز نہیں بخشوں گا''۔

بعبارتِ دیگر وہ اس گناہ کی وجہ سے حق تعالیٰ کے الطاف کے استحقاق اور قابلیت سے کلیّتہً محروم رہتا ہے اور نہ اُسے توبہ کرنے کی توفیق ہوتی ہے جس کے نتیجہ میں اُس کا گناہ بخشا نہیں جاتا۔

علاّمہ مجلسیؒ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں کہ امام جعفر صادق - نے تمام گناہوں سے ڈرنے کا حکم دیا ہے کیونکہ ہر گناہ سے یہی گُمان ہوتا ہے کہ شاید یہ درگزر کرنے کے قابل نہ ہو۔

گذشتہ گناہوں سے ڈرنا

اہلِ ایمان کو اپنے گذشتہ گناہوں سے ڈرتے اور روتے رہنا چاہیئے کیونکہ ہمیں اطمینان و یقین نہیں کہ کونسا گناہ ہماری شامت کا سبب بنے گا۔ چونکہ امام - نے ہمیں نشاندہی نہیں فرمائی کہ پروردگارِ عالم کی نظروں سے گرانے والا وہ کونسا گناہ ہے جس سے ہم مغفرتِ الٰہی اور اس کے درگذر سے محروم ہو جائیں۔ البتہ اس قسم کے گناہ کی نشاندہی کا واحد طریقہ یہ ہے کہ جس گناہ کے سرزد ہونے کے بعد توبہ نہیں کی اور پشیمان نہیں ہوئے وہی گناہ ہمیں عفو و مغفرتِ پروردگار سے محروم کرتا ہے۔ اس لیے بارگاہِ خداوندی میں تضّرع و زاری کرتے ہوئے توبہ کے دروازے سے داخل ہو جائیں۔ اُن گناہوں سے جو ہمیں یاد ہیں خصوصاً اور ایسے گناہوں سے جو بھول گئے ہیں عموماً توبہ کر کے ان کی تلافی کریں۔ اور توبہ کرنے کا طریقہ اس کے بعد ذکر کیا جائے گا۔ انشاءاللہ تعالیٰ۔

شفاعت امید کا موجب ہے نہ مغرور ہونے کا سبب

گذشتہ بیان سے معلوم ہوا کہ موضوعِ شفاعت غرور اور نافرمانی کی جرأت کا سبب نہیں بننا چاہیئے بلکہ گناہ گار کے لیے شفاعت مایوسی کے عالم میں اُمید کو تقویّت دیتی ہے اور بندے کو توبہ و انابہ کی طرف شوق اور رغبت پیدا کراتی ہے تاکہ وہ بلند مراتب پر فائز ہو جائے اور ربُّ العالمین کے قرب و جوار کے اعلیٰ مقام پر پہنچنے میں کامیاب ہو جائے۔

پھر بھی خوف و ہراس ہونا چاہیئے

ایک طرف شفاعت کی امید اور دوسری طرف لاپروائی نہیں ہونا چاہیئے۔ شفاعت کی امید کے ساتھ دل میں خوفِ خدا بھی ضروری ہے۔ چونکہ خوف شفاعت کے منافی نہیں یعنی جو شخص پروردگارِ عالم کے لطف و کرم اور شفاعت کا امیدوار ہے تو ممکن ہے عین اسی حالت میں اُسے خوف و ہراس محسوس ہو جائے ورنہ خدانہ کرے اپنے آقاؤں کی شفاعت اُسے بہت طویل زمانہ گزر جانے کے بعد حاصل ہو۔ بعبارتِ دیگر وہ لمبی مدت تک عالمِ برزخ کے عذاب میں گرفتار رہنے کے بعد اُسے شفاعت نصیب ہو اور اس دوران جو خوف و ترس اُسے حاصل ہو رہا ہے وہی اہلِ بیتِ اطہار ؑ کی شفاعت حاصل کرنے اور سختی سے اُن کا دامن پکڑنے کا موجب ہو جائے۔

شیعیانِ اہلِ بیت علیہم السّلام

شیعوں کے مقام اور اہلِ بیت ؑ کے دوستداروں کی نجات کے بارے میں جو روایتیں ہم تک پہنچی ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ ان کو جہنم کی آگ نہیں جلا سکتی۔ پس ایسی روایات ہماری امید کو تقویت بخشنے والی ہیں اور ہمارے آقاؤں کی محبت ہمارے لیے باعثِ اطمینان ضرور ہے لیکن یہ

امید واطمینان نہ بنادیں نیز معصیّت پر دلیری کا باعث نہ بنیں۔

شیعہ اور محبّ

اس موضوع سے متعلق روایات دوعنوانات پر مشتمل ہیں۔پہلی شیعہ اور دوسری محبِّ اہلِ بیت ؑ۔تاہم اُن شیعوں کا مقام ومرتبہ بلند ہے کیونکہ انہوں نے علم وعمل کے میدان میں سبقت حاصل کی ہے اور پھر بھی وہ اپنے آپ کو شیعۂ اہلِ بیت صلوات اللہ علیہم اجمعین کہنے کے قابل نہیں سمجھتے تھے۔مثلاً جناب محمد بن مسلم ثقفی، جوحضرت امام محمد باقر اور حضرت امام جعفر صادق + کے جلیل القدر اصحاب میں شمار ہوتے تھے،ان کے متعلق ان دونوں بزرگوںؑ نے شیعوں کوحکم دیا تھا کہ دینی مسائل میں ان کی طرف رجوع کریں۔اس کے علاوہ علمِ رجال کی کتب میں لکھا ہوا ہے کہ اپنے زمانے میں محمد بن مسلم سے بڑھ کر کوئی فقیہ موجود نہ تھا۔

محمد بن مسلم کی قاضی شریک سے گفتگو

ایک مرتبہ یہ بزرگوار ابوکریبۂ الاٗزدی کے ساتھ قاضی شریک کی خدمت میں حاضر ہوئے۔شریک نے غصّے سے ان کی طرف دیکھا اور کہا:''یہ دونوں جعفری اور فاطمی ہیں''۔یعنی اہلِ بیت اطہار ؑ کے شیعہ ہیں۔یہ سنتے ہی دونوں زاروقطار رونے لگے۔قاضی نے اُن سے گریہ کا سبب دریافت کیا تو بولے کہ آپ نے ہمیں ایک عظیم شخصیّت (حضرت جعفر بن محمد الصادقؑ) کی طرف نسبت دی ہے۔ہم جیسے کم زہدوتقویٰ اور اتنی عظیم نسبت!(چہ نسبت خاک را با عالم پاک)۔آپ ازراہِ کرم ہماری اس درخواست کی پذیرائی فرمائیں تو ہم آپ کے رہینِ منّت ہوں گے۔

امام کی پیروی کرنے والے حقیقی شیعہ ہیں

ہاں ہم شیعہ حقیقی کا خطاب اس شخص کودے سکتے ہیں کہ تمام کردار وگفتار میں اُن کا پیروکار رہو۔چنانچہ باب الحوائج حضرت موسیٰ -فرماتے ہیں:

اِنَّمَا شِیْعَتُنَا مَنْ شَیَّعَنَا وَاتبَعَ آثَارَنا وَ اقْتَدیٰ بِاَعْمَالِنَا (بحارالانوار)

''اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کہ ہمارا شیعہ صرف وہ ہے کہ(تمام حالات میں) ہماری پیروی کرے،ہمارے نقشِ قدم پر چلے اور ہمارے اعمال کی اقتداءکرے''۔

کچھ شیعوں کے ساتھ حضرت علی - کی گفتگو

ایک رات حضرت امیر المؤمنین - مسجد سے باہر جارہے تھے۔چاندنی کی وجہ سے فضا روشن تھی۔پلٹ کر دیکھا تو ایک گروہ آپ کے پیچھے آرہا تھا۔آپ نے فرمایا:تم لوگ کون ہو؟عرض کیا:ہم آپ کے شیعہ ہیں۔آنحضرتؑ نے ان کے چہروں کوغور سے دیکھا اور ارشاد فرمایا:کیا وجہ ہے کہ تمہارے چہروں پر شیعہ ہونے کی کوئی نشانی نہیں پائی جاتی؟عرض کی:مولا!شیعوں کی علامت کیا ہے؟فرمایا:

صَفَرَالْوُجُوْہُ مِنَ السَّھَرِ، عَمَشَ الْعُیُوْنُ مِنَ الْبُکَاءِ، حَدَبُ الظُّھُوْرُ مِنَ الْقِیَامِ، خَمَصُ الْبُطُوْنُ مِنَ الصِّیَامِ ذَبَلَ الشِّفَاۃُ مِن الدُّعَاءِ، عَلَیْھِمْ غَبَرَۃُ الْخَاشِعِیْنَ.

(بحارالانوار۔نقل از امالی شیخ طوسی وارشاد شیخ مفید علیہا الرحمۃ)

''عبادت خدا میں زیادہ شب بیداری سے اُن کے چہرے زرد ہوتے ہیں،خوفِ خدا سے زیادہ رونے کے سبب ان کی آنکھوں سے پانی گرتا ہے،عبادت میں زیادہ مشغول رہنے کے باعث ان کی کمرجھکی ہوئی ہوتی ہے،روزہ زیادہ رکھنے کی بناء پر ان کا پیٹ پیٹھ سے ملا ہوا ہوتا ہے،کثرتِ دعا سے ان کے ہونٹ خشک ہوتے ہیں اور ان پر خوفِ الٰہی چھایا ہوتا ہے''۔قارئینِ کرام کی مزید اطلاع کے لیے یہاں تین روایتوں پر اکتفا کررہا ہوں۔

شیعہ ہونے کے لیے دعویٰ کافی نہیں

عَنْ جَابِرٍ عن اَبِی جَعْفَرٍ عَلَیْہِ السَّلاَمُ اَیَکْتَفِیْ مَنْ یَنْتَحِلُ التَشَیُّعَ اَن یَقُوْلَ بِحُبِنَا اَھْلَ الْبَیْتِ. فَوَاللّٰہِ مَامِنْ شِیْعَتِنَا اِلاَّ مَنْ اِتَّقِ اللّٰہَ وَاطَاعَہٗ.

''جابرؓ حضرت امام محمّد باقر -سے نقل کرتے ہیں کہ آپؑ نے فرمایا:کیا کسی کے لیے یہ کافی ہے کہ وہ اپنے کوشیعیت کی طرف نسبت دے اور کہے کہ میں اہلِ بیت ؑ کا دوستدار ہوں؟خدا کی قسم ہمارا شیعہ اس شخص کے سوا اور کوئی نہیں جوخدا سے ڈرتا ہے اور ان کے احکام کی اطاعت کرتا ہے''۔

عَنْ مُفَضِّلُ بِن عَمَر قَالَ قَالَ اَبُوْعَبْدِاللّٰہِ عَلَیْہِ السَّلاَمُ اِذَا اَرَدْتَ اَنْ تَعْرِفَ اَصْحَابِی فَانظُرْ اِلٰی مَنْ اِشْتَدَّ وَرَعَہٗ

وَخافَ خالِقَهُ وَرَجا ثَوابَهُ وَاِذا رَاَيتَ هٰؤُلآءِ فَهٰؤُلآءِ اَصحَابِیُ (کافی)

''حضرت امام صادق - نے مفضل بن عمر سے فرمایا: اگر تم ہمارے اصحاب کو پہچاننا چاہتے ہو تو اس شخص کو دیکھو جو سختی کے ساتھ گناہوں سے پرہیز کرتا ہے اور اپنے خالق سے زیادہ ڈرتا ہے اور وہ اس کے ثواب کا امیدوار ہوتا ہے۔ جب تم کہیں بھی ایسے افراد کو دیکھنا تو سمجھ لینا کہ یہی لوگ میرے اصحاب ہیں''۔

دَخَلَ عِيسیٰ بُنُ عَبُدِاللّٰهِ القُمّی اِلیٰ ابی عَبُدِاللّه (ع) فَقَالَ عَلَيُهِ السَّلامُ لَيُسَ مِنَّا وَلاكَرَامَةَ مَنُ كَانَ فِیُ مِصُرٍ فِيُهِ مِأَ اَلفٍ اَوُيَزِيُدُوُنَ وَكَانَ فِیُ ذالِکَ الُمِصُرِ اَحَدُاَوُرَعُ مِنُهُ (کافی)

''عیسیٰ بن عبداللہ قمی حضرت ابی عبداللہ امام جعفر صادق - کی خدمت میں حاضر ہوئے تو فرمایا: وہ شخص ہم میں سے نہیں اور نہ ہمارے نزدیک اس کی عزت ہے کہ کسی شہر میں ایک لاکھ نفر آباد ہوں اور وہاں ایک آدمی (غیر شیعہ) بھی اس سے زیادہ پرہیزگار موجود ہو۔ یعنی شیعہ اہل بیت کو ایمان، عمل اور تقویٰ میں سب سے بہتر ہونا چاہیئے کہ اس کا مقابل کوئی دوسرا نہ ہو''۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں اُسے 'خیر البریّہ' سے تعبیر فرمایا ہے۔

اِنَّ الَّذِيُنَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُوُلٰئِکَ هُمُ خَيُرُ الُبَرِيَّةِ (سورہ ۹۸ آیت۷)

''بے شک جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کیے، یہی لوگ بہترین خلائق ہیں''۔

اور حضرت رسولِ اکرم ﷺ سے یہ روایت ہے کہ 'خیر البریّہ' سے مراد شیعیان علی - ہیں۔ جیسا کہ فرمایا:

تَاتِیُ اَنُتَ وَشِيُعَتُکَ يَوُمَ الُيَامَة، رَاضِيُنَ مَرُضِيُنَ (تفسیر طبری مناقب خوارزمی. الصواعق. تالیف ابن حجر)

''اے علی! 'خیر البریّہ' سے مراد آپ اور آپ کے شیعہ ہیں۔ قیامت کے دن جو کچھ اللہ تعالیٰ ان کو مرحمت فرمائے گا اس سے راضی اور خوشی کی حالت میں ہوں گے اور وہ سب پسندیدۂ خدا ہوں گے''۔

ولایت

کوئی شک نہیں کہ جس کو اہل بیت اطہار کی ولایت حاصل ہوگی وہ نجات پانے کا اہل ہوگا۔ بلکہ انبیاءِ کرامؑ اور آئمہ اطہار☆ کے ساتھ ہوگا۔ چنانچہ امام رضا - نے فرمایا:

حَقٌّ عَلَى اللّٰهِ اَنُ يَبُعَثَ وَلِيَّنَا مُشُرِقًا وَجُهُهُ نَيِّراً بُرُهَانُهُ ظَاهِرَةً عِنُدَاللّٰهِ حُجَّتُهُ، حَقٌّ عَلَى اللّٰهِ تَعَالٰى اَنُ يَّجُعَلَ وَلِيَّنَا مَعَ النبيِّيُنَ وَالصِّدِّيُقِيُنَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصّٰلِحِيُنَ وَحَسُنَ اُوُلٰئِکَ رَفِيُقًا (بحارالانوار)

''ہمارے دوستدار کو قیامت کے دن ایسی حالت میں محشور کرنا اللہ تعالیٰ کے ذمے ہے کہ اس کا چہرہ خوبصورتی سے چمک رہا ہو۔ اس کی دلیل روشن اور اس کی حجّت اللہ کے نزدیک ظاہر ہو۔ اللہ تعالیٰ کے ذمے ہے کہ ہمارے دوست (صاحب ولایت) کو قیامت کے دن انبیاء و شہداء و صدیقین کے ساتھ محشور فرمائیں اور یہ ہستیاں بہترین رفیق ہیں''۔

مگر جاننا چاهیئے که ولایت کے معنی کیا هیں

کتاب مجمع البحرین میں ولایت کے لغوی معنی کے بارے میں لکھا ہے:

اَلُوَلايَةُ بِالُفَتُحِ؛ مَحَبَّةُ اَهَلَ الُبَيُت عَلَيُهِمُ السَّلامُ وَاِتِّبَاعُهُمُ فِیُ الدِّيُن وَامُتِثَالُ اَوَامِرِ هِمُ وَانوَاهِيهِمُ وَالتَّاسِّیُ بِهِمُ فِی الُاَعُمَالِ وَالُاَخُلَاقِ.

''ولایت زبر کے ساتھ اہل بیت ؑ کی محبت اور دینی امور میں پیروی کرنا اور جن چیزوں کا امر ہے اُن کو کماحقہٗ بجالانا اور جن چیزوں سے منع کیا گیا ہے ان سے دور رہنا اور اعمال و اخلاق اُن کے نقش قدم پر چلنے کا نام ولایت ہے۔ ولایت کی اس تعریف سے واضح ہو کہ ولایت سے مراد فقط محبّت و اطاعت ہے۔ میرے اس بیان کی دلیل حدیث زرارہ ہے جو کہ حضرت امام محمّد باقر - سے منقول ہے جس میں امام - نے ولایت کو اطاعت سے تعبیر فرمایا ہے''۔

حضرت علی - کی ولایت خدا کا مضبوط قلعه هے

اس مضمون کا مفہوم 'سلسلۃ الذّہب' جیسی حدیث شریف سے استفادہ کیا گیا ہے جو صدوقؒ نے امام رضا - سے نقل کی ہے۔ اس کی عبارت یوں ہے:

قَالَ اللّٰهُ تعالٰى وَلايَةُ عَلِيّ بن اَبيُطَالِبٍ حِصُنِي فَمَنُ دَخَلَ فِی حِصُنِیُ اَمِنَ مِنُ عَذَابِیُ.

''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: علی بن ابی طالب کی ولایت میرا قلعہ ہے۔ پس جو کوئی میرے قلعے میں داخل ہو وہ میرے عذاب سے محفوظ رہا''۔

اس میں شک نہیں کہ اہلِ بیتِ عصمت وطہارت ؑ کی ولایت کے قلعے میں داخل ہونے سے مقصود شیطان اور نفس وخواہشات کی پیروی سے دور بھاگنا اور ان کے دشمنوں سے دور رہنا ہے۔ اور ان بزرگواروں کی پناہ میں داخل ہونا ہے۔ مختصر یہ کہ تمام افعال واقوال میں ان عظیم ہستیوں کا پیروکار ہونا چاہیئے۔ جاننا چاہیئے کہ لفظ تحصُّن (مستحکم قلعہ میں پناہ لینا) صرف لفظ سے تعلق نہیں رکھتا بلکہ فعل وعمل کے ذریعہ ان بزرگواروں کی پناہ میں آنا چاہیئے۔ چونکہ ہر شخص جس کی پیروی کرتا ہے یقیناً وہ اس کے (حصن) قلعے میں پناہ لیتا ہے۔ پس جو کوئی معصیّت میں مبتلا ہوتا ہے وہ عصیان کاری کی حالت میں حصن علی - سے خارج ہوتا ہے اور نفسِ امّارہ اور شیطان کے دام میں پھنس جاتا ہے۔

درندہ شیر سے قلعے میں پناہ لینا

بزرگانِ دین کا قول ہے کہ جو کوئی زبان سے اَعُوْذُبِاللہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْم (یعنی پناہ لیتا ہوں میں اللہ کی شیطان مردود سے) کہتا ہے لیکن عملی طور پر شیطان کی پیروی کرتا ہے، اس شخص کی مانند ہے کہ جس کے شکار کو شیر درندہ کمین گاہ میں بیٹھا ہو ہو اور اس کے سامنے ایک قلعہ موجود ہو اور وہ شیر سے کہتا ہو: اگر تو نے حملہ کیا تو میں اس قلعے میں پناہ لے لوں گا۔ باوجود خطرے کے وہ اپنی جگہ سے حرکت نہیں کرتا اور قلعہ میں داخل نہیں ہوتا۔ آخر کار شیر اُسے موت کے گھاٹ اتار دے گا۔ ورنہ وہ کوشش کر کے جلد تر قلعے کے اندر داخل ہو جائے تب ہی نجات پائے گا۔

قلعے میں داخل ہونا چاہیئے

پس جو شخص یہ چاہتا ہے کہ وہ تمام خطروں سے محفوظ رہے اُسے چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کے مضبوط قلعے میں، جو کہ حضرت امیر المؤمنین - کی پیروی ہے، داخل ہو جائے۔ اگر خدانخواستہ وہ عملاً شیطان کے دام میں پھنسا ہو ہے اور زبان سے دعویٰ کرے کہ میں محبِّ علی ہوں، اس سے کوئی نتیجہ مرتب نہیں ہو سکتا۔

کیا کردار کے بغیر زبانی دعویٰ کافی ہے؟

یَاجَابِرُ لاتَذْهَبَنَّ بِکَ الْمَذَاهِبُ حَسِبَ الرَّجُلُ اَنْ یَقُوْلَ احِبُّ عَلِیّاً وَّاَتَوَلَّاهُ ثُمَّ لایَکُوْنُ مَعَ ذٰلِکَ فِعَالاً . فَلَوْ قَالَ اِنِّیْ اُحِبُّ رَسُولَ اللّٰه (ص) فَرَسُوْلُ اللّٰهِ خَیْرٌ مِنْ عَلِیّ ثُمَّ لایَتَّبِعُ سِیْرَتَهُ ولایَعْمَل بِسُنَّتِهِ نَفَعَهُ حُبُّهُ اِیَّاهُ.
فَاتَقُوا اللّٰهَ وَاعْمَلُوْا لِمَا عِنْدَاللّٰهِ لَیْسَ بَیْنَ اللّٰهِ وَبَیْنَ اَحَدٍ قَرَابَةٌ اَحَبُّ الْعِبَادِ اِلَی اللّٰهِ وَاَکْرَمُهُمْ عَلَیْهِ اَتقیهُمْ وَاَعْمَلُهُمْ بِطَاعَتِهِ. یَاجَابِرُ وَاللّٰهِ لاَ یَتَقَرَّبُ اِلَی اللّٰهِ اِلَّا بِطَاعَتِهِ وَمَا مَعَنَابَرَاءَ ةٌ مِنَ النارِ وَلاَ عَلَی اللّٰه عَلَی اَحَدٍ مِنْ حُجَّةٍ مَنْ کَانَ مُطِیْعاً لِلّٰهِ فَهُوَ لَنَا وَلِیٌّ وَمَن کَانَ لِلّٰهِ عَاصِیاً فَهُوَ لَنَاعَدُوٌّ وَمَا تَنَالُ وَلاَ یَتُنَا اِلَّا بِالْعَمَلِ وَالْوَرَع. (کافی)

''حضرت امام محمد باقر - نے شیعوں کے صفات بیان کرنے کے بعد فرمایا: اے جابر! آیا کسی شخص کا اتنا کہنا کافی ہے کہ میں علی - کو دوست رکھتا ہوں اور مجھے ان کی ولایت حاصل ہے۔ اس دعوے کے باوجود عملی طور پر اہلبیت ؑ کی پیروی نہیں کرتا۔ اگر کسی نے کہا بے شک میں رسولِ خدا ﷺ کو دوست رکھتا ہوں کیونکہ رسول اللہ ﷺ علی - سے بہتر ہیں اور میں شیعۂ محمد ہوں۔ (اس دعوے کا جواب یہ ہے کہ خود پیغمبرِ خدا ﷺ نے اپنے اہلبیت کی پیروی کے بارے میں تاکید فرمائی ہے)، 'تعجب ہے' کہ باوجود دعوائے محبتِ رسول ﷺ اُن کی سیرتِ طیّبہ کی متابعت نہیں کرتے اور نہ ان کی سنت پر عمل پیرا ہیں۔ فقط دعوائے محبت سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ پس تم اللہ سے ڈرو تا کہ اس کی رحمت تمہارے شاملِ حال ہو جائے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اور کسی کے درمیان رشتہ داری نہیں۔ اللہ کے نزدیک پسندیدہ ترین اور عزیز ترین بندہ وہ ہے جو سب سے زیادہ ڈرتا ہو اور سب سے زیادہ عمل کرتا ہو۔''

عمل ہی سے مقصد حاصل ہوتا ہے

گذشتہ فرمائش سے پیوستہ فرمایا:

یَاجَابِرُ وَاللّٰهِ لایَتَقَرَّبُ اِلَی اللّٰهِ اِلَّا بِطَاعَتِهِ وَمَا مَعَنَا بَرَاءَ ةٌ مِّنَ النَّارِ وَلاعَلَی اللّٰهِ عَلَی اَحَدٍ مِنْ حُجَّتِهِ مَنْ کَانَ مُطِیْعاً لِلّٰهِ فَهُوَ لَنَا وَلِیٌّ وَمَنَ کَانَ لِلّٰهِ عَاصِیاً فَهُوَ لَنَاعَدُوٌّ. وَمَا تَنَالُ وَلاَ یَتُنَا اِلَّا بِالْعَمَلِ وَالْوَرَعِ (کتاب کافی)

''اے جابر! خدا کی قسم قربِ الٰہی بغیر اس کی اطاعت کے کسی طرح نصیب نہیں ہوتا۔ جب ہمارے شیعوں کے پاس اطاعت وعمل نہ ہو تو ان کو بے قصور ٹھہرا کر جہنم سے آزادی کا ہمارے پاس کوئی حکم نامہ نہیں۔ فقط یہ کہنا کہ 'شیعہ ہوں'، بارگاہِ الٰہی میں قابلِ سماعت دلیل نہیں۔ (اگر خدا چاہے تو اُسے

عذاب میں مبتلا کرسکتا ہے کیونکہ خداوندِ عالم کی طرف سے یہ وعدہ نہیں کہ 'مدعیٔ تشیع' کو بخش دیں گے۔ معیار اطاعت وعمل ہے)۔ پس جو کوئی اللہ کی اطاعت کرنے والا ہو وہی ہمارا ولی (دوستدار) ہے اور جو معصیّت کار ہو وہ ہمارا دشمن ہے۔ اور ہماری ولایت سوائے تقویٰ وعمل کے کسی طرح حاصل نہیں ہوسکتی۔''

تقویٰ کی اقسام کے متعلّق علّامہ مجلسی کی رائے

علاّمہ مجلسی رضوان اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تقویٰ کی چار قسمیں ہیں:

(۱) 'ورع تابعین'، جس سے مراد محرمات سے پرہیز کرنا ہے۔

(۲) 'ورع صالحین'، یعنی مشتبہ چیزوں سے پرہیز کرنا تاکہ حرام سے آلودہ نہ ہو۔

(۳) 'ورع متقین'، جس سے مقصد مباح چیزوں کو ترک کرنا ہے تاکہ حرام چیزوں میں مبتلا نہ ہوں۔ مثلاً لوگوں کے حالات نہ پوچھنا اس خوف سے کہ مبادا غیبت کے مرتکب ہو جائیں۔

(۴) 'ورع سالکین'، یعنی غیرِ خدا سے منہ پھیر لو اس ڈر سے کہ قیمتی عمر بیہودہ کاموں میں صرف ہو جائے۔ اگرچہ حرام کے ارتکاب کا اسے اندیشہ بھی نہ ہو۔

محبت

حضرات اہلِ بیتِ اطہار ؑ اور برادرانِ اہلِ تسنّن کی بہت سی روایتوں سے بشارت ملی ہے کہ جس سے ایمان دار لوگوں کی امید کو تقویت ملتی ہے کہ اس محبت کی برکت سے خواہش پرستی اور شیطان کی پیروی سے مکمل دوری حاصل ہوتی ہے۔ کیونکہ اگر کسی نے کسی بزرگ ہستی سے دوستی کی تو اس دوستی کا لازمہ یہ ہے کہ محبوب کے دوستوں سے دوستی برقرار رکھیں اور دشمنوں سے دشمنی۔ شیطان کی دوستی اور خواہشاتِ نفسانی کی پیروی اللہ تعالیٰ بندگی اور محبت اہل ابرار ؑ کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔

انشاءاللہ دوستداران علی - ان کی محبت کی برکت سے شیطان کی راہ سے دور رہیں گے۔ لہٰذا معلوم ہو کہ محبت بھی ولایت کی طرح معصیت سے برأت کا سبب نہیں بننا چاہیئے بلکہ اس کے برعکس اگر حقیقی اور سچا محبّ ہے تو پھر خواہشاتِ نفسانی کے گرد نہیں گھومتا۔ اس مطلب کو واضح کرنے کے لیے چند مختصر احادیث کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔

محبّت انسان کو ثابت قدم کرتی ہے

قَالَ الْبَاقِرُ (ع) مَاثَبَتَ اللّٰهُ حُبَّ عَلِيٍّ فِي قَلْبِ اَحَدٍ فَزَلَّتْ لَهُ القَدَمُ اِلَّا ثَبَتَهَا اللّٰهُ وَثَبَّتَ لَهُ قَدَمٌ اُخرىٰ

(بحار الانوار)

''حضرت امام محمد باقر - نے فرمایا: خداوندِ عالم نے حضرت علی - کی دوستی کو جس شخص کے دل میں جگہ دی ہے اس کے قدم میں معصیت سے لغزش نہیں آتی بلکہ اللہ اُسے بچا کر اس میں ثابت قدمی پیدا کرتا ہے اور دوسرے اُٹھنے والے قدم کو بھی استحکام بخشتا ہے۔''

جناب جابر انصاریؓ کی وصیّت

اِنْ تَزَلَّ لَهُمْ قَدَمٌ بِكَثْرَةِ ذُنُوْبِهِمْ ثَبَتَتْ لَهُمْ اُخْرىٰ بِمَحَبَّهِمْ

(ج ا سفينة البحار)

حضرت جابر انصاری نے اپنی وصیت میں عطیۂ کوفی سے کہا ''اگر اہلِ بیت صلوات اللہ علیہم اجمعین کے دوستوں کا پہلا قدم گناہوں کی کثرت کے سبب لڑکھڑا گیا تو اِن حضرات کی محبت کی وجہ سے دوسرا قدم جمانے کی سکت اللہ تعالیٰ پیدا کر دے گا۔''

حضرت علیؑ کے دوستداروں کے لیے فرشتوں کی استغفار

بہت سی روایتوں سے یہ ثابت ہے کہ دوستداران اہل بیت ؑ کے لیے ملائکہ استغفار کرتے ہیں۔ چنانچہ بحار الانوار میں اہلِ سنّت و الجماعت سے یہ روایت نقل کی گئی ہے:

عَنْ اَنَسٍ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ (ص) قَالَ خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ نُوْرِ وَجْهِ عَلِيِّ بْنِ اَبِيْطَالِب سَبْعِيْنَ اَلفَ مَلَكٍ يَسْتَغْفِرُوْنَ لَهُ وَلِمُحِبِّيْهِ اِلىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ

''خداوندعالم نے حضرت علی - کے نور سے ستّر ہزار طرشتے پیدا کئے ہیں۔ یہ ملائک اُن پر اور ان کے دوستوں کے لیے قیامت تک استغفار کرتے

رہیں گے۔‘‘

حضرت علی- کی محبت گناھوں کو جلا ڈالتی ھے

اس بارے میں صراحتاً روایت ہے کہ حضرت علی - کی دوستی گناہوں کو فنا کر دیتی ہے۔ چنانچہ بحارالانوار میں ابن ِ عباسؓ نے یہ روایت حضرت رسول ِ خدا ﷺ سے نقل کی ہے:

حُبُّ عَلِیُّ بْنُ اَبِیْ طَالَبٍ یَأْکُلُ الذُّنُوْبَ کَمَا تَاْکُلُ النَّارُ الْحَطَبَ.

’’یعنی حضرت علی - کی محبت گناہوں کو اس طرح جلا دیتی ہے جس طرح آگ لکڑی کو جلاتی ہے۔

رذل سواد معاصی بروں برد مہرش چنانکہ ماہ برد ظلمت ِ شب ِ دیجور

زحبّ او ست بروز جزانہ از طاعت امید ِ مغفرت از حیّ ِ لا یزال ِ غفور

(رباعی)

یعنی حضرت علی - کی محبت دل کی سیاہی کو اس طرح مٹا دیتی ہے جیسے چاند تاریک رات کے اندھیرے کو۔ قیامت کے دن مغفرت ان کی محبت کے صلے میں ملے گی نہ کہ اطاعت وعبادت کے عوض۔ مگر اس محبت کے ساتھ ہمیشہ رہنے والے غفورِ رحیم کی امید بھی دل میں ہونی چاہیئے۔ (یعنی محبت سے سرشار ہو کر اللہ تعالیٰ کو فراموش نہ کرے)۔

پریشانیاں اور بلائیں گناھوں کو زائل کر دیتی ھیں

اس بارے میں روایت ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اہل ِ بیت ؑ کے گناہ گار دوستوں کو دنیا میں گوناگوں بلاؤں میں مبتلا کرتا ہے تاکہ مرنے سے پہلے گناہوں سے پاک ہو جائیں۔ اگر گناہ زیادہ ہیں تو جان کنی کی سختی سے؛ اگر اس سے بھی زیادہ ہیں تو برزخ سے لے کر محشر تک کے عذاب سے پاک کر دیتا ہے۔ بالفرض وہ اس قدر گناہ گار ہے کہ میدانِ حشر تک کثرت سے گناہ باقی ہوں اور معاف نہیں ہوئے ہوں تو جہنم کی آگ سے معذّب ہوگا اور گناہوں سے پاک وصاف ہو کے بعد نکالا جائے گا۔ اور وہ شخص جس کے دل میں محبتِ اہل ِ بیت ؑ اور ایمان کا ذرہ موجود ہے وہ جہنم میں نہیں رہے گا۔ چونکہ ہمیشہ کا عذاب کفّار اور دشمنان ِ اہل ِ بیت ِ رسول صلوات اللہ علیہم اجمعین کے لیے مخصوص ہے۔

محبّت کے انداز سے فیض حاصل کر سکتا ھے

ضمناً اس نکتے کی ہاددہانی بھی کی جاتی ہے کہ عذاب ِ الٰہی میں کم یا زیادہ مدّت گرفتار رہنے کا دارومدار محبت ِ اہل ِ بیت ؑ کی شدّت اور ضعف کی بناء پر ہے۔ محبت زیادہ ہو تو شفاعت بھی جلد ہوگی بلکہ سکرات موت کے وقت اس کی فریاد کو پہنچتے ہیں۔ چنانچہ جناب سیّد حمیری نے سوانح عمری میں لکھا ہے کہ سیّد اسماعیل حمیری ؒ شاعر اہل بیت ؑ تھے۔ ۱۷۳ھ میں وفات پائی۔ حضرت علی - کی ہر ایک فضیلت کے بارے میں ایک قصیدہ انشاء فرمایا ہے ان کو کسی مجلس میں اس وقت تک سکون وقرار نہیں ملتا تھا جب تک کہ وہ اپنے قصائد میں سے کوئی قصیدہ پڑھ کر نہ سنا دیں۔ اِن بزرگوار کی رحلت کے وقت بڑی کرامت ظاہر ہوئی۔ چنانچہ شیعہ وسنی کتب مثلاً الغدیر، جلد سوم، کتاب الأغانی، مناقب ِ سروری، کشف الغمہ، امالی شیخ صدوق، بشارۃ المصطفیٰ، اور رجال کشی میں یہ حکایت نقل کی گئی ہے۔ اس کا خلاصہ یوں ہے:

سیّد صاحب کی وفات کے وقت شیعہ مذہب کے مخالفین کی ایک جماعت موجود ہوگئی۔ سیّد صاحب خوبصورت آدمی تھے اور سرخ وسفید چہرہ رکھتے تھے۔ بار بار اور کثرت سے افسوس کا اظہار کر رہے تھے۔ اسی اثناء میں ان کے چہرے پر روشنائی کی طرح ایک سیاہ نقطہ ظاہر ہوا اور دیکھتے ہی دیکھتے تیزی سے پھیلنے لگا۔ یہاں تک کہ سارا چہرہ تارکول کی طرح سیاہ ہو گیا۔ مخالفین خوش ہونے لگے اور ملامت چہ میگوئیاں کرنے لگے۔ سیّد پر خاموشی اور بے ہوشی طاری تھی۔ ایک مرتبہ ہوش آیا تو آنکھیں کھولیں اور نجف اشرف کی سمت رخ کر کے فریاد کی: یا امیر المؤمنین، اے بے چاروں کے مرکزِ امید، کیا آپ اپنے دوستوں کے ساتھ ایسا سلوک کرتے ہیں؟ کہتے ہیں کہ تین بار اس جملے کی تکرار کی۔ اتنے میں خدا کی قسم ایک نور اُن کی پیشانی پر ظاہر ہو جو آہستہ آہستہ پھیلتا گیا۔ یہاں تک کہ چہرۂ مبارک چودھویں رات کے چاند کی طرح چمکنے لگا۔ سیّد نے ہنستے ہوئے خوشی میں فی البدیہہ یہ شعر کہے:

کَذِبَ الزَا عِمُوْنَ اَنَّ عَلَیّاً لَنْ یُّنْجِی مُحِبُّہُ مِنْ ھَتَاتِ

جھوٹ کہا ہے ایسا گمان کرنے والوں نے کہ علی - اپنے دوست کوسختی سے نجات نہیں دے سکتے۔

قَدُوَرَبّیُ دَخَلُتُ جَنَّۃَ عَدُنٍ وَعَفَالِیَ الْاِلٰہُ عَنُ سَیّئَاتی

میرے پروردگار کی قسم میں بہشت میں داخل ہوا ہوں اور یقیناً اللہ تعالیٰ نے میرے گناہ بخش دیئے۔

فَابُشِرُوا الْیَومَ اَوُلِیاءَ عَلیٍ وَتَولُّوُا عَلِیاً حَتّیٰ الْمَمَاتِ

پس تمہیں بشارت ہوا ے دوستدارانِ علی - جو مرتے دم تک علی - کا دوستدار رہے۔

ثُمَّ مِنُ بَعُدِہِ تَوَلُّوُا بَنِیہِ وَاحِداً بَعُدَ وَاحِدٍ بِالصِّفَاتِ

اس کے آپ - کے گیارہ فرزند۔ یکے بعد دیگرے جو امامت کے جملہ اوصاف رکھتے ہیں، ان کی محبت کریں۔

ان چار اشعار کے بعد اللہ کی وحدانیت، پیغمبر خدا ﷺ کی رسالت اور امیر المؤمنین - کی ولایت کا زبان سے اقرار کیا۔ آنکھیں بند کیں اور دنیا سے سدھار گئے۔

خواہشات محبت کی راہ میں رکاوٹ ہیں

کبھی ایسی ابھی ہوتا ہے کہ دنیوی مال و دولت سے زیادہ محبت اور خواہشاتِ نفسانی کے ہیجان سے یا آلِ محمد صلوات اللہ علیہم اجمعین کی محبت دل میں نہ ہونے یا اگر ہے تو کمی کی بناء پر لوگ مرتے وقت اہلِ بیتِ اطہار ؑ کو بھول جاتے ہیں اور جس چیز کی محبت میں وہ سرشار ہوتے ہیں موت کے وقت صرف وہی نظر آتا ہے۔ اس بارے میں بہت سی روایتیں ہیں۔ ان کا یہاں ذکر کرنا موضوع سے علیحدہ اور طوالت کا باعث ہوگا اس لیے مختصر گذارش پر اکتفا کی جاتی ہے۔

سودا خوش است کہ یکجا کند کسی

اس مصرعے سے جو مطلب اخذ ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ اہل ِ ایمان اپنے دل میں زیادہ سے زیادہ محبت ِ اہل ِ بیت ؑ پیدا کرنے کی کوشش کریں اور اس کے علاوہ دوسری چیزوں کی محبت کو دل سے نکال دیں اور ہر گناہ سے خصوصاً گناہان ِ کبیرہ سے اجتناب کریں تا کہ انشاءاللہ بُرے انجام سے محفوظ رہیں۔

نعمت کو معصیت میں استعمال نہ کریں

حضرت امام جعفر صادق - نے اپنے بعض دوستوں کے نام یہ خط لکھا:

اِنُ اَرَدُتَّ اَنُ یَخُتِمِ عَمَلُکَ بِخَیرٍ حَتّیٰ تَقُبِضَ وَاَنُتَ فِیُ اَفُضَلِ الْاَعُمَالِ فَعَظِّمِ اللّٰہِ حَقَہُ اَنُ تَبُذِلَ نِعُمَائِہِ فی مَعَاصِیِہِ وَاَنُ تَنُتَر بِحِلّمِہٖ مِنُکَ وَاَکُرِمُ کُلَّ مَنُ وَّجَدُ یَذُکُرُنَا اَوُیَنُتَحِلُ مَوَدَّتَنَا. ثُمَّ لَیُسَ عَلَیُکَ صَادِقاً کَانَ اَوُ کَاذِباً. اِنَّمَا لَکَ نِیَّتُکَ وَعَلَیُہِ کِذُبُہُ (بِحَار الْاَنُوار)

''اگر تم چاہتے ہو کہ تمہاری عمر و عاقبت بہترین اعمال و حالات کے ساتھ انجام پائے اور اسی حالت میں روح قبض ہو تو اللہ تعالیٰ کو کماحقّہٗ بزرگ جانو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کی نعمتوں کو اس کی نافرمانیوں میں صرف کرو اور خداوند ِ متعال کی عنایات کا غلط فائدہ اٹھا کر مغرور ہو جاؤ (یعنی نعمت ِ خداوندی کو معصیت کی راہ میں صرف نہ کرو) اور ہر اس شخص کی عزّت کرو جو ہم اہل ِ بیت کو یاد کرتا رہتا ہے یا ہماری دوستی کا اظہار کرتا ہے اس سے واسطہ نہیں کہ وہ سچ بولتا ہے یا جھوٹا دعویٰ کرتا ہے، کیونکہ تم کو اپنی نیت کا اچھا صلہ اور اس کو اپنے جھوٹ کا گناہ (سزا) مل جائے گا۔''

گناہ کی تاریکی اور توبہ کا نور

عَنِ الصَّادِق (ع) فی تَفُسِیرِ قَوُلِہٖ تَعَالیٰ ((اَللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِینَ آمَنُوُا یُخُرِجُھُمُ مِنَ الظُّلُمَاتِ اِلیٰ النُّوُرِ)) قَالَ علیہ السَّلام یَعُنِیُ مِنُ ظُلُمَاتِ الذُّنُوُبِ اِلیٰ نُوُرا التَّوُبَۃِ وَالْمَغُفِرَۃِ لِوَلاَ یَتِہِمُ کُلُّ اِمَامٍ عَادِلٍ مِنَ اللّٰہِ عَزَّوَجَلَّ ((وَالَّذِیُنَ کَفَرُوُا اَوُلِیُھُمُ الطَّاغُوُتُ یُخُرِجُوُنَھُمُ مِنَ النُّوُرِ اِلَی الظُّلُمَات)) اِنَّمَا عُنِیَ بِھٰذا عَلیٰ اَنَّھُمُ کَانُوُا عَلیٰ نُوُرِ الْاِسُلَامِ فَلَمَّا اَنُ تَوَلوُا کُلَّ اِمَامٍ جَائِرٍ لَیُسَ مِن اللّٰہِ خَرَجُوا بِوَلاَیَتِہِمُ مِنُ نُوُرِالْاِسُلَامِ اِلیٰ ظُلُمَاتِ الْکُفُرِ. فَاَوُجَبَ اللّٰہُ لَھُمُ النَّارُ مَعَ الْکُفَّارِ

(تفسیر صافی ص ۶۸ نقل از اصول کافی)

''اس قولِ خدا کی تفسیر کے بارے میں کہ 'خدا ان لوگوں کا سرپرست ہے جو ایمان لا چکے انہیں تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لاتا ہے'، حضرت

امام جعفر صادق - سے پوچھا تو آپ نے فرمایا: یعنی اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو گناہوں کی تاریکیوں سے توبہ اور مغفرت کے نور کی طرف لے جاتا ہے۔ کیونکہ ان لوگوں کو ہر ایک امام عادل اور اللہ کی طرف سے منصوب پیشواؤں یعنی بارہ امام ؑ کی ولایت حاصل ہے۔

اور اس آیت کے آخری حصے ''اور جن لوگوں نے کفر اختیار کیا انکے سرپرست شیطان ہیں کہ ان کو روشنی سے نکال کر تاریکیوں میں ڈال دیتے ہیں''۔ (سورۂ بقرہ آیت ۲۵۷) کے بارے میں یوں ارشاد فرمایا کہ خدائے تعالیٰ کا ارادہ اس آیہ شریفہ سے اس کے سوا اور کچھ نہیں ''جو لوگ نور اسلام پر تھے اس کے بعد ہر ایک ظالم اور ناحق پیشواؤں کی پیروی کرتے رہے جو کہ منصوب من اللہ نہیں تھے۔ اس لئے نور اسلام سے کفر کی تاریکیوں کی طرف نکل گئے۔ پس اللہ تعالیٰ نے کافروں کے ساتھ جہنم کی آگ ان کے لیے واجب قرار دیدی۔

کبیرہ اور صغیرہ کے معنی

گذشتہ مطالب سے یہ واضح ہوا کہ گناہ کی دو قسمیں ہوتی ہیں؛ کبیرہ اور صغیرہ۔ کبیرہ گناہ کے خواص اور اس کے ترک یا مرتکب ہونے سے جو اثرات مرتب ہوتے ہیں وہ معلوم ہوئے۔ اب ہم گناہ کبیرہ سے مراد اور ان کی تعداد بیان کریں گے۔

اس موضوع پر علمائے کرام کے اقوال ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ ان تمام اختلافات اور اعتراضات کو بیان کرنے سے اس کتاب کی شکل ہی بدل جائے گی۔ چوں کہ ہماری غرض اختصار اور عام لوگوں کو فائدہ پہنچانا ہے، لہٰذا تفصیل کے خواہش مند حضرات کتاب شرح کافی اور اربعین شیخ بہائی ؒ کی طرف رجوع کریں۔

اس مسئلہ میں علمائے کرام اور مراجع تقلید کی تحقیق کے مطابق مستند و جامع قول وہی ہے جو کہ اہل بیت آیۃ فقیہ اہل ِ بیت آیۃ اللہ العظمیٰ السیّد محمد کاظم طباطبائی یزدی طاب ثراہ نے باب شرائط امام جماعت عروۃ الوثقیٰ میں بیان فرمائے ہیں۔ ہم اسی پر اکتفا کرتے ہوئے سید موصوف کے فرمودات کا خلاصہ یہاں ذکر کرتے ہیں۔ انہوں نے گناہ کبیرہ کے تعیّن کے چار طریقے اس طرح بتائے ہیں:

گناہ کبیرہ کیا ہے؟

(۱) کبیرہ ہر وہ گناہ ہے جو قرآن و حدیث میں صریحاً کبیرہ قرار دیا گیا ہو۔ اس قسم کے گناہوں کی تعداد چالیس سے زیادہ ہے جن کو اہل بیت عصمت ؑ کی احادیث میں واضح طور پر بیان کیا گیا ہے۔ اب ہم ان روایات کی تشریح و تجزیہ کرتے ہیں۔

(۲) کبیرہ ہر وہ گناہ ہے کہ قرآن مجید اور سنّت معتبرہ میں جس کے مرتکب شخص کے لیے واضح طور پر جہنم کی وعید دی گئی ہو یا یہ کہ واضح طور پر قرآن و حدیث میں آتش جہنم کا وعدہ ذکر نہیں مگر ضمناً مذکور ہے۔ مثلاً قول ِ رسول اکرم ﷺ:

''جس نے جان بوجھ کر نماز ترک کی یقیناً وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے پیغمبر کے ذمے سے بری ہوتا ہے۔''

اس روایت میں اشارتاً آتش جہنم کا وعدہ ہے مگر واضح الفاظ میں ذکر نہیں۔ لیکن دوسری روایتوں سے ان مبہم نکات کی وضاحت کے لیے روشن دلیلیں ملتی ہیں۔ جیسا کہ حضرت امام محمد باقر اور امام جعفر صادق + نے فرمایا:

الکَبَائِرُ کُلُّ مَا اَوْعَدَ اللّٰہُ عَلَیْہِ النَّارُ.

''گناہ کبیرہ ہر وہ گناہ ہے کہ جس پر خدائے تعالیٰ نے جہنم کا وعدہ کیا ہے۔''

اور وہ روایت صحیحہ جو امام زادہ عبدالعظیم حسنی ÷ سے منقول ہے، آگے ذکر ہوگی۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ عذاب ِ الٰہی کا وعدہ خواہ قرآن میں ہو یا سنّت و اخبار میں، کوئی فرق نہیں۔

(۳) ہر وہ گناہ جو قرآن یا سنّت معتبرہ کی رو سے مسلمہ طور پر گناہ کبیرہ ہو۔ اگر اس کے مقابل کوئی دوسرا گناہ اس سے زیادہ بڑا شمار کریں تو وہ بھی گناہ ہے۔ مثلاً قتل نفس گناہان ِ کبیرہ میں سے ہے اور قرآن و سنّت دونوں سے ثابت ہے۔ چنانچہ ابن محبوب کی صحیح حدیث میں 'نفس محترم' کا قتل واضح عبارت میں گناہ کبیرہ محسوب کیا گیا ہے۔ اور قرآن مجید میں قاتل کے لیے عذاب کا وعدہ دیا ہوا ہے۔ پس اگر قرآن پاک میں یا ایسی سنّت جسے معتبر سمجھا جائے اس کے معنی سے یہ واضح ہو جائے کہ فلاں گناہ قتل نفس سے بڑا گناہ ہے اس صورت میں وہ گناہ بھی گناہ کبیرہ ہی ہوگا۔ مثلاً فتنہ انگیزی کے بارے میں قرآن مجید میں ارشاد ِ ربّانی ہے کہ وہ قتل نفس سے بھی بڑا گناہ ہے:

وَالْفِتْنَۃُ اَکْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ

اس سے ہمیں یقین پیدا ہوتا ہے کہ فتنہ بھی گناہان کبیرہ میں محسوب ہوتا ہے۔

(۴) کبیرہ وہ گناہ ہے جو دین دار اور شریعت پسند افراد کے نزدیک بڑا گناہ ہو۔اس طرح کہ یہ یقین حاصل ہو جائے کہ مثلاً فلاں گناہ اس وقت سے لے کر زمانۂ معصوم - تک سارے متدینین مسلسل گناہ کبیرہ شمار کرتے آئے ہیں۔جیسا کہ عقلاً اور مسئلہ جانتے ہوئے خانۂ خدا کی بے حرمتی کے قصد سے مسجد نجس کرنا یا نعوذ باللہ قرآن مجید دور پھینک دینا وغیرہ وغیرہ گناہ کبیرہ میں شمار ہوتے ہیں۔

گناہ کبیرہ کے تعیّن کرنے کے چار طریقے جیسا کہ سیّدؒ نے فرمایا، بیان کیے گئے۔جن میں پہلی قسم وہ گناہان کبیرہ ہیں جن کے بارے میں نص موجود ہے۔باقی تین طریقوں میں سے کسی ایک طریقے سے کبیرہ ہونا ثابت ہو اس کی تفصیل ذیل میں بیان کی جاتی ہے۔

مذکورہ چار طریقوں سے متعلّق عروۃ الوثقیٰ کی اصل عبارت

(۱) اَلْمَعْصِیَۃُ الْکَبِیْرۃ، ھِیَ کُلُّ مَعْصِیَۃٍ وُرِدَا النَّصُّ بِکَوْنِھَا کَبِیْرَۃٌ کَجُمْلَۃٍ مِن المعَاصِیُ الْمَذْکُوْرَۃِ فِیْ مَحِلِّھَا.

''کبیرہ ہر وہ گناہ ہے جو قرآن وسنّت میں صریحاً کبیرہ ثابت ہو چکا ہو اس قسم کے گناہانِ کبیرہ (کی تعداد چالیس سے زیادہ ہے) ہر ایک کا ذکر اپنے موضوع کے تحت ہوگا۔''

(۲) اَوْوُرِدَالتوْ عِیْدُ بِالنَّارِ عَلَیْھَا فی الْکِتَابِ اَوْ السُّنَّۃِ صَرِیْحاً اَوْضِمْناً.

''یا کبیرہ ہو وہ گناہ ہے کہ قرآن اور سنّت معتبرہ میں جس کے مرتکب شخص کے لیے واضح طور پر ضمناً وعید دی گئی ہو۔''

(۳) اَوْ وُرِدَ فِی الْکِتَابِ اَوِ السُنّۃِ کوْنُہُ اَعْظَمَ مِنْ اَحَدِ الْکَبَائِرِ الْمَنصُوْصَۃِ اَوِالْمَوْعُوْدُ عَلَیْھَا بِالنَّارِ.

''یا ہر وہ گناہ جو قرآن مجید یا سنّتِ معتبرہ میں کسی ایک گناہ کو صراحتاً دوسرے گناہ سے بڑا شمار کیا گیا ہے یا جس پر آتش جہنم کا وعدہ کیا گیا ہو۔''

(۴) اَوْکَانَ عَظِیْمۃً فِیْ اَنْفُسِ اَھْلِ الشَّرْعِ.

''یا کبیرہ ہر وہ گناہ ہے جسے اہل شرع بڑا گناہ محسوب کریں۔''

اب ہم تبرکاً گناہانِ کبیرہ کے مدارک اور ان سے متعلّق روایات نقل کرتے ہیں اور ہر ایک کی تشریح اپنی جگہ تفصیل کے ساتھ ہوگی۔

پہلی روایت

قَالَ الصَّدُوْقُ فِیْ عُیُوْنِ الْاَخْبَارِ عَنْ عَبْدِ الْعَظِیْمِ بْنِ عَبْدِاللّٰہِ الحَسَنِیْ قَالَ حَدَّ ثَنِیْ اَبُوْ جَعْفَر الثَّانِیْ قَالَ سَمِعْتُ اَبِیْ یَقُوْلُ: سَمِعْتُ اَبِیْ مُوْسیٰ بْنِ جَعْفَرٍ (ع) یَقُوْلُ دَخَلَ عَمْرُو بْن عُبَیْدٍ علی اَبی عَبْدُاللّٰہِ عَلَیْہِ السَّلاَمُ فَلَمَا سَلَّمَ وَجَلَسَ تَلاٰ ھٰذِہِ الْآیَۃَ ((الَّذِیْنَ یَجْتَنِبُوْنَ کَبَائِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ. ثُمَّ اَمْسَکَ ؟ قَالَ اُحِبُّ اَنْ اَعْرِفَ الْکَبَائِرِ مِنْ کِتَابِ اللّٰہِ تَعَالٰی وَمَنْ یُّشْرِکْ باللّٰہِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰہُ عَلَیْہِ الجَنَّۃَ.(سورہ۵. آیت ۷۲)

''صدوقؒ نے عیون الأخبار میں (امام زادہ) حضرت عبدالعظیم بن عبداللہ الحسنی کے حوالے سے یہ روایت نقل فرمائی ہے کہ آپ نے فرمایا: میں نے ابوجعفر ثانی (امام محمدؑ تقی) سے سنا اور انہوں نے کہا کہ میں نے اپنے والد بزرگوار حضرت امام رضا - سے سنا اور انہوں نے کہا کہ میں حضرت امام موسیٰ کاظم - سے سنا، وہ فرماتے تھے کہ ایک دن عمرو بن عبید حضرت ابی عبداللہ جعفر صادق - کی خدمت میں حاضر ہوئے۔جب وہ سلام کر کے بیٹھ گئے تو عمرو بن عبید نے اس آیت کی تلاوت فرمائی:

''وہ لوگ جو گناہانِ کبیرہ اور بے حیائیوں سے پرہیز کرتے ہیں۔'' اس کے بعد تھوڑی دیر خاموش رہے تو امام جعفر صادق - نے فرمایا: آپ خاموش کیوں ہو گئے؟ عرض کیا میں کتاب خدا سے گناہان کبیرہ جاننا اور اخذ کرنا چاہتا تھا۔اس کے بعد ارشاد فرمایا: اے عمرو تمام گناہانِ کبیرہ میں سے بزرگ ترین گناہ اللہ تعالیٰ کا شریک قرار دینا ہے۔جیسا کہ خود فرمایا ہے، ''یاد رکھو جس نے خدا کا شریک بنایا اس پر خدا نے بہشت کو حرام کر دیا۔''

(۲) وَبَعْدُہُ الْیَاْسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰہِ تَعَالٰی لِاَنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی یَقُوْلُ: یَایْئَسُ مِنْ رَّوحِ اللّٰہِ اِلَّا الْقَوْمُ الْکَافِرُوْن. (سورہ ۱۲۔آیت ۸۷)

''اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید ہونا بھی گناہ کبیرہ ہے۔کیونکہ خدائے تعالیٰ خود فرماتا ہے کہ اللہ کی رحمت سے سوائے گروہ کافروں کے اور کوئی ناامید نہیں ہوتا۔''

(۳) ثُمَّ اَلاَمْنُ مِنْ مَکْرِ اللّٰہِ لِاَنَّ عَزَّوَجلَّ یَقُوْلُ فَلاَ یَاْمَنُ مَکْرَ اللّٰہِ اِلَّا الْقَوْمُ الخَاسِرُوْن (سورہ ۷. آیت ۹۹)

''اللہ تعالیٰ کے مکر (یعنی ناگہانی انتقام وقہر) سے نہ ڈرنا گناہِ کبیرہ ہے۔ چنانچہ خدائے بزرگ وبرتر کا ارشاد ہے: یادرہے کہ خدا کے داؤ سے صرف گھاٹا اٹھانے والے ہی نڈر رہو بیٹھتے ہیں۔''

(۴) وَمِنْھَا عقوقِ الوَالِدَینِ لِاَنَّ اللّٰہَ سُبْحَانَہٗ جَعَلَ الْعَاقَ جَبَّاراً شَقِیّاً

''گناہانِ کبیرہ میں سے ایک عاق والدین ہے کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا:

''وَبَرّاً بِوَالِدَیہِ وَلَمْ یَکُنْ جَبَّاراً عَصِیّاً''

'یعنی اپنے ماں باپ کے حق میں سعادت مند تھے اور سرکش ونافرمان نہ تھے۔'

یہاں ماں باپ کے نافرمان کو سرکش اور شقی فرمایا۔''

(۵) وَقَتْلُ النَّفْسِ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰہُ اِلَّا بِالْحَقِّ لِاَن اللّٰہَ عَزَّوَجَلَّ یَقُوْلُ ((فَجَزَاؤُہٗ جَھَنَّمُ خَالِداً فِیْھَا)).

''کسی مومن کو ناحق قتل کرنا (گناہ کبیرہ) حرام ہے۔ کیونکہ اس بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَنْ یَقْتُلْ مُؤْمِناً مُّتَعَمِّداً فَجَزَآءُ ہٗ جَھَنَّمُ خَالِداً فِیْھَا وَغَضِبَ اللّٰہُ عَلَیْہِ وَلَعَنَہٗ وَاَعَدَّ لَہٗ عَذَاباً عَظِیماً

''اور جو شخص کسی مومن کو جان بوجھ کر مار ڈالے (تو اس کا کوئی کفّارہ نہیں بلکہ) اس کی سزا دوزخ ہے اور وہ ہمیشہ اس میں رہے گا۔ اس پر خدا نے اپنا غضب ڈھایا اور لعنت کی ہے اور اس کے لیے بڑا سخت عذاب تیّار کر رکھا ہے۔'' (سورہ ۴۔ آیت ۹۳)

(۶) وَقَذْفُ الْمُحْصَنَاتِ. لِاَنَّ تَعَالٰی یَقُوْلُ اِنَّمَا یَاْکُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِھِمْ نَاراً وَسَیَصْلَوْنَ سَعِیْراً.

''کسی پاکدامن مرد یا عورت کو زنا یا لواطہ کی طرف نسبت دینا گناہ کبیرہ ہے۔ جس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ الْمُحْصَنَاتِ الْغَافِلاَتِ الْمُؤْمِنَاتِ لُعِنُوْا فِیْ الدُّنْیَا وَالْآخِرَةِ وَلَھُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ.

(سورہ ۲۴. آیت ۲۳)

''بے شک جو لوگ پاکدامن، بے خبر اور ایمان دار عورتوں پر (زنا کی) تہمت لگاتے ہیں ان پر دنیا اور آخرت میں (خدا کی) لعنت ہے۔ اور ان پر بڑا (سخت) عذاب ہوگا۔''

(۷) وَاَکْلُ مَالِ الْیَتِیْمِ لِاَنَّ اللّٰہِ تَعَالٰی یَقُوْلُ ((اِنَّمَا یَاْکُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِھِمْ نَاراً وَّسَیَصْلَوْنَ سَعِیْرًا.

''اور مال یتیم کھانا گناہ کبیرہ ہے۔ جیسا کہ خداوند عالم نے فرمایا:

اِنَّ الَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ اَمْوَالَ الْیَتَامٰی ظُلْماً اِنَّمَا یَاْکُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِھِمْ نَاراً ط وَسَیَصْلَوْنَ سَعِیْراً (سورہ ۴. آیت ۱۰)

'جو لوگ یتیموں کے مال ناحق چٹ کر جایا کرتے ہیں وہ اپنے پیٹ میں بس انگارے بھرتے ہیں اور عنقریب واصل جہنم ہوں گے۔''

(۸) وَالْفِرَارُ مِنَ الزَّحْفِ لِاَنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی یَقُوْلُ وَمَنْ یُوَلِّھِمْ یَوْمَئِذٍ دُبُرَہٗ اِلَّا مُتَحَرِّفاً لِقِتَالٍ اَوْمُتَحَیِّزاً اِلٰی فِئَةٍ فَقَدْ بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰہِ وَمَاْوٰہُ جَھَنَّمُ وَبِئسَ الْمَصِیْرُ

(سورہ ۸۔ آیت ۱۶)

جہاد میں پیش قدمی کرنے کی بجائے بھاگ جانا گناہ کبیرہ ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''اور (یاد رہے) اس شخص کے سوا جو لڑائی میں کترائے یا کسی جماعت کے پاس جا کر (اور) جو شخص بھی اس دن ان کفّار کی طرف سے اپنی پیٹھ پھیرے گا وہ یقینی (ہر پھر کے) خدا کے غضب میں آ گیا اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہی ہے اور وہ (کیا) بُرا ٹھکانہ ہے۔''

(۹) وَاَکْلُ الرِّبٰوا لِاَنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی یَقُوْلُ: اَلَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ الرِّبٰوا یَقُوْمُوْنَ اِلَّا کَمَا یَقُوْمُ الَّذِیْ یَتَخَبَّطُہُ الشَّیْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ.

''گناہانِ کبیرہ میں سے ایک سود خوری ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

''جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ قیامت کے دن کھڑے نہ ہو سکیں گے مگر اس شخص کی طرح کھڑے ہوں گے جس کو شیطان نے لپٹ کر مخبوط الحواس بنا دیا ہو'

ذٰلِکَ بِاَنَّھُمْ قَالُوْ اِنَّما الْبَیْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ط وَاَحَلَّ اللّٰہُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا.

''یہ اس وجہ سے کہ وہ اس کے قائل ہو گئے کہ جیسا بکری کا معاملہ ویسا ہی سود کا معاملہ، حالانکہ بکری کو تو خدا نے حلال قرار دیا اور سود کو حرام کر دیا۔''

(۱۰)وَالْسِّحرُ لِاَنَّ تَعَالٰی وَلَقَدْ عَمِلُوْا لَمَن اِشْتَراہُ مَالَہُ فِیْ الْآخِرَۃِ مِنْ خَلَاقٍ ط

''اور سحر (جادو) گناہ کبیرہ ہے۔'' چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے'' وہ یقیناً جان چکے تھے کہ جو شخص ان (جادو کی برائیوں) کا خریدار ہوا وہ آخرت میں بے نصیب ہے۔''

وَلَبِئسَ مَاشَرَوْا اَنْفُسِهِمْ لَوْکَانُوْا یَعْلَمُوْنَ

'اور بے شبہ (معاوضہ) بہت ہی بڑا ہے جس کے بدلے انہوں نے اپنی جانوں کو بیچا۔ کاش کچھ سمجھتے ہوتے۔''

(۱۱)وَالزِّنَالِاَنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی یَقُوْلُ وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِکَ یَلْقَ اَثَاماً یُضٰاعَفْ لَہُ الْعَذَابُ یَوْمَ الْیَامَۃ، وَیَخْلُدْفِیهِ مُهَاناً

گناہانِ کبیرہ میں سے ایک 'زنا' ہے۔ چونکہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَالَّذِیْنَ لَایَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهاً آخَرَ وَلَا یَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَایَزْنُوْنَ وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِکَ یَلْقَ اثاماً یُّضاعَفْ لَهُ الْعَذابُ وَیَخْلُدْ فِیْهِ مُهَاناً.

(سورہ۱۹ آیت۲۸،۲۹)

''اور وہ لوگ جو خدا کے ساتھ دوسرے معبود کی پرستش نہیں کرتے اور جس جان کے مارنے کو خدا نے حرام کر دیا ہے اس کو ناحق قتل نہیں کرتے اور نہ زنا کرتے ہیں۔ اور جو شخص ایسا کرے گا وہ آپ اپنے گناہ کی سزا بھگتے گا۔ قیامت کے دن اس کے لیے عذاب دوگنا کر دیا جائے گا اور اس میں ہمیشہ ذلیل و خوار رہے گا۔''

(۱۲)وَالیَمِیْنِ الْغَمُوسِ الْفَاجِرَۃِ لِاَنَّ اللّٰہ تَعَالٰی یَقُوْلُ: اِنَّ الَّذِیْنَ یَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَاَیْمَانِهِم ثَمَناً قَلِیلاً اُوْلٰئِکَ لَاخَلَاقَ لَهُمْ فِیْ الْآخِرۃِ وَلَایُکَلِمُهُمُ اللّٰهُ وَلَایَنْظُرُ اِلَیْهِمْ یَوْمَ الْقِیامَۃِ لَایُزَکِیْهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ (سورہ۳. آیت۷۷)

''گناہانِ کبیرہ میں ایک 'یمین غموس' جھوٹی قسم ہے۔ جس کے بارے میں خدائے تعالیٰ کا ارشاد ہے:'' بے شک جو لوگ اپنے عہد اور قسمیں جو خدا سے کی تھیں اُن کے بدلے تھوڑا (دنیوی) معاوضہ لے لیتے ہیں، انہیں لوگوں کے واسطے آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔ اور قیامت کے دن خدا ان سے بات تک تو کرے گا نہیں اور نہ اُن کی طرف نظر (رحمت) ہی کرے گا۔ اور نہ اُن کو (گناہوں کی گندگی سے) پاک کرے گا۔ اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔''

(۱۳)وَالْغُلُوْلُ لِاَنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی یَقُوْلُ وَمَنْ یّغْلُلْ یَاْتِ بِمَاغَلَّ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ.

جن گناہوں کے بارے میں نصوص صریحہ موجود ہیں، ان میں سے ایک، غلول، خیانت ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَاکَانَ لِنَبِیّ اَنْ یَغُلَّ ط وَمَنْ یَّغْلُلْ یَاْتِ بِمَاغَلَّ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ ثُمَّ تُوَفّٰی کُلُّ نَفْسٍ مَّاکَسَبَتْ وَهُمْ لَایُظْلَمُوْنَ اَفَمَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَ اللّٰهِ کَمَنْ بَآءَ بِسَخَطٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَأْ وٰهُ جَهَنَّمُ ط وَبِئْسَ الْمَصِیْرِ. (سورہ۳. آیت ۱۶۱،۱۶۲)

''کسی نبی کے (ہرگز) یہ شایانِ شان نہیں کہ وہ خیانت کرے۔ اور جو خیانت کرے گا تو جو چیز خیانت کی ہے قیامت کے دن وہی چیز (بعینہ خدا کے سامنے) لانی ہوگی۔ اور پھر ہر شخص اپنے کئے کا پورا بدلا پائے گا۔ اور ان کی کسی طرح حق تلفی نہیں کی جائے گی۔ بھلا جو شخص خدا کی خوشنودی کا پابند ہو گیا وہ اس شخص کے برابر ہوسکتا ہے جو خدا کے غضب میں گرفتار ہوا اور جس کا ٹھکانہ جہنم ہے اور وہ کیا بُرا ٹھکانہ ہے۔''

(۱۴)وَمَنْعُ الزَّکوٰۃ، الْمَعرُوْضَۃِ لِاَنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی یَقُوْلُ فَتُکوٰیٰ بِهَاجِبَاهُهُمْ وَجُنُوبُهُمْ وَظُهُوْرُهِمْ.

''واجب زکوٰۃ کو روکنا گناہِ کبیرہ ہے۔ جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَالَّذِیْنَ یَکْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّۃَ وَلَایُنْفِقُوْنَهَا فی سَبِیْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ.

''اور جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے جاتے ہیں اور اس کو خدا کی راہ میں خرچ نہیں کرتے تو اے رسولؐ ان کو دردناک عذاب کی خوش خبری سنا دو۔''

(۱۵)وَشَهَادَۃُ الزُّوْرِ لِاَنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی یَقُوْلُ:

وَاجْتَنِبُوا قَوْلَ الزُّوْرِ.

''اور جھوٹی گواہی دینا گناہ کبیرہ ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:'' تم جھوٹی گواہی سے پرہیز کرو۔''

(۱۶)وَکِتمانُ الشَّھَادَۃِ لِاَنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی یَقُوْلُ لَاتَکْتُمُوْا الشَّھَادَۃَ ط وَمَنْ یَکْتُمْھَا فَاِنَّہٗ اٰثِمٌ قَلْبُہٗ ط وَاللّٰہُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِیْمٌ.

''تم گواہی کو نہ چھپاؤ۔اور جو چھپائے گا تو بے شک اس کا دل گناہ گار ہے اور تم لوگ جو کرتے ہو خدا اس کو خوب جانتا ہے۔''

(۱۷)وَشُرْبِ الْخَمْرِ لِاَنَّ تَعَالٰی انْھٰی عَنْھَا کَمَا نَھٰی عَنْ عِبَادَۃِ الْاَوْثَانِ.

''اور شراب خوری گناہ کبیرہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس سے منع فرمایا ہے۔جیسا کہ بت پرستی سے منع کیا گیا ہے۔چنانچہ فرمایا ہے:

وَیَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِ ط قُلْ فِیْھِمَا اِثْمٌ کَبِیْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَاِثْمُھُمَا اَکْبَرُ مِنْ نَّفْعِھِمَا (سورہ ۲ آیت ۲۱۹)

''اے رسول،تم سے لوگ شراب اور جوئے کے بارے میں پوچھتے ہیں تو تم ان سے کہدو کہ ان دونوں میں بڑا گناہ ہے۔اور (کچھ فائدے) بھی ہیں۔اور ان کے فائدے سے ان کا گناہ بڑھا ہوا ہے۔''

(۱۸)وَتَرْکُ الصَّلٰوۃِ مُتَعَمِّدًا

''اور جان بوجھ کر نماز ترک کرنا گناہ کبیرہ ہے۔''

(۱۹)اَوَشَیْئاً مِمَّا فَرَضَ اللّٰہُ عَزَّوَجَلَّ لِاَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ مَنْ تَرَکَ الصَّلٰوۃَ مُتَعَمِّدًا فَقَدْ بَرِءَ مِنْ ذِمَّۃِ اللّٰہِ وَذِمَّۃِ رَسُوْلِہٖ.

''یا بعض ضروریات ِ دین جو کہ اللہ تعالیٰ نے واجب قرار دی ہیں عمداً ترک کرنا گناہان ِ کبیرہ میں سے ہے۔چونکہ حضرت رسول خدا ﷺ نے فرمایا جو کوئی جان بوجھ کر نماز چھوڑ دے تو یقیناً خداوند عالم اور اس کے رسول کی امان سے خارج ہے۔''

(۲۰)وَنَقْضُ الْعَھْدِ

''یعنی عہد شکنی گناہ کبیرہ میں شمار ہے۔جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اَلَّذِیْنَ یَنْقُضُوْنَ عَھْدَ اللّٰہِ مِنْ بَعْدِ مِیْثَاقِہٖ .....الخ

(سورہ رعد. آیت ۲۵)

''اور وہ لوگ جو خدا سے عہد و پیمان کو پکا کرنے کے بعد توڑ ڈالتے ہیں۔''

(۲۱)وَقَطِیْعَۃُ الرَّحِمِ لِاَنَّ اللّٰہ تَعَالٰی یَقُوْلُ وَیَقْطَعُوْنَ مَا اَمَرَاللّٰہُ بِرَاَنْ یُّوْصَلَ وَیُفْسِدُوْنَ فِیْ الْاَرْضِ ط اُوْلٰئِکَ لَھُمُ اللَّعْنَۃُ وَلَھُمْ سُوْءُ الدَّارِ. (سورہ رعد. آیت ۲۵)

''اور رشتہ داروں سے تعلقات قطع کرنا گناہ کبیرہ ہے۔چنانچہ مذکورہ بالا آیت میں خدائے تعالیٰ فرماتا ہے:

'اور جن (باہمی تعلقات) کے قائم رکھنے کا خدا نے حکم دیا ہے انہیں قطع کرتے ہیں اور روئے زمین میں فساد پھیلاتے پھرتے ہیں۔ایسے لوگ ہی ہیں جن کے لیے لعنت ہے اور ایسے ہی لوگوں کو واسطے بُرا گھر (جہنم) ہے۔''

جب حضرت ابی عبداللہ جعفر صادق - نے گناہان ِ کبیرہ بیان کر کے اپنے کلام اختتام تک پہنچایا تو راوی عمرو بن عبید فریاد اور بکا کے ساتھ یہ کہتا ہوا باہر نکل گیا:''یقیناً ہلاکت میں پڑ گیا وہ شخص جو اپنے رائے سے کچھ کہے اور آپ حضرات کے علم و فضل سے انکار کرے۔''

پہلی روایت یہیں پر اختتام کو پہنچی۔

دوسری روایت

فِی صَحِیْحِ بْنِ مَحبُوْب قَالَ کَتَبَ مَعِیْ بَعْضُ اَصْحَابِنَا اِلٰی اَبِی الْحَسَنِ (ع) یَسْئَلُہٗ عَنِ الْکَبَائِرِ کَمْ ھِیَ ؟ وَمَاھِیَ ؟ فَکَتَبَ (ع) الْکَبَائِرَ مَنْ اِجْتَنَبَ مَاوَعَدَ اللّٰہُ عَلَیْہِ النَّارُ کَفَّرَ عَنْہُ سَیِّئَاتَہٗ اِذَا کَانَ مُؤْمِناً وَالسَّبْعُ مُوْبِقَاتٍ.

''ابن محبوب سے صحیح میں یہ روایت نقل کی گئی ہے کہ اس نے کہا:''میرے بعض رفقاء نے میرے ساتھ حضرت ابی الحسن امام رضا - کو خط لکھا جس میں پوچھا گیا تھا کہ گناہان ِ کبیرہ کی تعداد کیا ہے،اور ان کے تعیّن کے لیے حقیقی تعریف کیا ہے؟ آنحضرت - نے یوں تحریر فرمایا:

''گناہان کبیرہ وہ گناہ ہیں جن کے مرتکب ہونے والے شخص کے لیے وعدۂ آتش دیا گیا ہے۔اگر کسی مومن نے ان سے پرہیز کیا (اور توبہ کی) تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہ محو کر دیتا ہے۔جن گناہوں پر عذاب کا وعدہ ہے وہ سات ہیں:

قَتْلُ النَّنَسُ اِلْحَرَام (کسی کو جان سے مارنا جبکہ شرعاً اس کا قتل حرام ہو)

وَعُقُوقُ الْوَالِدَیْن (اور والدین کا عاق ہونا)

وَاَکْلُ الرِبوٰ (اور سود کھانا)

وَالتَّعَرُّبُ بَعْدَ الْهِجْرَة (ہجرت کرنے کے بعد دوبارہ جاہلیت کی طرف پلٹنا)

وَقَذْفُ الْمُحْصِنَةِ (اور پاک دامن عورت پر زنا کی تہمت لگانا)

وَاَکْلُ مَالَ الْیَتِم (اور مال یتیم کھانا)

وَالْفِرَارُ مِنَ الزَّحفِ (محاذ جنگ سے فرار ہو جانا)

یہاں تک ابن محبوب کی روایت ختم ہوئی۔(وسائل الشیعہ۔کتاب جہاد)

تیسری روایت

وَفِیْ رَوَایَةِ اَبِیْ الصَّامت عَنْ اَبِیْ عَبْدِاللّٰهِ (ع) قال: اَکْبَرُا الْکَبَائِرُ الشِّرْکُ بِاللّٰهِ وَقَتْلُ النَّفْس الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلاَّ بِالْحَقِّ وَاَکْلُ اَمْوَالِ الْیَتَامیٰ وَعُقُوقُ الْوَالِدَیْنِ وَقَذْفُ الْمحصنَاتِ وَالْفِرارُ مِنَ الزَّحْفِ وَاِنْکَارُ مَااَنْزَل اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ.

ابی صامت نے حضرت ابی عبداللہ امام جعفر صادق - سے نقل کیا ہے کہ آپ - نے فرمایا: گناہانِ کبیرہ میں سب سے بڑا گناہ (۱) اللہ تعالیٰ کے لیے شریک بنانا (۲) جس کے قتل کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے اسے جان سے مار دینا، مگر وہ شخص جو کہ از روئے شریعت واجب القتل ہو (۳) یتیموں کا مال کھانا (۴) والدین کا عاق کرنا (۵) پاک دامن عورتوں پر زنا کی تہمت لگانا (۶) محاذِ جنگ سے بھاگ جانا (۷) خدائے بزرگ و برتر کی جانب سے اتاری ہوئی ضروریاتِ دین سے انکار کرنا ہے۔“

وَفِیْ روایةِ عبدِالرَّحمٰن بن کثیر عَنْهُ (ع) وَاِنْکَارُ حَقِّنَا وَفِی رَوَایَةِ اَبِیْ خَدِیْجَة عَنه (ع) قال: الْکِذْبُ عَلٰی اللّٰهِ وَعَلٰی رَسُوْلِهِ وَعَلٰی الْاَوْصِیَاءِ مِنْ الْکَبَائِرِ. وَفِیْ مُرْسَلَةِ الصَّدُوْقِ عُدَّمِنْهُ الْحَیْفُ فِی الْوَصِیَّةِ وَ فِیْ مُرْسَلة کَنْزِالْفَوَائِدِ عُدَّمِنْهُ اِسْتِحْلَالُ بَیْتِ الْحَرَامِ (وسائل۔کتاب الجہاد)

”عبدالرحمٰن ابن کثیر نے آنحضرت - سے یہ روایت نقل فرمائی ہے کہ ہم اہل بیت ؑ کے حقوق سے انکار گناہ کبیرہ ہے۔اور ابی خدیجہ نے آنحضرت - سے یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ آپ نے فرمایا: (۹) اللہ تعالیٰ اور رسول اکرم ﷺ اور اوصیائے کرامؑ پر جھوٹ باندھنا گناہانِ کبیرہ میں شمار ہے۔اور صدوقؒ کی روایت مرسلہ میں (۱۰) وصیّت میں کسی پر ظلم کر کے ارث سے محروم کرنا گناہ کبیرہ میں محسوب کیا گیا ہے۔(۱۲) اور کتاب کنز الفوائد کی مرسلہ روایت کے مطابق خانۂ خدا میں بدامنی کو حلال جاننا گناہ کبیرہ ہے (جس کو اللہ تعالیٰ نے جائے امن قرار دیا ہے)۔“

چوتھی روایت

وَفِیْ عُیُوْنِ الْاَخْبَارِ بِاَسَایِنْدِهِ عَنِ الفَفَلِ بن شَاذَان عَنْ الرِّضاً، فِیْما کَتَبَ الٰی الْمَاْمُوْنِ وَاجْتِنَابِ الْکَبَائِرِ وَهِیَ.

کتاب عیون الأخبار میں معتبر اسناد کا حوالہ دیتے ہوئے فضل بن شاذان نے حضرت امام رضا - کے اس خط کا ذکر کیا ہے جس میں گناہانِ کبیرہ سے پرہیز کے بارے میں مامون کو لکھا تھا۔آنحضرت - کے خط کی مختصر عبارت یہ ہے:

(۱) قَتْلُ النَّفْسِ الَّتِیْ حَرَّمَ اللهُ تَعَالیٰ جن لوگوں کے جان سے مارنے کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے۔

(۲) وَالزِّنَا اور زنا کرنا

(۳) وَالسَّرِقَةُ اور چوری کرنا

(۴) وَ شُربُ الْخَمْرِ اور شراب پینا

(۵) وَعُقُوقُ الْوالِدَیْنِ اور عاق والدین ہونا

(۶) وَالْفِرَارُمِنَ الزّحفِ محاذ جنگ سے بھاگنا

(۷) وَ اَکْلُ مَال الْیَتِیمُ ظلم وزیادتی سے مال یتیم کھانا

(۸) وَاکْلُ الْمَیْتَةَ وَ الدّمَ وَ لَحمَ الْخنْزِیْرِ وَ مَااُهِلّ لِغَیْرِاللّٰهِ مِنْ غَیْرِ ضِرُوْرَةٍ اور بغیر مجبوری کے مردار، خون، سؤر کا گوشت کھانا اور اس

ذبیحہ کا گوشت کھانا جس پر غیر خدا کا نام لیا گیا ہو، گناہ کبیرہ ہے۔

(۹) وَاَکْلِ الرِّبٰو ابَعْدَالْبَیِّنَۃِ واضح اور ثابت ہونے کے بعد سود کھانا۔

(۱۰) وَالسُّحْتُ اور مالِ حرام کھانا

(۱۱) وَالْمَیْسِرُ وَالْقُمَارُ اور جوا کھیلنا

(۱۲) وَالْبَخْسُ فِی الْمِکْیَالِ وَالْمِیْزَانِ اور ناپ تول میں کمی کرنا

(۱۳) وَقَذْفُ الْمُحْصَنَاتِ پاک دامن عورتوں پر زنا کی تہمت لگانا

(۱۴) وَاللِّوَاطُ اور مرد کا مرد کے ساتھ فعلِ بد کرنا

(۱۵) وَالْیَأْسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰہِ اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس ہونا

(۱۶) وَالْاَمِنُ مِنْ مَّکْرِ اللّٰہِ اور اللہ تعالیٰ کے مکر (ناگہانی انتقام اور قہر) سے نہ ڈرنا

(۱۷) وَالْقُنُوْطُ مِنْ رَّحْمَۃِ اللّٰہِ اور رحمتِ خدا سے بدگمان ہونا

(۱۸) وَالْمَعُوْنَۃُ لِلظَّالِمِیْنَ اور ظالموں سے تعاون کرنا

(۱۹) وَالرُّکُوْنُ اِلَیْھِمْ اور ظالموں سے میل جول رکھنا

(۲۰) وَالْیَمِیْنُ الْغَمُوْسِ اور جھوٹی قسم کھانا

(۲۱) وَ حَبْسُ الْحُقُوْقِ مِنْ غَیْرِ عُسْرٍ اور کسی سختی و مجبوری کے بغیر کسی کا حق روکے رکھنا

(۲۲) وَالْکِذْبُ اور جھوٹ بولنا

(۲۳) وَ الْکِبْرُ اور تکبّر کرنا

(۲۴) وَالْاِسْرَافُ حد سے زیادہ خرچ کرنا

(۲۵) وَ التَّبْذِیْرُ غیر اطاعتِ خدا میں مال خرچ کرنا

(۲۶) وَالْخِیَانَۃُ اور دھوکہ دینا

(۲۷) وَالْاِسْتِخْفَافُ بِالْحَجِّ اور حج بیت اللہ کو اہمیت نہ دینا

(۲۸) وَالْمُحَارَبَۃُ لِاَوْلِیَائِ اللّٰہِ اور اللہ کے دوستوں کے ساتھ لڑنا

(۲۹) وَالْاِشْتِغَالُ بِالْمَلَاھِی اور لہو ولعب میں مشغول رہنا

(۳۰) وَالْاِصْرَارُ عَلیٰ الذُّنُوْبِ اور گناہوں پر اصرار کرنا۔

انشاءاللہ ان روایتوں کا ترجمہ اور تشریح نیز دیگر روایتیں گناہانِ کبیرہ کے ضمن میں بیان ہوں گی۔

ایک مشکل مسئلہ کا حل

گناہانِ کبیرہ کے موضوع پر کچھ لوگوں کو اعتراض ہے کہ

(۱) اس قدر اہمیت کے حامل موضوع کو قرآن مجید میں مفصّل بیان کیوں نہیں کیا گیا اور ان کی تعداد معیّن کیوں نہیں کی گئی؟

(۲) اس بارے میں صاحبانِ عصمت وطہارتؑ کی احادیث وارده کے درمیان اختلافات کیوں ہے؟ بعض روایت میں ان کی تعداد پانچ ،بعض میں سات، کچھ روایات میں نو، اکیس اور اکتیس بیان کی گئی ہے۔ یہاں تک ابن عباس÷ سے جو روایات نقل کی گئی ہے اس میں تقریباً سات سو سات گناہانِ کبیرہ شمار کئے گئے ہیں۔ اب ہم دونوں سوالوں کے جوابات دیتے ہیں۔

(۱) پہلے اعتراض کا جواب

قرآنِ مجید میں گناہانِ کبیرہ کی تعداد معیّن نہ کر کے گویا اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر بڑا لطف وکرم فرمایا ہے اور اس میں بہت حکمت پوشیدہ ہے بافرض اگر تعداد معیّن ہوتی تو لوگ صرف انہی گناہوں سے اجتناب کرتے جن سے منع کیا گیا ہے۔ ان کے علاوہ جہالت اور خواہشاتِ نفسانی کی وجہ سے

دوسرے گناہوں کے ارتکاب کی جرأت کرتے اور نادانی سے یہ خیال کرتے کہ معدودہ گناہوں کے علاوہ کسی گناہ کے ارتکاب سے کوئی ضرر نہیں پہنچتا۔اس طرح وہ ہر خرابی اور گناہ کے انجام دینے میں دلیر ہوجاتے اور تمام منہیات میں ملوث ہوتے۔

یاد رکھیئے: وہ بہت برا اور بدکردار بندہ ہے جو اپنے مہربان پروردگار کی حدود میں دلیری اور بے باکی کا مظاہرہ کرے۔اور جن امور کو ترک کرنے کا حکم ہو اُسے وہ انجام دے بلکہ اس قسم کی دلیری اور بے حیائی گناہِ کبیرہ کی طرف قدم بڑھانے کی جرأت پیدا کرتی ہے۔

چونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو ''گناہانِ صغیرہ'' سے منع فرمایا ہے اگر اس بارے میں لاپرواہی برتی گئی تو آہستہ آہستہ گناہان کبیرہ سے بھی بے باک ہوجائے گا۔

گناہ صغیرہ کا اصرار (تکرار) بھی کبیرہ ہے

اس سلسلے میں عرض ہے کہ گناہ صغیرہ کی تکرار کبیرہ بننے کا سبب ہوتی ہے۔چونکہ یہ بات مسلّم ہے کہ بار بار گناہ صغیرہ کا مرتکب ہونے پر گناہ کبیرہ کا حکم لاگو ہوتا ہے۔انشاءاللہ ہم اس بحث کو''گناہ صغیرہ پر اصرار'' کے باب میں تفصیل سے بیان کریں گے۔

پس گناہانِ کبیرہ کو مبہم کرنے میں ہی اللہ تعالیٰ کی حکمت اور رحمت مضمر ہے۔تاکہ اس کے بندے دوسرے گناہوں سے اجتناب کریں اور گناہانِ کبیرہ میں ملوّث نہ ہو جائیں اسی سلسلے کی ایک کڑی یہ ہے کہ چھوٹے گناہوں کو کمتر سمجھنا کبیرہ بننے کا موجب ہوتا ہے چناچہ آگے اس پر روشنی ڈالی جائے گی۔

خرابی میں پڑنا ثواب سے محرومی کا سبب ہے

(یہ بھی اعتراض کا جواب ہوسکتا ہے) گناہانِ صغیرہ کی خرابیوں میں پڑنے سے بندہ ان نیکیوں کے اجروثواب سے محروم رہتا ہے جو کہ گناہانِ صغیرہ کے ترک کرنے پر دیا جاتا ہے۔چوں کہ ہر وہ عمل جس سے باز رہنے کا حکم اللہ نے دیا ہے اس میں دینوی یا اخروی کوئی نہ کوئی فساد ضرور ہوتا ہے۔اس لئے جب کوئی بندہ گناہِ صغیرہ کا مرتکب ہوجائے تو گناہِ کبیرہ سے دوری کی برکت سے وہ گناہِ صغیرہ بخش دیا جاتا ہے۔البتہ گناہ کی مقدار جس قدر ہو اسی قدر اس کا دل سیاہ ہوجاتا ہے۔البتہ جب باوجود قدرت کے بڑے گناہ سے اجتناب کرے تو اس کی تلافی ہوسکتی ہے۔علاوہ برایں جب اللہ کی خوشنودی کے لئے اسے چھوڑ دیتا ہے تو وہ ثواب کا مستحق بھی بنتا ہے۔

اس بیان سے معلوم ہوا کہ گناہِ صغیرہ کا مرتکب اس گناہ کی خرابیوں سے دنیا یا آخرت میں دوچار ضرور ہوگا۔اور گناہ ترک کرنے کے ثواب سے بھی محروم رہے گا۔شائد اسی مطلب کو ملحوظ رکھ کر معصوم علیہ السلام نے فرمایا ہے:

هَبْ غَفَرَ اللّٰهُ ذُنُوْبَ الْمُسِيْئِيْنَ فَقَدْ فَاتَهُمْ ثوابَ الْمُحْسِنِيْن

خدا گناہ گاروں کے گناہوں کی مغفرت فرمائے یہ لوگ یقیناً اچھے کاموں کے ثواب سے محروم ہوگئے (یعنی ترکِ گناہ کا ثواب حاصل نہ کرسکے۔)

(۲)اہلِ بیتؑ کی طرف رجوع کرنا چاہیے

یہ عنوان بھی دوسرے بہت سے مطالب کی طرح قرآنِ مجید میں مختصر طور پر ذکر ہوا ہے لیکن ان کی تشریح وتوضیح حضرت پیغمبرِ اکرم ﷺ نیز ائمۂ اطہارؑ کے پاکیزہ دلوں میں جو کہ علم وحکمت اور وحیٔ الٰہی کا خزینہ ہیں۔الہام کے ذریعہ ودیعت فرمائی گئی ہے۔اور بندوں کو ان کی طرف مراجعہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے چنانچہ اس بارے میں خود اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاَنْزَلْنَا اِلَيْکَ الذِّکر لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَانُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَکَّرُوْنَ

(سورہ ۱۶ . آیت ۴۴)

اور تمہارے پاس قرآن نازل کیا ہے جو کہ ذکر ہے تاکہ جو احکام لوگوں کے لئے نازل کئے گئے تم ان سے صاف صاف بیان کردو تاکہ وہ لوگ خود سے کچھ غور وفکر کریں۔اور اسی طرح اہلِ بیتؑ رسولِ خداؐ کی طرف لازمی طور پر رجوع کرنے کے لئے قرآنِ شریف میں فرماتا ہے:

فَاسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّکرِ اِنْ کُنْتُم لَا تَعْلَمُوْنَ (سورہ۱۶۔آیت۴۳)

اگر تم نہیں جانتے ہو تو اہلِ ذکر سے پوچھو۔

اہل بیت اطہار اہل ذکر کیوں ہیں؟

اس بارے میں بہت سی روایتیں ہمارے پاس موجود ہیں کہ اہل الذکر سے مراد اہل بیتؑ رسولؐ مختار ہیں۔ان میں سے ایک یہ ہے کہ مجلس مامون میں جب امام رضا - نے فرمایا:''ہم اہل الذکر ہیں''۔علمائے عامّہ اس مجلس میں حاضر تھے، کہنے لگے، اہل الذکر سے مراد یہود ونصاریٰ ہیں اور ذکر کا مطلب توریت وانجیل ہے۔تو حضرت نے ان کو جواب دیا:

سُبْحانَ اللّٰہِ ھَلْ یَجُوْزُ ذٰلِکَ اِذایَدعُوْنَا اِلٰی دِیْنِھِمْ وَیَقُوْلونَ اِنَّھا اَفْضَلُ مِنْ دِیْنِ الْاِسْلَامِ (عیون اخبار الرضا(ع))

''سبحان اللہ یہ کیسے ممکن ہوسکتا ہے؟ اور کیسے جائز ہے کہ خدائے تعالیٰ مسلمانوں کو حکم دے کہ وہ یہود اور نصاریٰ کے علماء سے رجوع کریں۔حالانکہ اگر کوئی رجوع کرے تو ان کے علماء کہیں گے کہ ہمارا دین برحق ہے اور دین اسلام سے بہتر ہے۔وہ ہمیں اپنے نظریئے کی طرف دعوت دیں گے (کیا آپ اس دعوت کو قبول کریں گے)۔

پس مامون نے عرض کیا،''کیا آپ اپنے دعوے کے اثبات میں قرآن مجید سے کوئی دلیل پیش کرسکتے ہیں؟''

فَقَالَ نَعَمْ. اَلذِّکْرُ رَسُوْلُ اللّٰہِ (ص) وَنَحْنُ اَھْلُہٗ وَذٰلِکَ بَیِّنٌ فِیْ کِتابِ اللّٰہِ تَعالٰی حَیْثُ یَقُوْلُ فِیْ سُوْرَۃِ الطَّلَاقِ الَّذِیْنَ آمَنُوْا قَدْ اَنْزَلَ اللّٰہُ اِلَیْکُمْ ذِکْراً رَّسُوْلاً یَّتْلُوا عَلَیْکُمْ آیاتِ اللّٰہِ مُبَیِّنَات(سورہ طلاق آیہ ۱۰، ۱۱)

''فرمایا، جی ہاں! ذکر سے مراد حضرت رسول ﷺ ہیں اور ان کے اہل ہیں۔اس موضوعِ بحث کے بارے میں قرآن کی یہ آیت میری دلیل ہے: جو لوگ ایمان لائے ہیں خدا نے ان کی طرف ذکر بھیج دیا ہے کہ وہ رسول ہے جو تمہارے سامنے ہماری واضح آیتیں پڑھتا ہے۔''

علمائے عامہ (اہل سنت) میں سے ایک شہرستانی ہیں۔انہوں نے حضرت امام جعفر صادق - اور امیر المؤمنین - سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ ہم اہل ذکر ہیں۔اور بعض دوسری روایتوں میں ہے کہ خداوندِ عالم نے کچھ اہم مطالب قرآن مجید میں مختصراً بیان فرمائے ہیں۔ان کی شرح وتفسیر سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو اہل بیت ؑ کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیا ہے کہ ہرگز اپنے آپ کو ان سے بے نیاز نہ سمجھیں بلکہ ہر وقت علومِ آل محمد ؐ کا نیازمند سمجھنا چاہیئے اور ہمیشہ ان ذواتِ مقدسہ کا دامن گیر رہنا چاہیئے۔یہاں تک کہ ان کی محبت اور ولایت جو کہ حقیقی اور ابدی سعادت ہیں، ہمیں حاصل ہوجائے۔

دوسرے اعتراض کا جواب

مذکورہ روایات اور احادیث سے یہ بات واضح ہوگئی کہ ہمارے آئمہ طاہرین صلوات اللہ علیہم اجمعین مصلحت کی بنأ پر گناہانِ کبیرہ کے شمار اور تعین کے حق میں نہیں تھے۔یعنی پوچھنے والوں کے جواب میں گناہان کبیرہ مفصل بیان کرنا نہیں چاہتے تھے۔چنانچہ اجمالاً بیان کرنے کی حکمت اور راز پہلے ذکر کیا گیا ہے۔یہی وجہ ہے کبھی کبھار مختصر مگر جامع جملوں میں گناہ کبیرہ کی تعریف فرمائی ہے۔جیسا کہ صحیحۂ حلّی میں روایت ہے کہ حضرت صادق آل محمد - نے ارشاد فرمایا:

اَلکَبَائِرُ کُلُّ مَااَوْعَدَاللّٰہُ عَلَیْہِ النّار (کافی)

''گناہان کبیرہ وہ گناہ ہیں (جن کے مرتکب ہونے والوں کے لیے) اللہ تعالیٰ نے آتش جہنم کا وعدہ کیا ہے۔''

گناہ کبیرہ دوسرے عنوان میں

آئمہ طاہرین ؑ کبھی بعض گناہِ کبیرہ شمار نہیں کرتے تھے چونکہ ایک گناہ کبیرہ کے ضمن میں دوسرا گناہ کبیرہ بھی آسکتا تھا۔تو دوسرے گناہ کو ذکر نہیں کیا گیا۔جیسا کہ عبید بن زرارہ کی روایت جو کہ حضرت امام جعفر صادق - سے نقل کی گئی ہے۔آپ نے فرمایا: گناہانِ کبیرہ کتابِ علی - میں سات ہیں۔

اَلکُفْرُ بِاللّٰہِ وَقَتْلُ النَّفْسِ وَعُقُوْقُ الْوَالِدَیْنِ وَاَکْلُ الرِّبوا بَعْدَ البَیِّنَۃِ وَاَکْلُ مَالِ الْیَتِیْمِ ظُلْماً وَالْفِرَارُ مِنَ الزَّحْفِ وَالتَّعَرُّبُ بَعْدَ الْھِجْرَۃِ قَالَ قُلْتُ فھٰذا اَکْبَرُ الْکَبَائِرِ قَالَ نَعَمْ. قُلْتُ فَاَکْلُ دِرْھَمٍ مِّنْ مَالِ الْیَتِیْمِ اَکْبَرُ اَمْ تَرْکُ الصَّلوٰۃِ قَالَ عَلَیْہِ السَّلَامُ تَرکُ الصَّلوٰۃ، قُلْتُ فَمَا عَدَوْتَ تَرْکَ الصَّلوٰۃِ فِی الْکَبَائِرِ فَقَالَ (ع) اَیُّ شَیءٍ اَوَّلَ مَا قُلْتُ لَکَ قُلْتُ الْکُفْرَ قَال (ع) فَاِنَّ تَارِکَ الصَّلوٰۃِ کَافِرٌ یَعنِی مِنْ غَیْرِ عِلَّۃٍ (کتاب کافی۔وسائل الشیعہ۔کتاب جہاد)

(۱) اللہ کے وجود سے انکار کرنا (۲) کسی نفس محترم کو قتل کرنا (۳) ماں باپ کا عاق کرنا (۴) سود کھانا واضح ہونے کے بعد (۵) ظلم وستم سے مال یتیم کھانا (۶) جنگ (جہاد) سے بھاگ جانا (۷) ہجرت کے بعد جہالت کی طرف پلٹنا۔

میں نے عرض کیا، کیا یہ سب بڑے گناہوں میں شمار ہیں؟

امام - نے فرمایا صحیح ہے۔ پھر میں نے عرض کیا، ظلم وزیادتی سے مال یتیم کا ایک درہم کھانا بڑا گناہ ہے یا نماز ترک کرنا؟ فرمایا: نماز چھوڑنا نسبتاً بڑا گناہ ہے۔ میں نے پھر پوچھا پھر آپ نے نماز ترک کرنا گناہ کبیرہ میں شمار کیوں نہیں کیا؟ امام - نے پوچھا میں نے پہلے کونسا گناہِ کبیرہ شمار کیا تھا؟ میں نے عرض کیا، خدا سے انکار کرنا۔ فرمایا نماز ترک کرنے والا کافر ہے بغیر کسی دلیل کے (کیونکہ تارک الصلوٰۃ کفر باللہ کے ضمن میں آتا ہے)۔ اس لیے آپ - نے ترک نماز کا ذکر نہیں فرمایا۔''

اس بیان سے معلوم ہو کہ معصوم سے ہم تک پہنچی ہوئی احادیث میں مکمل طور پر اور شرح کے ساتھ گناہان کبیرہ کا ذکر نہیں۔ غرض کوئی روایت ایسی نہیں (جو کہ جامع ومانع ہو) جس میں گناہان کبیرہ مکمل طور پر اور شرح کے ساتھ مع تعداد ذکر ہوں اور ہم اعتماد کے ساتھ یہ کہ سکیں کہ ان کے سوا اور کوئی گناہ کبیرہ ہو نہیں سکتا۔

چنانچہ صحیفۂ حضرت شہزادہ عبدالعظیم الحسنیؒ کا ذکر پہلے ہو چکا۔ اس پر غور وفکر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امام جعفر صادق - نے ۲۱ گناہان کبیرہ عمرو بن عبید کو قرآن مجید سے شمار کر کے بتائے۔ وہ اس سے زیادہ سننے کی طاقت نہیں رکھتے تھے اور روتے ہوئے باہر نکل گئے۔ اگر سننے کی سکت ہوتی اور صبر سے کام لیتے تو امام - مزید ارشاد فرما رہے تھے۔ میں قارئین ِ محترم سے یہ بھی عرض کرنا چاہتا ہو کہ ہمارا مطلب اس کتاب میں ان گناہوں کی شرح بیان کرنا نہیں جن کا کبائر میں شامل ہونا ثابت اور مسلم ہے۔ اور نہ ہم جو کچھ ذکر کرتے ہیں انہیں پر گناہانِ کبیرہ کا انحصار ہے۔ بلکہ باقی گناہ جن کے بارے میں کبیرہ ہونا ثابت نہیں مبہم اور مختصر اس کتاب میں ہم لکھ رہے ہیں۔ ان گناہوں کا صغیرہ ہونا بھی مسلّم نہیں۔ اس لیے صاحبان ِ تقویٰ پر لازم ہے کہ ان تمام مبہم اور مختصر الذکر گناہوں سے بھی پرہیز کریں کیونکہ امکان ہے کہ واقعی یہی گناہ کبیرہ ہوں اور ہم انہیں ثابت نہ کر سکتے ہوں۔ یہاں تک گناہان ِ کبیرہ کی بحث وبیان شروع کرتے ہیں جن کو صراحتاً بڑا گناہ قرار دیا گیا ہے۔

❁❁❁

الشِّرکُ بِاللّٰہِ

سب سے پہلا گناہ کبیرہ اللہ تعالیٰ پر شرک باندھنا ہے اور اس کے بارے میں حضرت رسول اکرم ﷺ وحضرت امیر المؤمنین - وحضرت امام جعفر صادق، حضرت امام موسیٰ کاظم، حضرت امام علی رضا، حضرت امام تقی ؑ نے واضح ارشادات فرمائے ہیں۔ چنانچہ حضرت امام جعفر صادق - نے فرمایا:

اَکْبَرُ الْکَبَائِرِ الشِرّکُ بِاللّٰہِ (وسائل الشیعہ۔ کتاب جہاد)

''تمام گناہوں سے بڑا گناہ اللہ تعالیٰ پر شرک باندھنا ہے۔'' جس کی دلیل خود خداوند تعالیٰ کا قول ہے کہ فرماتا ہے:

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرِکَ بِہٖ وَ یَغْفِرُ مَادُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ (سورہ ۴۔ آیت ۵۲)

''یقیناً خدا نہیں بخشتا اس کو جس نے اس کا شریک قرار دیا اور شرک کے علاوہ دوسرے گناہوں کی جسے وہ چاہے مغفرت کر دیتا ہے۔''

یعنی اگر کوئی مشرک دنیا سے کوچ کر گیا تو وہ بخشے جانے کے قابل نہیں اور شرک کے علاوہ جسے وہ چاہے مغفرت کا مستحق ہو سکتا ہے۔ اور فرماتا ہے:

اِنَّہٗ مَنْ یُشْرِکْ بِاللّٰہِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰہُ عَلَیْہِ الْجَنَّۃَ وَمَاْوٰئہ النَّارُ وَمَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ اَنْصَارٍ (سورۂ ۵۔ آیہ ۷۶)

''بے شک جو کوئی اللہ تعالیٰ کا شریک قرار دے یقیناً خدا اس پر بہشت حرام کرتا ہے اور اس کا ٹھکانہ جہنم قرار دیتا ہے اور ظالموں کے لیے کوئی مدد کرنے والا نہیں۔''

مزید ارشاد خداوندی ہے:

لَا تُشْرِکْ بِاللّٰہِ اِنَّ الشِّرْکَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ (سورہ۳۱ آیت۱۳)

''اللہ تعالیٰ کا کسی کو شریک قرار مت دو بے شک شرک بہت بڑا ظلم ہے۔''

وَمَنْ یُشْرِکْ بِاللّٰہِ فَقَدْ افْتَریٰ اِثْماً عَظِیْماً (سورہ۴۔آیت۵۲)

''جس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک باندھا یقیناً اس نے جھوٹ باندھا اور بڑے گناہ کا مرتکب ہوا۔

جبکہ ہر مسلمان شرک کو مثل روزِ روشن کے گناہ کبیرہ مانتا ہے تو قرآنی آیات اور معصومین ؑ کی روایات کو شرک کا کبیرہ گناہ ہونے کے بارے میں نقل کرنا ضروری نہیں سمجھا مگر جو چیز زیادہ اہم ہے وہ شرک کے معنی اور اس کے مراتب جاننا ہے تا کہ ان تمام گناہوں سے پرہیز کریں۔ چنانچہ پروردگار عالم قرآن مجید میں فرماتا ہے:

وَاعْبُدُوا اللّٰہَ وَلَاتُشْرِکُوْا بِہٖ شَیْئًا (سورہ ۴. آیت ۴۱)

''اور اللہ کی عبادت کرو اور کسی چیز کو اس کے ساتھ شریک نہ کرو۔''

واضح ہو کہ مشرک مقابل موحّد اور اس کی ضد ہے۔ چنانچہ توحید دین کا پہلا اصل رکن ہے۔ یہ کئی مراتب پر مشتمل ہے اور اسی طرح شرک کے کئی درجات ہیں:

(۱) توحید اور شرک ذاتِ خدا کے مقام میں۔

(۲) توحید اور شرک صفاتِ خدا کے مقام میں۔

(۳) توحید اور شرک افعال کے مقام میں۔

(۴) توحید اور شرک اطاعت کے مقام میں۔

(۵) توحید اور شرک عبادت کے مقام میں۔

اب اگر توفیق الٰہی شامل حال رہی تو ہر ایک موضوع پر تفصیل سے بیان کریں گے۔

پہلا مقام

توحید ذات خدا

یعنی ربّ الارباب کی ذات اقدس کو یکتا تسلیم کرنا کہ وہ قدیم اور ازلی ہے۔ وہ سارے عوالمِ امکان، خواہ محسوس ہوں یا غیر محسوس، سب کی ایجاد کی علّت ہے۔ اور اس مقام میں متعدد علل کو ماننا شرک ہے۔ چنانچہ ثنو یہ فرقے قائل ہیں کہ کائنات کے دو برابر کو موجد ہیں۔ اور دونوں قدیم بھی ہیں اور ازلی بھی۔ ایک نیکیوں کا مبدأ ہے جس کا نام یزداں ہے اور جو برائی کا خالق ہے اس کا نام اہرمن ہے۔ اس فرقے کے فاسد عقائد کی تردید کے لیے قرآنی آیات کے واضح دلائل موجود ہیں۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قُلْ کُلٌّ مِنْ عِنْدِاللّٰہِ (سورہ۶ . آیت ۸۰)

''کہدو (اے محمد ﷺ) سب کچھ اللہ کی طرف سے ہے۔''

ان کے جواب میں ایک جملہ کافی ہے اور وہ یہ ہے کہ کوئی خالص شر اس عالم میں سرے سے موجود نہیں اور جو کچھ پہلے تھا اور حال میں موجود ہے اور آئندہ وجود میں آنیوالا ہے، سب کا سب خیر ہی خیر ہے۔ یا کم از کم خیر کا پلہ بھاری اور غالب ہے اور شر کی سمت، ہلکی اور مغلوب ہے۔ بہر حال اس مطلب کو تفصیل سے بیان کریں تو ہم اپنے موضوعِ کلام سے نکل جائیں گے۔

نصاریٰ بھی مشرک ہیں

عیسائی مذہب تین قدیم اصل یعنی اَبُ (باپ یعنی خدا)، اِبْن (بیٹا یعنی عیسیٰ ؑ) اور رُوحُ الْقُدُس (جبرائیل) کے قائل ہیں اور ہر ایک کے لیے ایک خاصیت اور اثر کے معتقد ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ان کی تردید میں سورہ مائدہ آیۃ ۷۳ میں فرماتا ہے:

لَقَدْ کَفَرَ الَّذِیْنَ قَالُوْا اِنَّ اللّٰہَ ثَالِثُ ثَلاَ ثَۃٍ وَّمَا مِنْ اِلٰہٍ اِلَّا اِلٰہٌ وَّاحِدٌ.

''جولوگ اس کے قائل ہیں کہ 'اللہ' تین میں سے ایک ہے (یعنی الوہیت خدا، عیسیٰؑ اور روح القدس کے درمیان مشترک ہیں) وہ یقیناً کافر ہو گئے۔ حالانکہ خدائے یکتا کے سوا کوئی دوسرا معبود نہیں۔ (جو کہ تمام موجودات کا مبدأ ہے)

اسی طرح برہمن مذہب اور بدھ مذہب بھی تثلیث کا عقیدہ رکھتے ہیں۔

بت پرستی خدا کو شریک قرار دینا ہے

یہ بھی شرک کی ایک قسم ہے جو کچھ بت پرست فرقے ساری مخلوقات کی ہر نوع کے لیے ایک پروردگار قرار دیتے ہیں جسے 'رَبُّ النَّوْع' کہتے ہیں۔ اس فرقے کا کہنا ہے کہ پانی کے لیے الگ خدا ہے اور ہوا کا خالق الگ ہے۔ ان کے عقائد کی تردید میں اللہ تعالیٰ قرآن میں فرماتا ہے:

ءَ اَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ اَمِ اللّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ (سورہ ۱۲۔آیت ٦)

''(ذرا غور کرو کہ) بھلا جدا جدا معبود اچھے یا خدائے یکتا و زبردست۔''

دوسرا مقام

صفات خدا میں توحید

صفات الٰہی میں توحید سے مراد یہ ہے کہ خدا کی ذاتی صفات جیسے حیات، علم، قدرت، ارادہ، اور ان کی مانند دوسری صفات کو خدائے واحد کا عین جاننا اور جدا نہیں سمجھنا۔ اس کے سوا یہ صفات مخلوقات کی ذات پر زائد و عارض صفات جاننا اور خدائے یکتا کا فیضانِ رحمت اور بخشی ہوئی نعمت سمجھنا چاہیئے۔ (مثلاً زید کے لیے حیات و علم و قدرت ذاتی نہیں بلکہ بعد میں عارض ہوا ہے)۔ یہاں توحید خداوندی میں شرک کی دو قسمیں ہیں: پہلی یہ کہ صفات الٰہیہ (علم، قدرت و حیات وغیرہ) کو ذاتِ حق سے زائد جانیں۔ اسی صورت میں (جبکہ ذاتِ خدا خود قدیم ہے، اس کی تمام صفات کو بھی قدیم ماننا پڑے گا) پھر تعدد قدماء لازم آتے ہیں۔ چنانچہ یہ عقیدہ (اشاعرہ سے منسوب ہے۔ ان کے اس دعوے کا بطلان اپنی جگہ ثابت ہے۔ یہاں اس کا تذکرہ کرنا ہمارے موضوع سے خارج ہے۔

مخلوقات کی اچھی صفات سب کی سب خدا کی جانب سے ہیں:

اچھی صفات کے تمام مراتب کو جو کہ مخلوق کی طرف نسبت دیئے جاتے ہیں اگر ان سب کو اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم سمجھا جائے تو یہی عین توحید اور حقیقت کے مطابق ہے۔ چنانچہ انبیاء اور آئمہ اطہار ؑ کے متعلق ہمارا عقیدہ ہی یہی ہے کہ ان حضرات کا علم و قدرت و عصمت اور دوسرے کمال کے اوصاف مرحمت پروردگار ہیں۔ کوئی ایک صفت بھی وہ ذاتی طور پر نہیں رکھتے تھے بلکہ انہیں جو کچھ ملا ہے وہ سرچشمۂ فیض سے ملا ہے۔ مختصر یہ ہے کہ دراصل عالم امکان کے سارے موجودات کا وجود اپنے ذات پر قائم نہیں بلکہ دوسرے کا محتاج ہے۔ اس لیے مخلوقات ممکن اور حادث ہیں۔ سب ایسے اللہ کے محتاج ہیں جو اس کو پیدا کریں۔ اسی طرح کسی فرد کا کسی اچھی صفت سے متصف ہونا ہے۔ اس کے ثانوی کمان ہے اور ذاتی صفات نہیں کہ جنہیں وہ از خود پیدا نہیں کر سکتا۔ بلکہ یقیناً وہ رب الأرباب کا محتاج ہوتا ہے۔ اور وہی اسے اپنے ارادہ اور مصلحت کے مطابق اچھی صفات سے مزیّن کرتا اور روزی دیتا ہے۔

کبھی غفلت سے اپنے نفس کا تزکیہ کرتے ہیں:

یہ مطلب ہر ایک عقلمند، یکتا پرست، اور منصف مزاج کے سامنے بالکل واضح ہے کہ تمام صفات کمالیہ رکھنے والی صرف اور صرف پروردگار عالم کی ذات اقدس ہے۔ لیکن کبھی کبھار بعض یکتا پرست (موحدین) غفلت کی بناء پر مشرکانہ باتیں منہ سے نکالتے ہیں مثلاً اپنی تعریف کے موقع پر کہتے ہیں: ''میرا علم، میری قدرت، میرا ارادہ، میری دولت، میری سوجھ بوجھ، میری طاقت وغیرہ وغیرہ''۔ اس کی بجائے اگر وہ کہتا کہ میرا علم جو اللہ تعالیٰ نے مجھے مرحمت فرمایا ہے۔ میری قدرت جو اللہ نے دی ہے۔ میری دولت جو اللہ کا فضل و امانت ہے، تو درست و مناسب تھا۔ اور یہی حقیقت کے مطابق عین توحید ہوتا۔

لیکن سچا موحد اسی صورت میں ہو سکتا ہے جبکہ اس کا زبانی اقرار دلی اعتقاد سے متضاد نہ ہو بلکہ ایک دوسرے سے مطابقت رکھتا ہو۔ ایسے شخص کی علامت یہ ہے کہ وہ انتہائی شدت سے اپنے خالق کے سامنے تواضع و انکساری سے پیش آتا ہے۔ اور کفران نعمت کی صورت میں نعمت خداوندی کے زوال سے اُسے ہمیشہ ڈر رہتا ہے۔ اور دوسری علامت یہ ہے کہ وہ کسی کی تعریف اور خوشامد سے خوشی محسوس نہیں کرتا۔

پرہیزگار لوگ تعریف سے ڈرتے ہیں:

چنانچہ حضرت امیرالمؤمنین - ''خطبہ ہمام'' میں متقین کی صفات بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وَاِذَاذُکِیَ اَحَدٌ مِنۡھُمۡ خَافَ مِمَّا یُقَالُ لَهُ فَیَقُوۡلُ اَنَا اَعۡلَمُ بِنَفۡسِی مِنۡ غَیۡرِیۡ وَرَبِّیۡ اَعۡلَمُ بِیۡ مِنۡ نَفۡسِیۡ. اَللّٰھُمَّ لَاتؤَاخِذۡنِیۡ بِمَا یَقُوۡلُوۡنَ وَاجۡعَلۡنِیۡ اَفۡضَلَ مِمَّا یَظُنُّوۡنَ وَاغۡفِرۡ لِیۡ مَالَا یَعۡلَمُوۡنَ (خطبۂ ہمام۔نہج البلاغہ)

''جب ان میں سے کوئی کسی کی تعریف کرنے لگے تو جو کچھ اس کے بارے میں کہتے ہیں وہ (پرہیزگار) اس سے ڈرتا ہے اور کہتا ہے کہ میں اپنے نفس کو دوسروں سے زیادہ جانتا ہوں۔ (من آنم خود دانم) اور میرا پروردگار میرے نفس اور ضمیر کو اچھی طرح جانتا ہے۔ اس کے بعد درگاہ رب العزّت کی طرف متوجہ ہو کر کہتا ہے: اے میرے معبود یہ لوگ جو کچھ میری تعریف میں کہتے ہیں اس کا مجھ سے مؤاخذہ نہ کر۔ تعریف کرنے والا جس نظر سے مجھے دیکھ رہا ہے میں اس کا اہل نہیں ہوں۔ مجھے اس بالاتر قرار دے اور میرے اُن گناہوں کو بخش دے جو میرا مدّاح نہیں جانتا۔

خدا کی صفات میں کوئی بھی شریک نہیں:

ایک شخص موّحد اپنے آپ کو یا کسی اور کو خدائے بے مثل و یکتا کے حمد وثناء کے استحقاق میں کسی کو کسی طرح شریک قرار دے سکتا ہے جبکہ وہ دن ورات میں کئی مرتبہ کہتا ہو ''سُبۡحَانَ اللہ'' یعنی میں اپنے خدا کو ہر قسم کے شریک وشرکت سے پاک وپاکیزہ سمجھتا ہوں۔ اور وہ بار بار کہتا ہو ''اَلۡحَمۡدُ للہ'' یعنی حمد وستائش کے تمام مصادیق اور اقسام صرف پروردگار کے لیے مخصوص ہیں۔ اس کے سوا اور کوئی حقیقی تعریف کا استحقاق نہیں رکھتا۔

خلاصہ

جبکہ موّحدین یقین کے ساتھ جانتے ہیں کہ خدا کے بغیر کچھ بھی از خود حیثیت نہیں رکھتا اور جو کچھ ملا ہے وہ مالکِ حقیقی سے ملا ہے۔ اور سب کے سب اس ذاتی اور صفاتی لحاظ سے اس کے محتاج ہیں چنانچہ ارشادی باری تعالیٰ ہے:

''یاَ یُّھَا النَّاسُ اَنۡتُمُ الۡفُقَرَاءُ اِلَی اللّٰہِ وَاللّٰہُ ھُوَ الۡغَنِیُّ الۡحَمِیۡد''

(سورہ ۳۵۔آیت ۱۵)

''لوگو تم سب کے سب (ہر وقت) خُدا کے محتاج ہو اور (صرف) خُدا ہی (سب سے) بے نیاز اور سزاوار حمد وثنا ہے۔''

یہی وجہ ہے کہ یکتا پرست لوگ اپنی تعریف خود کرنے سے اور دوسروں کی مدح سرائی سے مکمل طور پر پرہیز کرتے ہیں۔ جیسا کہ حضرت امیرالمؤمنین علیہ السلام نے موحد کی صفات اور خوشامدی کی تعریف سے ڈرنے کے بارے میں جو کچھ فرمایا وہ ابھی ذکر ہوا۔ بلکہ ایسے الفاظ وکلمات سے بھی اجتناب کرنا چاہیئے جن سے انسان کی استقلال و بے نیازی اور خودنمائی کا اظہار ہوتا ہو مثلاً ''میں فلاں صفت یا کمالیت رکھتا ہوں''۔

حضرت پیغمبرؐ کا ارشادگرامی

ایک آدمی نے حضرت رسول اعظم ﷺ کی بارگاہ عرشِ افتخار میں پہنچ کر دروازہ کھٹکھٹایا۔ آنحضرت ﷺ نے گھر کے اندر سے دریافت فرمایا ''آپ کون ہیں؟''

فَقَالَ اَنَا! فَغَضِبَ (ص) مِنۡ قَوۡلِهِ اَنَا. فَخَرَجَ (ص) وَھُوَ یَقُوۡلُ مَنِ الۡقَائِلِ اَنَا؟ وَھِیَ لَایُطۡلِقُ اِلَّا بِاللّٰہِ الَّذِی یَقُوۡلُ اَنَا الۡجَبَّارُ وَاَنَا الۡقَھَّارُ (انوارالنعمانیة)

اس نے کہا ''میں''، پس آنحضرتؐ لفظ ''انا'' کے استعمال سے غضبناک ہوئے اور گھر سے باہر تشریف لائے اور پوچھا ''میں کہنے والا کون تھا؟ (جاننا چاہیئے) خداوند عالم کے سوا اور کوئی اس لفظ کا سزاوار نہیں۔ وہ اپنے آپ کو کہتا ہے ''میں جبار ہوں اور میں قہّار ہوں''۔

قارون مشرک ہوگیا

قارون مشرک اس وجہ سے ہوا کہ اس نے کہا:

اِنَّمَا اُوۡتِیۡتُهُ عَلٰی عِلۡمٍ عِنۡدِیۡ

(یہ مال ودولت) تو مجھے اپنے علم (کیمیا) کی وجہ سے حاصل ہوا ہے۔ جب قارون نے اپنے آپ کو رزاقیت میں جو کہ صفت خداوندی ہے شریک گردانا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا۔

اَوَلَمۡ یَعۡلَمۡ اَنَّ اللّٰہَ قَدۡ اَھۡلَکَ مِنۡ قَبۡلِهِ مِنَ الۡقُرُوۡنِ مَنۡ ھُوَ اَشَدُّ قُوَّۃً وَّاَکۡثَرُ جَمۡعًا

(سورہ ۲۸۔آیت ۷۸)

کیا قارون نے یہ بھی خیال نہ کیا کہ اللہ نے اس سے پہلے کے لوگوں کو ہلاک کر ڈالا جو اس سے قوت اور جمعیت میں کہیں بڑھ چڑھ کے تھے۔
اس لئے اگر قارون ازخود کسی قسم کی قدرت وطاقت رکھتا تو اپنے آپ کو ہلاکت سے کیوں نہ بچا سکا؟
یہ بدیہی امر ہے کہ علم وقدرت وحیات اور دوسرے تمام کمالات جو مخلوق رکھتی ہے وہ کسی کے ذاتی نہیں بلکہ ان کا مبداء قادر مطلق ہے۔

تیسرا مقام

افعال میں توحید اور شرک

افعال میں توحید کی حقیقت سے مراد یہ ہے کہ ہمیں یقین حاصل کرنا چاہیئے کہ سارے عوالم خواہ وہ ملک (مادی) یا ملکوت (روحانی) سے تعلق رکھتے ہوں ان کا مالک و مدبر اور کنٹرول کرنے والا سوائے خدا کے اور کوئی نہیں اور یقینی طور پر جاننا چاہیے کہ اس کی ربوبیت اور الوہیت میں کسی حالت میں کوئی شریک نہیں اور اس کی ربوبیت کو آسمان وزمین اور تمام عوالم میں بسنے والوں کے لئے بلاتفریق یکساں جاننا چاہیئے۔جیسا کہ قرآن میں ہے:

اللّٰہُ الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَھُنَّ یَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَیْنَھُنَّ لِتَعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ وَّاَنَّ اللّٰہَ قَدْ اَحَاطَ بِکُلِّ شَیْءٍ عِلْماً. (سورہ ۶۵. آیت ۱۲)

''خدا ہی تو ہے جس نے سات آسمان پیدا کئے اور انہیں کے برابر زمین کو بھی۔ان میں خدا کا حکم نازل ہوتا رہتا ہے۔تاکہ تم لوگ جان لو کہ خدا ہر چیز پر قادر ہے۔اور بے شک خدا اپنے علم میں ہر چیز پر حاوی ہے۔''

اور خداوند عالم کو آسمانوں کا پیدا کرنے والا جاننا چاہیے۔اور یقین کامل ہونا چاہیئے کہ اس نے بے شمار ستارے پیدا کئے ہیں کہ ابھی تک ان کا انکشاف نہیں ہوا۔جدید سائنسی آلات سے صرف ایک کڑور ستارے دریافت کئے گئے ہیں۔جو کہ ہر ایک علیحدہ عالم کی حیثیت رکھتے ہیں اور ہر ایک کی روشنی مختلف ہے اور ہر ایک دوسرے سے ٹکرائے بغیر اپنے مخصوص مدار میں گردش کرتا ہے۔

وَالنُّجُوْمُ مُسَخَّرَاتٌ بِاَمْرِہٖ (سورہ ۱۶. آیت ۱۲)

''اور ستارے اسی کے حکم سے (تمہارے) فرمانبردار ہیں۔''

ان ستاروں میں ایک سورج ہے جس کا حجم ہماری زمین سے تیرہ لاکھ گنا بڑا ہے۔اس قدر تیز روشنی اسے دی گئی ہے کہ ۳۷ لاکھ فرسخ کا فاصلہ صرف آٹھ سیکنڈ میں طے کر کے ہماری زمین تک پہنچتی ہے۔جس سے ساری زمین کے لئے روشنی ملتی ہے اور اسی سے تمام موجودات کی پرورش ہوتی ہے۔کیا شان ہے اس خالق بزرگ وبرتر کی۔

سُبْحَانَ اللّٰہِ خَالِقِ الْاَعْظَمِ.

بے رنگ پانی سے لاکھوں رنگ

وہ ایسا خدا ہے کہ زمین کو پھاڑ کر اس سے پھولوں کے اقسام اور گونا گوں خوشبودار پودے نکالتا ہے اور ان کے پتیوں اور پھوکوں میں ہر قسم کے رنگ بھرتا ہے۔وہی ہستی ہے جس نے انسان کے لئے قوت شامہ (سونگھنے کی حس) عطا کی جس سے خوشبو اور بدبو کی پہچان ہوتی ہے۔اس کے علاوہ قوت باصرہ (دیکھنے کی حس) پیدا کی تاکہ مناظر قدرت کا مشاہدہ کر سکیں اور اس کے نیز اپنے پیدا کرنے والے کو جان لیں۔

فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰی (بیج اور گٹھلی کو پھاڑنے والا)

وہ ایسا خالق ہے کہ گٹھلی میں شگاف پیدا کرتا ہے۔اس کا آدھا حصہ جڑ پکڑنے اور خوراک لینے کے لیے مختلف سمت میں پھیلاتا ہے اور دوسرا حصہ فضا میں بلند کر کے آہستہ آہستہ اس کی نشوونما کرتا ہے۔یہاں تک کہ اس سے ہر قسم اور ہر رنگ کے مختلف ذائقے والے پھل پھول پیدا کرتا ہے۔جبکہ زمین، پانی اور ہوا مختلف نہیں بلکہ ایک ہیں پھر بھی ذائقہ اور رنگ الگ الگ پیدا کرتی ہیں۔مختلف ذائقوں کو چکھنے کے لیے انسان کو قوت ذائقہ مرحمت فرمائی تاکہ اُنہیں بے شمار نعمتوں کو چکھ کر اپنے خدا کی عظمت اور رحم وکرم کا اندازہ ہو جائے اور اُسے پہچان سکیں۔

فِیْ ظُلُمَاتٍ ثلاثٍ (تین تاریکیوں میں)

خداوہ بے مانند ذات ہے کہ جس نے گندے نطفے سے ہر قسم کے حیوانات پیدا کیے۔انسان کو(۱) پیٹ (۲) رحم (۳) اور جھلّی یا مشیمہ کی تاریکیوں میں پیدا کیا۔اس کے بعد اپنی قدرت کاملہ سے کس قدر عجیب وغریب ترکیب کے ذریعہ عقل جیسی آنکھ عطا کی تا کہ انسان غور وفکر سے اللہ تعالیٰ کے صنعت و آثار دیکھ سکیں۔اور اپنے نفس اور دوسرے موجودات کا چشم باطن سے مشاہدہ کریں۔

گندے خون سے خوشگوار دودھ

خداوہ ہستی ہے جس نے گندے میلے اور ناپاک خون سے پاک وصاف دودھ نکالا اور وہ پستان کی نالیوں کے ذریعے حیوان وانسان کے شیر خواروں کے گلے میں آسانی سے پہنچا دیتا ہے۔

نُسۡقِيۡكُمۡ مِمَّا فِىۡ بُطُوۡنِهٖ مِنۡ بَيۡنِ فَرۡثٍ وَّدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِيۡنَ (سورہ ۱۶ . آیت ۶۶)

''(حیوانات) کے پیٹ میں (گوبر اور خون) جو کچھ بھرا ہوا ہے اس میں سے ہم تم کو خالص دودھ (نکال کر) پلاتے ہیں جو پینے والوں کے لیے خوشگوار ہے۔''

یہ اس حالت میں جبکہ بچہ کسی قسم کی غذا کھانے سے عاجز ہوتا ہے تو خالص دودھ پلانے والا خدا ہے۔وہی جانداروں کو زندگی اور موت دیتا ہے۔ہر کسی کو ملنے والا نفع اور خیر اُسی کی جانب سے ہیں اور تمام شر اور ضرر جس سے صادر ہوتا ہے اور دوسرے تک پہنچتا ہے،اس کی مشیت وحکمت اور اجازت سے ہے۔

قُلۡ كُلٌّ مِّنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ

''کہہ دو اے رسول ﷺ! سب کچھ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے۔''

روزی دیتا ہے،قبول کرتا ہے

وہ ایسی ذات ہے کہ تمام مخلوقات کو روزی دیتا ہے۔رزق کی تقسیم کرنا،کم یا زیادہ دینا مکمل طور پر خدا ہی کے ہاتھ میں ہے۔وہ ایسا کریم ورحیم ہے کہ ہر کسی کی دعا قبول کر لیتا ہے۔اور اس کی حاجت پوری کر دیتا ہے۔جس سے وہ چاہے بُرائی کو دور کرتا ہے۔خلاصہ توحید در افعال کے کے حقیقی معنی یہ ہیں کہ لَاحَوۡلَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّابِاللّٰهِ کے معنی سمجھنا پھر دل میں یقین پیدا کرنا۔بعبارت دیگر کلمہ شریفہ لَااِلٰهَ اِلَّااللّٰه کا مفہوم یہی ہے۔

ہر چیز کا مؤثر خدا ہے

جس طرح کہ ہر چیز کی زندگی خدا سے ہے اسی طرح اس کے آثار حیات بھی خدا سے تعلّق رکھتے ہیں اور ان آثار کا ظہور بھی خدا کی جانب سے ہوتا ہے۔خواہ وہ مقدار کے لحاظ سے ظاہر ہو جائے یا کیفیت میں۔چنانچہ تجربہ اور وجدان سے ثابت ہوا ہے کہ موثر اشیاء کا اثر کبھی کبھار اُس کے برعکس ہوتا ہے۔(جیسا کہ آتش ِ نمرود کا اثر یعنی حرارت ختم کر کے اس کو ٹھنڈک میں تبدیل کر دیا، کیونکہ خدا ہر چیز کا مؤثر ہے۔)اس اختصار کی تفصیل آگے بیان ہوگی۔

شان ربوبیت کی انتہا نہیں

خداوند عزوجل ہر بیچارے کا فریادرس اور ہر پریشان حال کو نجات دینے والا ہے اس کے علاوہ دوسری اچھی صفات کا بھی وہی مالک ہے بلکہ وہ ہر نیکی اور خوبی کا سرچشمہ ہے

هُوَ اللّٰهُ الخَالِقُ البَارِئُ الْمُصَوِّرُ الرَّزَاقُ الْمُحْيِىْ، الْمُمِيْتُ النَّافِعُ الضَّارُّ الْمُجِيْبُ الْمُعطِىُ الْمُنْعِمُ وغیرہ دوسرے اسماء اور افعال خداوند تعالیٰ کی ربوبیت کے مظہر ہیں اور کلمۂ مبارکہ رب العالمین تمام اسمائے الٰہیہ کے لیے مرکزی حیثیت رکھتا ہے خلاصہ اگر تمام دریا سیاہی بن جائیں اور ربوبیت کے شؤون وحالات لکھنا چاہیں تو تمام دُنیا کا پانی ختم ہو جائے گا اور تمام عالم کی تربیت اور پرورش کی لامتناہی داستان ابتدائی مراحل میں ادھوری رہ جائے گی جیسا کہ قرآن میں ارشاد ہے:

قُلۡ لَّوۡ كَانَ الۡبَحۡرُ مِدَادًا لِّكَلِمَاتِ رَبِّىۡ لَنَفِدَا لبَحۡرُ قَبۡلَ اَنۡ تَنۡفَدَ كَلِمَاتُ رَبِّىۡ وَلَوۡ جِئۡنَا بِمِثۡلِهٖ مَدَدًا. (سورہ ۱۸۔آیت ۱۰۹)

''کہو (اے رسولؐ) اگر میرے پروردگار کی باتوں کے (لکھنے کے) واسطے سمندر (کا پانی) ہی سیاہی بن جائے تو قبل اس کے کہ میرے پروردگار باتیں ختم ہوں سمندر ہی ختم ہو جائے گا اگر چہ ہم ویسا ہی (ایک اور سمندر) اس کی مدد کو لے آئیں۔

انسان کی توانائی

دراصل انسان کا وجود خدا سے ہے اپنے افعال میں جو کچھ قدرت رکھتا ہے وہ بھی خدا ہی سے ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے اسے توانائی علم اور ارادہ دیا ہے تاکہ وہ خیر و شر کے افعال انجام دے سکے۔

ای ہمہ نقشِ عجب بردرو دیوارِ وجود
ہر کہ فکرت نکند نقش بود بر دیوار

یہ سارے عجیب نقش و نگار جو عالمِ وجود کے در و دیوار پر نظر آتے ہیں اگر کسی نے ان پر غور و فکر نہیں کیا تو وہ نقشِ دیوار کی مانند ہے۔

آفرینش ہمہ تنبیہ خداوند دل است
دل ندارد کہ ندارد باخداوند اقرار

موجودات عقل مند انسان کو خوابِ غفلت سے بیدار کرتی ہیں جس کے پاس عقل نہیں وہ وجودِ خدا کا اقرار نہیں کرتا۔

کہ تواند کہ دوہد میوۂ شیریں از چوب
یا کہ دانند کہ برآرد گل صد رنگ از خوار

دیکھئے لکڑی سے میٹھا پھل کیا کوئی نکال سکتا ہے؟ یا سینکڑوں رنگوں کے پھولوں کو کانٹوں سے نکالنے کا کرشمہ کیا کوئی جانتا ہے؟

پاک و بے عیب خدائی کے بتقدیر وجود
ماہ وخورشید منور کند بہ لیل و نہار

وہ پاک و بے عیب خدا جس نے تقدیر و تدبیر سے چاند اور سورج کو روشنی دے کر دن اور رات کو وجود میں لایا۔

پادشاہی نہ بدستور کند یا گنجور
نقشبندی نہ بشنگرف کند یا زنگار

وہ ایسا بے نیاز بادشاہ ہے جس کو نہ دستور کی ضرورت ہے نہ خزانے کی احتیاج اور ایسا نقاش ہے جسے رنگ و روغن سامانِ نقاشی فراہم کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔

چشمہ از سنگِ بروں آرد و باران از میغ
عنکبین از مگس نحلِ دراز دیبہ باد

وہ پتھر سے پانی کا چشمہ نکالتا ہے اور بادل سے بارش برساتا ہے مکھی سے شہد فراہم کرتا ہے اور کیڑے سے ابریشم تیار کرتا ہے۔

تا قیامت سخن اندر کرم ورحمت او
ہمہ گویند و یکی گفتہ نیاید زہزار

(شیخ سعدی)

اگر تمام مخلوقات مل کر قیامت تک اللہ کے بے پایاں رحم و کرم کے بارے میں بات چیت کریں تو اس کے ہزارویں حصّے کا بیان بھی نہ کر سکیں گی۔

اِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لاتُحْصُوْهَا.

''اگر تم اللہ کی نعمتوں کو گننا چاہو تو ان کو شمار نہیں کر سکو گے۔''

انسان کی قوّت خدا کی مشیّت میں مقیّد ہوتی ہے

انسان کی توانائی مشیّتِ ایزدی سے گھیری ہوئی اور محدود ہوتی ہے جیسا کہ انسان بہت سے امور کی انجام دہی کے لیے ارادہ تو کرتا ہے لیکن اچانک اُس کا ارادہ منسوخ ہو جاتا ہے یا اپنی توانائی سرے سے ختم ہو جانے کی بنا پر وہ کام کو انجام تک نہیں پہنچا پاتا۔ درحقیقت موثر کی مرضی کے خلاف کام ہوتا ہے اس لیے فاعل کو روک لیتا ہے۔

چنانچہ کسی نے حضرت امیر المؤمنین - سے دریافت کیا اے میرے مولا!

كَيْفَ عَرَفْتَ رَبَّكَ؟ فَقَال (ع) عَرَفْتُ اللّٰهِ بِفَسْخِ الْعَزَائِمِ وَنَقْضِ الْهِمَمِ

(خطبہ نہج البلاغہ)

''آپؑ نے اللہ تعالیٰ کو کیسے پہچانا؟'' پس فرمایا میں نے اُس کو ارادوں کے منسوخ ہونے اور ہمتوں کے ٹوٹنے سے پہچان لیا ہے۔

سچ مچ خدا ہی کو تمام اشیائے کائنات کا مؤثر اور جن اشیاء میں مختلف آثار پائے جاتے ہیں ان کا مصدر بھی خدا ہی کو جاننا اور اُسی پر کامل اعتماد رکھنا توحید کا بلند ترین مقام ہے۔ توحید کے اس اعلیٰ مرتبے پر پہنچنے میں بہت کم لوگ کامیاب ہوتے ہیں۔ جب بندے کو اس بات کا یقین پیدا ہو جائے کہ عالمِ امکان خواہ محسوس (مادی) ہوں یا غیر محسوس (روحانی) ہوں ان سب کا مؤثر سوائے خدا کے اور کوئی نہیں تو لازمی طور پر کچھ علامتیں اُس سے ظاہر ہوتی ہیں اُن میں سے ایک علامت خوفِ خدا ہے۔

خوف خُدا

یقین کے مقام پر فائز مومن اپنے پروردگار کی عظمت اور جن گناہوں کا وہ مرتکب ہوا ہے ان کے بغیر اور کسی چیز سے کبھی نہیں ڈرتا چونکہ وہ یقین سے جان چکا ہے کہ سارے چرند، پرند، رینگنے والے، جن، بنی آدم، فرشتے اور دوسری مخلوقات سب کے سب اللہ تعالیٰ کی فوج ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر ان کی جانب سے کسی کو کسی قسم کا نفع پہنچ سکتا ہے اور نہ نقصان۔ جب اس اعتقاد پر یقین حاصل ہے تو پھر ڈر کس چیز کا؟

اگر تیغِ عالم وجنبد بجنبد ز جائے
نبردگی تا خواہد خدائے

اگر کسی کے خلاف ساری دُنیا کی تلواریں حرکت میں آ جائیں تو اس کی جب تک خدا نہ چاہے ایک رَگ بھی نہیں کاٹ سکتا۔

از خدا دان خلاف دشمن و دوست
کہ دل ہر دو در تصرف اوست

دوست اور دشمن کی مخالفت خدا کی طرف سے سمجھ کیونکہ دونوں کے دل خدا کے اختیار میں ہیں۔

مدعی لاکھ بُرا چاہے تو کیا ہوتا ہے
وہی ہوتا ہے جو منظورِ خدا ہوتا ہے

روایت ہے کہ وَحَدُّ الْيَقِيْنِ اِن لَّا تَخَافَ مَعَ اللّٰهِ شَيْئًا

یقین کی آخری حد یہ ہے کہ خدا کے ساتھ اور کسی چیز سے نہ ڈرے حضرت رسولِ اکرمؐ سجدے میں فرماتے ہیں:

اِلٰهِي اِنْ لَّمْ يَكُنْ غَضَبَكَ عَلَيَّ فَلاَ اُبَالِي (جلد۱۵ .بحارالانوار)

''خداوندا! اگر تیرا غضب میرے اوپر نہیں تو پھر مجھے کسی چیز کی پرواہ نہیں۔''

اُمید بخدا

اگر یہ یقین حاصل ہے کہ عالمِ امکان میں اللہ کے سوا دوسرے کسی مؤثر کا اثر کارگر نہیں تو ایسا مومن یکتا پرست خدا کے علاوہ اور کسی سے کسی قسم کی امید نہیں رکھتا چنانچہ حضرت امیر المؤمنینؑ کا ارشادِ گرامی:

لَايَرْجُوَنَّ اَحَدٌ مِّنكُمْ اِلَّا رَبَّهُ (خطبهٔ نهج البلاغه)

تم میں سے کسی کو اپنے پروردگار کے سوا کسی سے امید نہیں رکھنا چاہیئے جیسا کہ اشارہ ہوا ہر فرد کی اصل خدا سے ہے اور ہر خیر کا وجود اور پیدائش کا مرکز بھی وہی ہے اسی طرح ہر وہ نیکی جو ایک شخص سے دوسرے فرد تک پہنچتی ہے وہ بھی خدا کی طرف سے ہے چنانچہ قرآن مجید میں فرماتا ہے: ''بیدک الخیر' نیکی فقط پروردگار ہی کے ہاتھ میں ہے۔ (قواعدِ نحو کے لحاظ سے یہاں جار و مجرور مقدم ہیں اس لیے مفید حصر ہوتا ہے۔) سورہ یونس کے آخر میں فرماتا ہے:

وَاِنْ يَمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلاَ كَاشِفَ لَهُ وَاِنْ يُرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلاَ رَادَّ لِفَضْلِهٖ (سوره۱۰ .آیت۱۰۷)

اگر خدا تم کو کسی قسم کی تکلیف پہنچائے تو اس کے سوا کوئی اس کا دفع کرنے والا نہیں۔ اور اگر تمہیں کچھ فائدہ پہنچائے تو بھی (کوئی روک نہیں سکتا کیونکہ) وہ ہر چیز پر قادر ہے اور دوسری جگہ فرماتا ہے:

وَمَابِکُمْ مِنْ نِعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ.

''اور جتنی نعمتیں تمہیں ملتی سب خدا ہی کی طرف سے ہیں۔'' اب واضح ہوا کہ جو کچھ عالمِ ملک (مادی) اور ملکوت (روحانی) میں موجود ہے سب کے سب خدا کے بندے ہیں اور اس کے سامنے عاجز ہیں۔

اِنْ کُلُّ مَنْ فِی السَّمٰوٰاتِ وَالْاَرضِ اِلَّآ اٰتِی الرَّحْمٰنِ عَبْداً

(سورہ۱۹۔آیت۹۳)

آسمان وزمین میں جتنی چیزیں سب کے سب بندہ ہی بندہ ہیں۔

اگر کوئی اپنے کام میں اپنے پروردگار کے علاوہ کسی دوسرے سے امیدوار ہے تو خداوند کریم اسے لطف وکرم سے اس کی امید کو ناامیدی سے بدل دیتا ہے۔ تا کہ وہ اپنے مالکِ حقیقی کی طرف پلٹ کر آئے۔

لَاُقَطِّعَنَ اَمَلَ کُلِّ مُؤمِّلٍ غَیْرِیْ (عدّة الدّاعی)

میں ان تمام امیدواروں کی امید کے رشتوں کو کاٹ دوں گا جو دوسروں کے باندھے ہوئے ہیں۔

منعم کا شکر ادا کرنا

جن کو یقین ہو کہ عالمِ امکان کا مؤثر خدا ہے تو نعمت دینے والے کا شکر ادا کرنا چاہیئے چونکہ تمام خیرات اُسی کے ہاتھ میں ہے وہ ہر چیز کو جتنا چاہے خیر وبرکت ورحمت دیتا ہے اسی لیے علم ویقین کے ساتھ کہتے ہیں ''الحمدللہ'' یعنی تمام تعریفیں اللہ کے ہی کے لیے مخصوص ہیں۔

شکر و ثنائی وسائط (ذرائع) بھی لازم ھے

اگر کسی کے ذریعے خیر ورزق مل رہا ہے تو اس کی مدح اور شکر ادا کرنا لازم ہے لیکن اس نظر سے اس کا شکر وتعریف کرنا جائز نہیں کہ وہ مستقلاً مصدر خیر ورحمت ہے بلکہ اس لحاظ سے سزاوار ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے خیر ورحمت پہنچانے کا وسیلہ قرار دیا ہے اور پروردگارِ عالم کے حکم سے وہ فراہم کرتا ہے اس لیے اگر کسی کے توسط سے خیر ملے تو اس کا شکریہ ادا کرے جیسا کہ معصوم کی طرف سے تاکید ہے

مَنْ لَمْ یَشْکُرِ الْمَخْلُوْقَ لَمْ یَشْکُرِ الخالِقَ (بحارالانوار جلد۱۵)

جس نے (منعمِ مجازی یعنی) مخلوق کا شکریہ ادا نہیں کیا گویا وہ اپنے خالق (منعمِ حقیقی) کا شکر بجا نہیں لایا۔

اَشْکَرُ کُمْ لِلّٰهِ اَشْکَرُ کُمْ لِلنَّاسِ (سفینۃ البحار جلدا صفحہ۷۰۹)

تمہارے درمیان سب سے زیادہ اللہ کا شکر گذار وہی ہوتا ہے جو سب سے زیادہ لوگوں کا ممنون ہو۔

اس میں شک نہیں کہ اگر کسی نے مخلوقِ خدا کو مستقل طور پر خیر پہنچانے والا سمجھا تو شرک میں مبتلا ہوا۔

مخلوق کی مدح میں پوشیدہ شرک

حضرت امام جعفر صادق - سے تفسیر آیہ مبارکہ

وَمَایُؤْمِنُ اَکْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا هُمْ مُشْرِکُوْنَ. (سورۂ۱۲۔آیت۱۰۶)

اور اکثر لوگوں کی یہ حالت ہے کہ وہ خدا پر ایمان نہیں لاتے مگر شرک کیے جاتے ہیں۔

شرک کے بارے میں فرمایا کہ شرک کی اقسام میں سے ایک یہ ہے

مِنْ ذٰلِکَ قَوْلُ الرَّجُلِ لَوْلَافُلَانٌ لَهَلَکْتُ وَلَوْلَافُلَانٌ لَاَصَبْتُ کذاوَکذاوَلَوفُلَانٌ لَضَاعَ عَیَالِی وَلَا بَاْسَ بِاَنْ یَقُوْلَ لَوْلَا اَمَّنَ اللّٰهُ عَلَیَّ بِفُلَانٍ لَهَلَکْتُ. (بحارالانوار)

کہ کوئی شخص کہے جائے اگر فلاں آدمی نہ ہوتا تو میں ہلاکت میں پڑتا۔ اگر فلاں شخص نہ ہوتا تو فلاں چیز مجھے مل جاتی اور اس طرح کہا جائے اگر فلاں نہ ہوتے تو میرے بال بچّے تلف ہو جاتے اس قسم کی عبارتیں اس بات کی دلیل ہیں کہ بولنے والے کے عقائد بھی ایسے ہیں۔ اگر حقیقت میں ایسا اعتقاد رکھتا ہے تو وہ مشرک ہے اس کے بعد آنحضرتؐ نے فرمایا اگر کوئی یوں کہے: خداوند عالم نے فلاں آدمی کے ذریعے مجھ پر احسان نہ کیا ہوتا تو میں ہلاکت میں پڑتا تو اس صورت میں کوئی حرج نہیں بلکہ یہ عین توحید ہے۔

حضرت امام صادق - اور سائل شکور

مسمع بن عبدالملک سے روایت ہے کہ حضرت امام جعفر صادق - منیٰ میں تشریف رکھتے تھے کہ ایک سائل خدمت میں حاضر ہو۔آپ نے کسی کو حکم دیا کہ اسے انگور کا ایک خوشہ دیا جائے۔سائل نے عرض کیا مجھے اس کی ضرورت نہیں۔اگر پیسہ ہے تو دیا جائے۔پس آنحضرت نے فرمایا:''اللہ تجھے وسعت دے''۔مگر کچھ دیا نہیں۔اس کے دوسرا سائل خدمت میں حاضر ہوا۔آنجناب نے تین دانہ انگور دست مبارک سے اٹھا کر اسے مرحمت فرمایا۔سائل نے اٹھا لیا اور کہا:

الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ الَّذِیْ رَزَقَنِیْ

''ساری حمد وثنا تمام عالم کے پوردگار کے لیے ہے جس نے مجھے روزی عطا کی۔

فرمایا:ٹھہر جاؤ!دونوں دست مبارک ہتھیلیوں تک انگور کے دانوں سے پُر کر کے دومرتبہ اور دیا۔سائل دوبارہ شکر خدا بجالایا۔آنخضرت - نے پھر فرمایا:ذرا اور ٹھہر جا۔جب وہ کھڑا رہا تو آپ نے اپنے غلام سے دریافت فرمایا تیرے پاس کتنے پیسے موجود ہیں؟عرض کیا تقریباً بیس درہم۔آپ نے سائل کو دے دیئے۔اس نے اُٹھا کر کہا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ھٰذا مَنُّکَ وَحْدَکَ لَاشَرِیْکَ لَکَ

''ساری تعریفیں تمام عالم کے پوردگار کے لیے مخصوص ہیں۔خدایا،یہ روزی تیری طرف سے ہے۔تو یکتا ہے۔تیرا کوئی شریک نہیں۔''

چوتھی مرتبہ فرمایا:ابھی ٹھہر جاؤ۔اپنی قمیض اتار کو اُسے دی اور فرمایا:اسے پہن لو۔سائل نے اُسے پہن لیا اور اس خدا کا شکر ادا کیا جس نے اُسے لباس دیا اور خوش وخرم کیا۔اس وقت سائل نے حضرت کی طرف متوجہ ہو کر کہا:اے بندۂ خدا اللہ تعالیٰ تجھے اچھا صلہ عطا کرے اور روانہ ہو گیا۔

مسمع راوی کہتا ہے اگر سائل امام - کی طرف متوجہ نہ ہوتا اور صرف خدا کی حمد بجالاتا تو آپ مزید عطیہ کا سلسلہ جاری رکھتے۔

توحید اور توکل

یاد رکھیئے!تمام اسباب سبب پیدا کرنے والے (مسبب) کے ہاتھ میں ہوتے ہیں۔اس لئے موحد(یکتا پرست) کو چاہیئے کہ اپنے سارے امور میں خواہ وہ منفعت حاصل کرنے سے تعلّق رکھتے ہوں یا ان کا ضرر ونقصان دور کرنے کا واسطہ ہو۔ہر حالت میں اس کی امیدیں فقط اپنے پروردگار سے وابستہ ہونی چاہئیں۔اسے جاننا چاہیئے کہ تمام اسباب ارادۂ خدا کے ماتحت ہیں۔اگر خیر کے تمام اسباب اس کے لیے فراہم ہو جائیں مگر خدا نہ چاہتا ہو تو محال ہے کہ اسے کوئی خیر پہنچ جائے۔اس طرح تمام ظاہری اسباب کے سلسلے اس سے کٹ جائیں اور خدا فراہم کرنا چاہتا ہو تو کسی صورت فراہمی کا سبب پیدا کر دے گا۔

اگر ضرر پہنچانے کے تمام اسباب اکھٹے ہو جائیں لیکن خدا اسے محفوظ رکھنا چاہتا ہو تو کوئی شرا ُسے چھو نہیں سکتا۔

توحید اور تسلیم

موحّد کو چاہیئے کہ تمام مقدرات الٰہیہ کے سامنے بلاچوں وچرا سرِتسلیم خم کر دے اور امور تکوینی مثلاً عزت وذلت،صحت ومرض،غنا وفقر،موت وحیات اور مور تکلیفیہ جیسے واجبات ومحرمات کے امور میں دل وزبان سے کسی قسم کا اعتراض اور انکار ہرگز نہ کرے۔اور ان امور میں اپنی فکر ونظر کا اظہار بھی نہ کرے۔مثلاً ایسا کیوں ہوا؟اس طرح ہونا چاہیئے تھا۔یا ہوں کہیے''بارش کیوں نہیں ہوئی،ہوا اس قدر گرم کیوں ہوئی۔''یا یہ کہنا کہ اللہ نے مجھے مال یا اولاد کیوں نہیں دی۔فلاں جوان کیوں عنفوان جوانی میں مر گیا اور فلاں بوڑھا رہا؟اللہ نے اس چیز کو واجب اور اس کو حرام کیوں قرار دیا۔اس طرح کی باتیں بنانے والا درحقیقت خدا کی الوہیت اور اس کی ربوبیت میں اپنے کو شریک قرار دیتا ہے۔

لَوْ اِنَّ قَوْماً عَبَدُوا اللّٰہَ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَاَقَامُوْا الصَّلوٰۃَ وَاٰتُوا الزَّکوٰۃَ وَحَجُّوْا الْبَیْتَ وَصَامُوْا شَھْرَ رَمَضَانَ ثُمَّ قَالُوْا لِشیءٍ صَنَعَہُ اللّٰہُ وُصَنَعَہُ النَّبِیُّ اِلاَّ صَنَعَ خِلاَفَ الَّذِیْ صَنَعَ اَوْوَجَدُ وَاذٰلِکَ فِیْ قُلُوبِھِمْ لَکَانُوا بذٰلِکَ مُشْرِکِیْنَ، ثُمَّ تَلاَ ھٰذِہِ الْاٰیَۃَ ((فَلاَوَرَبِّکَ لَایؤْمِنُوْنَ حَتّٰیٰ یُحَکِّمُوْکَ فِیْما شَجَرَ بَیْنَھُمْ ثُمَّ لَایَجِدُوْا فِی اَنْفُسِھِمْ حَرَجاً مِمَّا قَضَیْتَ و .یُسَلِّمُوْا تَسْلِیماً.))

ثُمَّ قَالَ اَبو عَبداللّٰہِ (ع): فَعلَیْکُمْ بِالتَّسْلِیْم.

(اصول کافی کتاب الایمان والکفر۔ باب الشرک باللہ حدیث ٦)

''اگر کچھ لوگ یکتا خدا کی، جس کا کوئی شریک نہیں، عبادت کریں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ بھی دیں اور خانہ خدا کا حج بھی بجالائیں اور ماہ رمضان کا روزہ بھی رکھیں۔ اس کے بعد ان احکام کے متعلق جو اللہ تعالیٰ نے یا پیغمبرِ خدا ﷺ نے فرمائے ہیں اعتراض کریں اور کہیں: ایسا کیوں نہیں کیا؟ یا دل میں تصور کریں اگر چہ زبان سے اقرار نہ بھی کریں پھر بھی وہ مشرک ہوں گے۔ اس کے بعد یہ آیت تلاوت فرمائی: پس اے رسول ﷺ تمہارے پروردگار کی قسم یہ لوگ سچے مومن نہ ہوں گے تاوقتیکہ اپنے باہمی جھگڑوں میں تم کو اپنے حاکم (نہ بنائیں) پھر (یہی نہیں بلکہ) جو کچھ تم فیصلہ کرو اس سے کسی طرح دل تنگ بھی نہ ہوں بلکہ خوش خوش اس کو تسلیم کرلیں (اور اعتراض نہ کریں)۔ (سورۂ نسأ، آیت ٦٥) اس کے امام صادق – نے فرمایا تم پر لازم ہے کہ تسلیم کرو''۔

مجلسیؒ شرح کافی میں فرماتے ہیں کہ یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ جو کچھ خدا کرتا ہے اس سے ناراضگی کا اظہار کرنا اور جو کچھ آئمہ اطہار ؑ سے صادر ہو اس کو تسلیم نہ کرنا شرک ہے۔

بنابرایں جب اہل توحید مصیبت و بلا میں گرفتار ہوجائیں تو اپنی زبان اور دل کو قضائے الٰہی کے بارے میں اعتراض کرنے سے روکنا واجب ہے۔ البتہ عزیزوں اور دوستوں کی موت پر گریہ وفریاد کرنا جائز ہے بلکہ پسندیدہ ہے۔ لیکن اعتراض کے طور پر کہنا: یہ کیوں ہوا؟ ایسا نہیں ہونا چاہیئے تھا، سراسر حرام ہے۔

توحید اور محبت

خدائے واحد کے پرستار کو یقین کے ساتھ جاننا چاہیئے کہ پروردگار عالم خود اس کا اور سارے موجودات کا حقیقی منعم ہے۔ اور جو جو چیزیں جہاں سے اور جس سے اس کو ملتی ہیں خدا ہی کا فضل و کرم ہیں۔ اور ظاہری اسباب و علل بھی اللہ تعالیٰ کے دستِ قدرت میں ہیں۔ پس دلی محبت اور دوستی کی سزاوار بھی اس کی ذات ہے۔ سوائے ذات خدا کے اور کسی سے بلاواسطہ دوستی نہیں رکھنی چاہیئے۔ ہاں اگر کسی سے دوستی کا رشتہ باندھنا منظور ہو تو اس لحاظ سے کہ وہ شخص ''محبوبِ خدا'' ہے۔ اور بس...... حب محبوب خدا حبِ خدا است۔ چونکہ اس کی دوستی عین محبت خدا اور حکم خدا ہے جیسا کہ انبیأ و آئمہ ؑ اور مومنین سے محبت کرنا۔

یا اس لیے کسی نعمت الٰہی سے قلبی ملاپ پیدا کرنا کہ یہ عطیۂ پروردگار ہے تاکہ اس کے حصول سے وہ شکرِ خدا بجالائے جس سے قرب الٰہی اور اس کی خوشنودی بھی حاصل کرسکتا ہے۔ مثلاً اہل وعیال اور مال وحیات دنیوی سے محبت کرنا عبادت پروردگار ہے۔ اس کے برعکس خوشنودی خدا کو نظرانداز کرکے براہ راست ان سے یا کسی چیز سے محبت کرے تو فرد شرک میں مبتلا ہوتا ہے۔ اگر غیر خدا کی دوستی زیادہ شدّت سے ہو اور خدا کی محبت نسبتاً کم ہو، یہاں تک کہ دونوں محبتوں کے تصادم کی صورت میں غیر خدا کی دوستی کو ترجیح دیتا ہو تو شرک کے علاوہ حرام بھی ہے۔ اس لیے وہ عذاب کا مستحق ہے۔ مثلاً کسی کے دل میں خدا سے زیادہ مال دنیا کی محبت، لہٰذا اس کے لیے ممکن نہیں کہ حکمِ خدا کے مطابق واجبات مالی ادا کرے۔ اس بارے میں بہت سی قرآنی آیتیں اور احادیث وارد ہیں۔ بطور مختصر تین روایتیں نقل کی جاتی ہیں:

(١) سُئِلَ اَبُو عَبدِاللّٰہِ عَنْ قَولِہٖ تَعَالٰی اِلَّا مَنْ اَتَی اللّٰہَ بِقَلْبٍ سَلِیْم فَقَال (ع) اَلقَلْبُ السَّلِیْمُ اَلَّذِیْ یَلقٰی رَبَّہٗ وَلَیْسَ فِیْہِ اَحَدٌ سِوَاہُ، قَال (ع) وَکُلُّ قَلْبٍ فِیْہِ شِرْکٌ اَوْشَکٌّ فَھُوَ سَاقِطٌ (اصول کافی۔ باب الاخلاص)

''کسی نے حضرت ابوعبداللہ امام جعفر صادق – سے اس آیۂ مبارکہ کے معنی دریافت کیے'':

یَوْمَ لَا یَنْفَعُ مَالٌ وَّلَابَنُوْنَ اِلَّا مَنْ اَتَی اللّٰہَ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ.

''قیامت کے دن مال واولاد فائدہ نہیں دیں گے مگر یہ کہ خدا کے حضور قلب سلیم لے کر حاضر ہو۔ آپ – نے فرمایا: سالم دل وہ ہے کہ جب اللہ سے ملاقات کرے تو اس کے سوا اور دوسرے کی محبت اس میں نہ پائے۔ ہر وہ دل جس میں شرک اور شک ہو وہ ساقط یعنی ہلاکت کے قابل ہے۔''

(٢) قَالَ اَبُو عَبْدِاللّٰہِ عَلَیْہِ السَّلَامُ لَایُمحِّضُ رَجُلٌ اَلاِیْمَانَ بِاللّٰہِ حَتّٰی یَکُوْنَ اللّٰہُ اَحَبَّ اَلَیْہِ من نَّفْسِہٖ وَاَبِیْہِ وَاُمِّہٖ وَوُلْدِہٖ وَاَھْلِہٖ وَمَالِہٖ وَمِنَ النَّاسِ کُلِّھِمْ

(سفینۃ البحار جلد ١. ص ٢٠١)

''حضرت امام جعفر صادق – نے فرمایا: کسی شخص کا ایمان بخدا خالص نہیں ہوسکتا یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنے نفس، عزیز، ماں باپ،

اولاد، بیوی اور تمام لوگوں یا مال سے زیادہ محبت کرے''۔

(۳) ''حضرت سلیمان علیٰ نبینا - کے دورِ حکومت میں ایک چڑے نے اپنی مادہ سے کہا: اری تو مجھے جفت ہونے سے کیوں روکتی ہے؟ میں اس قدر طاقت رکھتا ہوں کہ اگر چاہوں تو حضرت سلیمان کے گنبد کو اپنی چونچ سے اُٹھا کر دریا میں پھینک دوں۔

جب ہونے چڑے کی بات کو حضرت سلیمان - کے کانوں تک پہنچایا تو وہ مسکرائے اور دونوں کو دربار میں بلوایا اور پوچھا کہ زبانی دعویٰ جو تم کر رہے ہو، وہ عملی طور پر کر کے دکھا سکتے ہو؟ عرض کیا: ہرگز نہیں، لیکن باتوں سے میں اپنی شخصیت کو بیوی کے سامنے سنوار کر پیش کر کے اپنی بزرگی کا اظہار کرنا چاہتا تھا تا کہ وہ مرعوب ہو جائے۔ اور عاشق و معشوق کے درمیان ہونے والی باتوں پر ملامت نہیں ہونی چاہیئے۔ حضرت سلیمان - نے مادہ چڑیا سے فرمایا تم کیوں اس سے روگردانی اور بے اعتنائی کر رہی ہو۔ جبکہ وہ تم سے محبت کا دعویٰ کر رہا ہے۔ مادّہ نے عرض کی: یا رسول اللہ وہ جھوٹا دعویٰ کر رہا ہے۔ وہ میرا دوست نہیں چونکہ اس کی محبت دوسرے کے ساتھ ہے۔ پس حضرت سلیمان - کا دل ان باتوں سے متاثر ہوا اور وہ بہت رونے لگے۔ اور چالیس دن تک اپنے عبادت خانے سے باہر نہیں نکلے۔ اور دعا کی کہ خداوند عالم چڑے کے دل کو اپنے جوڑے کے علاوہ دوسرے کی محبت سے پاک کر دے۔

(سفینۃ البحار، جلد۲، صفحہ ۲۰۰)

چوتھا مقام

اطاعت میں توحید اور شرک

مومن جبکہ یقین کے ساتھ جانتا ہو کہ پیدا کرنے والا اور رزق دینے والا اور مدبّر و مربی اپنا اور ساری مخلوقات کا صرف ایک ہے۔ اس کی الوہیّت اور ربوبیّت میں کوئی شریک نہیں۔ تو عقل اور ایمان کی رو سے خدائے واحد کے علاوہ اور کسی کی فرمانبرداری نہیں کرتا اور نہ حاکم تسلیم کرتا ہے اور فقط اسی کو لازم الاطاعت جانتا ہے اور اپنے علاوہ دوسرے موجودات بھی اس کی قدرت و قوّت کے مقابل عاجز و ضعیف ہیں اور کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔ تمام مخلوقات اپنی ذات کے لیے نفع حاصل کرنے پر قادر ہیں۔ نہ ضرر کا دفاع کر سکتی ہیں اور نہ موت و حیات اور حشر و نشر کا اختیار۔

لَایَمْلِکُوْنَ لِاَنْفُسِھِمْ نَفْعاً وَّلَا ضَرّاً وَّلَا مَوْتاً وَّلَاحَیَاتاً وَّلَا نُشُوراً.

کیونکہ ولایت یعنی مطلق سرپرستی و اختیار کل اللہ ہی کیلئے مخصوص ہے۔ البتہ اگر خدا خود کسی کو ولایت پر متعین کرے اور مخلوق خدا کے امور کا مرجع و مرکز قرار دے تو اس صورت میں وہ بھی لازماً واجب الاطاعت ہوگا کیونکہ وہ منصوب من اللہ ہے۔

اللہ کے پسندیدہ احکام

ولایت الٰہیہ کا سلسلہ انبیاءِ کرام، ائمہ ہدیٰ ؑ کے علاوہ زمانۂ غیبتِ صغریٰ میں نواب خاصہ اور غیبتِ کبریٰ کے زمانے میں نواب عامّہ پر منحصر ہوتا ہے۔ جن کے بارے میں قرآنِ میں ہے:

مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ (سورہ ۴. آیت ۲۸)

''جس نے رسول کی فرمانبرداری کی حقیقت میں اس نے اللہ کی فرمانبرداری کی۔''

اور ارشاد ہے:

مَا اٰتَاکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَا نَھَا کُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا.

(سورہ ۵۹۔ آیت ۷)

''جو تم کو رسول امر کریں اُسے لے لیا کرو اور جس سے منع کریں اس سے باز رہو۔''

مزید ارشاد ہوتا ہے:

یاَ یُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا اَطِیعُوْااللّٰہِ وَاَطِیْعُوالرَّسولَ وَاُوْلِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ (سورہ ۴. آیت ۶۲)

''اے صاحبانِ ایمان! خدا کی اطاعت کرو اور رسول کی اور تم میں سے جو صاحبان امر ہیں، ان کی اطاعت کرو۔''

اولی الامر کون ہیں؟

صاحبان امر کے بارے میں اہل سنّت والجماعت کے کئی اقوال ہیں۔ کہتے ہیں اس سے مراد حکام ہیں۔ یہ قول علم وحجّت اور دلیل سے خالی ہے۔ اگر حاکم ہو اور عدالت نہ ہو۔ اور حکمِ خدا کو جاننے میں سب سے زیادہ ماہر نہ ہو، خواہشات نفسانی کا مخالف نہ ہو، اپنے آقا کا مطیع نہ ہو وغیرہ وغیرہ تو اجتماعِ ضدین یا نقیض لازم آتے ہیں۔ دیگر باتیں ہمارے موضوع بحث سے خارج ہیں۔ جیسا کہ عمر بن خطاب کا قول ہے:

مُتْعَتَانِ مُحلَّلتَانِ فِیْ عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَاَنَا اُحَرِّمُهُمَا.

''دو متعہ (متعۂ حج اور متعۂ نساء) رسول خدا کے زمانے میں حلال تھے اور میں نے دونوں کو حرام قرار دیا۔''

پس جو کوئی ان کو اولی الامر جانتا ہے اسے چاہیئے کہ پیغمبر خدا کے حکم کے مطابق متعہ کو حلال جانے جیسا کہ خود اس نے اعتراف کیا۔ اور حرام بھی جان لیں جیسا کہ اس نے حکم دے دیا۔ جب موضوع ایک ہی اور اس کے متعلق دو مختلف حکم صادر ہوتے ہیں تو اجتماعِ ضدین یا نقیض لازم آتا ہے۔

حب علیؑ حکم پیغمبرؐ سے ہونی چاہیئے یا معاویہ کی نسبت سے؟

مثلاً معاویہ علی - کے ساتھ جنگ کرنا واجب جانتا تھا جبکہ حضرت رسول خدا ﷺ نے حرام قرار دیا تھا۔ جیسا کہ فرمایا: علی - سے لڑنا میرے ساتھ لڑنا ہے۔ اور معاویہ علی - سے بغض رکھنے کا حکم دیتا تھا جب کہ پیغمبر اکرم ﷺ نے اُن کی دوستی واجب اور اللہ تعالیٰ نے حضرت علی - اور آلِ علی - کی مودت کو اجرِ رسالت قرار دیا ہے۔ چنانچہ اس بارے میں قرآن شاہد ہے:

قُلْ لَا اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْراً اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِیْ الْقُرْبٰی (سورہ ۴۲. آیت ۲۲)

''(اے رسول ﷺ) تم کہہ دو کہ میں اس (تبلیغ رسالت) کا اپنے قرابت داروں (اہل بیتؑ) کی محبت کے سوا تم سے کوئی صلہ نہیں مانگتا۔''

اس صورت میں خدا اور رسول ﷺ کی اطاعت کا لازمی نتیجہ محبت حضرت علیؑ اور ان سے صلح وصفائی ہے اور معاویہ کو اولی الامر تسلیم کرنا حضرت علی - سے بغض رکھنے اور جنگ کرنے کے مترادف ہے۔ (اس صورت میں بھی اجتماع نقیض یا ضدین لازم آتا ہے۔)

اولی الامر ایک گروہ کے لیے مخصوص نہیں

اولی الامر کا منصب صرف امراء وحکام ہی کے لیے مخصوص سمجھنا آیۂ مذکورہ کے خلاف ہے کیونکہ خدائے تعالیٰ نے اولی الامر کی اطاعت کو اپنی اور اپنے رسول کی اطاعت کے بعد ذکر فرمایا یعنی اولی الامر کی اطاعت عین اطاعتِ رسولِ خدا ﷺ ہے۔ اسی لیے اَطیعوا اُولی الامر منکم نہیں فرمایا، بلکہ تیسری مرتبہ اطیعوا کی تکرار کرنے کی بجائے واو عطف استعمال کیا گیا ہے۔ بایں معنی کہ اطاعت اولی الامر عین اطاعتِ رسول ﷺ ہے۔ دونوں ایک ہیں۔ ان کے درمیان کوئی فرق نہیں۔ حضرت رسول اعظم ﷺ کے اوامر کی اطاعت سارے مکلّفین کے لیے عام ہے، کسی کے لیے مخصوص نہیں۔ اسی طرح تمام اوامر میں اولی الامر کی اطاعت بھی واجب ہے۔ عقلاء کی نظر میں یہ درست نہیں بلکہ اولی الامر خود رسول کی طرح ہے اور ہر قسم کے سہو وخطا سے پاک ومعصوم ہے تاکہ مکمل اطمینان سے ان کی پیروی اور اطاعت کر سکیں۔

کیا اولی الامر سے مراد علماء ہیں

مذکورہ مطالب سے بعض علمائے عامّہ کے قول کا بطلان واضح ہوتا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ اولی الامر سے مراد علماء ہیں۔ حالانکہ علماء معصوم نہیں ہوتے۔ سب جائز الخطا ہیں۔ یہی وجہ ہے علماء کے اقوال اور ان کی آرا ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ یہ بھی قابلِ ذکر ہے کہ عصمت باطنی امر ہے اور لوگوں کی نظر سے پوشیدہ ہے۔ اس لیے اولی الامر کا تعین وانتخاب خدائے عالم الغیب اور اس کے پیغمبر ﷺ (ہی) کی جانب سے ہونا چاہیئے۔

بارہ امام اولی الامر ہیں

بہت سی شیعہ اور سنی کتب کی معتبر روایات موجود ہیں۔ جن میں اولی الامر تعین کر کے ''آئمۂ اثنا عشر'' میں منحصر کیے گئے ہیں۔ ان میں سے ایک مشہور روایت حوالے کے طور پر یہاں ذکر ہوتی ہے جو کہ خاص وعام دونوں کے نزدیک ''متواتر'' ہے۔

پیغمبرؐ اولی الامر کا بیان فرماتے ہیں

جناب جابر ابن عبداللہ انصاری سے یہ روایت منقول ہے۔ انہوں نے کہا کہ میں نے آنحضرت ﷺ سے پوچھا کہ میں خدائے تعالیٰ اور رسول خدا ﷺ کو جانتا ہوں مگر اولی الامر کو نہیں جانتا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: اے جابر! اولی الامر میرے بعد میرے خلفاء اور مسلمانوں کے آئمہ ہیں۔ ان میں سے پہلے علی ابن ابی طالب - ہیں۔ ان کے بعد حسن -، ان کے بعد حسین -، ان کے بعد ان کے فرزند علی بن الحسین -، ان کے بعد محمد بن علی

-،جن کا لقب توریت میں باقر ہے۔تمہاری ان سے ملاقات ہوگی تو ان کو میرا اسلام کہنا،ان کے بعد جعفر -،ان کے بعد موسیٰ -،ان کے بعد علی -،ان کے بعد محمد -،ان کے بعد علی -،ان کے بعد حسن -،جب حجت ابن الحسن -کا نام لیا تو فرمایا،وہ میرا اہم نام ہوگا اوراس کی کنیت میری کنیت ہوگی۔وہ اللہ کی طرف سے اس کے بندوں پر حجت اور بقیۃ اللہ ہوگا۔اللہ تعالیٰ اُسے مشرق اور مغرب کا فاتح قرار دے گا۔وہ اپنے پیروؤں کے درمیان سے اس طرح غائب ہوں گے کہ غیبت کا زمانہ طولانی ہونے کی بنأ پر لوگ ان کے وجود کی تصدیق نہیں کریں گے،مگر ایسے مومن کہ جن کا دل اللہ تعالیٰ نے آزمایا ہو۔

جابر کہتے ہیں،میں نے عرض کیا:یارسول اللہ!کیا شیعوں کو ان کی غیبت سے فائدہ ہوگا۔

فرمایا:جی ہاں۔لوگ اس طرح فیض یاب ہوں گے جس طرح بادل کے پردے میں موجود سورج کی روشنی سے موجودات عالم بہرہ مند ہوتے ہیں۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل بیت اطہار ؑ کی اطاعت بھی عین اطاعت خدا ہے(منقول از تفسیر منہج الصادقین)۔اس کے علاوہ مزید معلومات کے خواہشمند کتاب غایۃ المرام کی طرف رجوع کریں۔اس کتاب کے باب ۵۹ میں اہل سنت کی چار حدیث اور چودہ شیعہ احادیث نقل کی ہیں۔اسی کتاب کے ایک سو چالیسویں باب امامت میں چار اہل سنت کی احادیث اور ۲۷ شیعہ احادیث منقول ہیں۔

عادل مجتھد کی اطاعت

اب ہم کہہ سکتے ہیں کہ غیبت امام -کے زمانے میں جامع الشرائط فقیہہ کی اطاعت بھی واجب ہے۔اسکی اطاعت عین اطاعت امامؑ ہے۔کیونکہ وہ امام کی جانب سے منصوب ہے۔چنانچہ توقیع حضرت حجت عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف میں لکھا ہوا ہے۔

اُنْظُرُوْا اِلٰی مَنْ کَانَ مِنْکُمْ قَدْ رَوٰی حَدِیْثَنَا وَنَظَرَ فِیْ حَلَالِنَا وَحَرَامِنَا وَعَرَفَ اَحکَامَنَا فَارْضُوْابِهٖ حَکَماًفَاِنّی قَدْ جَعَلْتُهُ عَلَیْکُمْ حَاکِماً فَاِذا حَکَمَ بِحُکْمِنَا فَلَمْ یَقْبَلْ مِنْهُ فَاِنَّمَا بِحُکْمِ اللّٰهِ اسْتَخَفَّ وَعَلَیْنَا رَدَّ. وَالرَّادُّ عَلَیْنَا کَالرَّادِّ عَلَی اللّٰهِ وَهُوَ عَلٰی حَدِّالشِّرکِ بِاللّٰهِ (کتاب کافی)

فکرونظر سے اس شخص کی طرف دیکھو جو تم میں سے (اثناعشری شیعہ اور اہل بیت ؑ کی پیروی کرنے والا ہو)جو ہماری احادیث کو روایت ہے اور ہمارے حلال وحرام دیکھتا ہے۔اور ہمارے احکام کو وہ جانتا ہے۔پس تم اسکے حکم پر راضی ہوجاؤ۔بےشک اس شخص کو میں تمہارا حاکم قرار دیتا ہوں۔جب وہ ہمارے احکام کے بارے میں حکم صادر کرے تو اسے قبول نہ کرنیوالا یقیناً حکم خدا کا استخفاف کرتا ہے۔اور ہلکا شمار کر کے اسکی تردید وانکار کرتا ہے۔ہمارے احکام سے روگردانی شرک باللہ کی حد ہے۔

آزاد فقیه پیروی کے قابل ھے

فقیہ کے لیے شرط ہے کہ وہ دنیا کا لالچی نہ ہو۔دنیوی شہرت وجاہ وجلال کا طالب نہ ہو۔اس کے دل میں باطل تعصب نہ ہو۔اس قسم کی صفات سے متصف فقیہ کی پیروی کرنی چاہیے اگرچہ کوئی دوسرا اس سے زیادہ پرہیزگار بھی موجود ہو۔چنانچہ اسی مضمون کی ایک حدیث عالم ربانی شیخ انصاری علیہ الرحمتہ نے کتاب احتجاج میں خبر واحد حجت ہونے کے بارے میں حضرت امام حسن عسکری -سے نقل کی ہے جس کی عبارت یہ ہے:

مَنْ کانَ مِنَ الْفُقَهَاءِ صَائِناً لِّنَفْسِهِ حَافِظاً لِّدِیْنِهِ مُخَالِفاً لِّهَوَاهُ مُطِیْعاً لِاّ مْرِ مَوْلَاهُ. فَلِلْعَوامِ اَنْ یُّقَلِّدُوْهُ

فقہاء میں سے کوئی فقیہ ہونے کے علاوہ اپنے نفس کا نگران دین کا محافظ،خواہشات نفسانی کا مخالف اور ہر لحاظ سے اپنے مولا کا مطیع ہو تو ایسی صورت میں عوام کو اس کی پیروی کرنی چاہیئے۔اس کی اطاعت امام -کی فرمانبرداری کے مانند واجب ہے۔

والدین کی اطاعت بھی اطاعت خدا ھے

والدین کی اطاعت ان لوگوں کے مانند ہے جن کی فرماں برداری عین اطاعتِ خدا ہے۔اس لئے قرآن مجید میں ان کو تکلیف پہنچانا حرام قرار دیا۔اللہ تعالیٰ نے اپنی اطاعت کا ذکر کرنے کے بعد بلا فاصلہ والدین سے احسان کرنے کا حکم فرمایا ہے:

وَقَضٰی رَبُّکَ اَلَّا تَعْبُدُوْا اِلَّا اِیَّاهُ وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَاناً اِمَّا یَبْلُغَنَّ عِنْدَکَ الْکِبَرُ اَحَدُهُما اَوْکِلَاهُمَا فَلا تَقُلْ لَّهُمَا اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْ هُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلاً کَرِیْماً. وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَبِّ ارْحَمْهُمَا کَمَا رَبَّیَانِی صَغِیْراً (سورہ۱۷. آیت ۲۳. ۲۴)

اور تمہارے پروردگار نے حکم دیا کہ سوائے اس کے کسی دوسرے کی عبادت نہ کرنا اور ماں باپ سے نیکی کرنا۔اگر ان میں سے ایک یا دونوں تیرے

سامنے بڑھاپے کو پہنچیں (اور تیری خدمت کے محتاج ہو جائیں) تو خبردار ان کے جواب میں اف تک نہ کہنا (یعنی نفرت اور ناراضگی کا اظہار نہ کرنا) اور نہ جھڑکنا اور (جو کچھ کہنا سننا ہو) تو بہت ادب سے کہا کرو۔ اور ان کے سامنے نیاز و ادب اور خاکساری کا پہلو جھکائے رکھنا اور (ان کے حق میں) دعا کرو کہ اے میرے پالنے والے جس طرح ان دونوں نے بچپن میں میری پرورش کی ہے اسی طرح تو بھی ان پر رحم فرما۔

والدین واجب سے منع اور حرام کا امر نہیں کر سکتے

ضمناً یہ بھی جاننا ضروری ہے کہ تمام اوامر و نواہی میں مطلق طور پر والدین واجب الاطاعت نہیں ہیں بلکہ ان کی اطاعت مشروط ہے، کہ وہ کسی حرام کا امر نہ کریں اور نہ واجب قطعی کی انجام دہی سے منع کریں۔ اس صورت میں خدا اور رسولؐ کی اطاعت مقدم ہے۔ چونکہ قرآن میں اس کے متعلق واضح بیان موجود ہے:

وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْناً ط وَإِنْ جَاهَدَاكَ لِتُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا (سورہ ۲۹ آیت ۷)

ہم نے انسان کو اپنے ماں باپ سے اچھا برتاؤ کرنے کا حکم دیا ہے اور (یہ بھی کہا ہے) کہ اگر تجھے تیرے ماں باپ اس بات پر مجبور کریں کہ ایسی چیز کو میرا شریک بنا کہ جن (کے شریک ہونے کا) تجھے علم تک نہیں تو والدین کی اطاعت نہ کرنا۔

ماں باپ کی اطاعت کا وجوب اس قدر مسلم ہے کہ اولاد کی نافرمانی اور مخالفت سے والدین کی ناراضگی اور تکلیف کا سبب نہ بن جائے۔ کیونکہ ان کو تکلیف دینا از روئے قرآن حرام ہے۔ اس لیے اگر ماں باپ کسی کام کی انجام دہی کا حکم دیں یا منع کریں مگر بچے ان کی مرضی کے خلاف کام کریں تو لازمی طور پر ناراض ہوں گے اور انھیں تکلیف پہنچے گی۔ اس صورت میں ان کی اطاعت واجب ہے اور مخالفت حرام۔

والدین کی مخالفت میں اذیت کی تفصیل

لیکن اس صورت میں جبکہ ماں باپ کسی چیز کا حکم دیتے ہیں یا ممانعت کرتے ہیں مگر اولاد کی عدم تعمیل سے ان کو تکلیف نہیں ہوتی نہ ناراض ہوتے ہیں۔ کیونکہ ان کی نظر میں وہ چیز اتنی اہم نہیں۔ اس صورت میں مخالفت حرام نہیں۔ مثلاً والدین اپنے فرزند کو سفر پر جانے سے روکتے ہیں لیکن وہ پھر بھی وہ سفر پر جائے تو ناراض نہیں ہوتے اس لیے سفر مباح ہے۔ اس کے برخلاف اس کی مسافرت ماں باپ کیلئے اذیت کا سبب بنتی ہو تو یہ سفر معصیت ہے۔ نماز پوری پڑھی جائے اور روزہ بھی رکھنا چاہئے۔

شوہر سے بیوی کی اطاعت

جن افراد کی اطاعت بجالانا خدا اور رسولؐ کی اطاعت کے برابر سمجھا جاتا ہے ان میں سے ایک شوہر کے حق میں بیوی کی اطاعت ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

الرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَبِمَا اَنْفَقُوْا من اَمْوَالِهِمْ ط فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حَافِظَاتٌ لِلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ ط

مردوں کو عورتوں کے امور میں قیام اور سرپرستی (کا حق) ہے۔ کیونکہ خدا نے بعض آدمیوں (مرد) کو بعض آدمیوں (عورت) پر فضیلت دی ہے۔ (اس کے علاوہ) مرد (عورتوں) پر اپنا مال خرچ کرتے ہیں۔ پس خوش نصیب بیبیاں تو (شوہروں کی) تابعداری کرتی ہیں۔ اور ان کے پس پشت جس طرح خدا نے حفاظت کا حکم دیا ہے (ہر چیز کی) حفاظت کرتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے مردوں کو عورتوں پر فضیلت دی اور ان کا قیم (نگران و سرپرست) اس لئے بنایا کہ عورتوں کی نسبت مردوں کو اپنے فضل و کرم سے بہت کچھ عطا فرمایا ہے۔ جیسے عقل کی زیادتی، حسن تدبیر، جسمانی قوت اور سوچ سمجھ وغیرہ وغیرہ۔ اس کے علاوہ ان چیزوں کی وجہ سے جو عورتوں کو خوراک و پوشاک و قیام اور مہر وغیرہ بھی دیتے ہیں۔ پس صالحہ عورتیں شوہروں کے حقوق کی ادائیگی کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے والی ہوتی ہیں اور شوہر کی غیر حاضری میں اپنی عفت و عصمت اور شوہر کے اموال اور غیر مرد سے) اپنے آپ کو محفوظ رکھتی ہیں۔

اس کے علاوہ حضرت رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

لَوْ اَمَرْتُ اَحَداً اَنْ يَسْجُدَ لِاَحَدٍ لَاَمَرْتُ الْمَرْاَةَ اَنْ تَسْجُدَ لِزَوْجِهَا (وسائل الشیعہ کتاب نکاح باب ۱۸۱)

''یہ جائز نہیں کہ بشر ایک دوسرے کو سجدہ کریں۔ اگر جائز ہوتا تو میں سب سے پہلے بیوی کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے۔''

میاں بیوی کے امور میں تمکین واجب ھے

شوہر کی اطاعت بیوی پر لازم ہونے کے بارے میں بہت سی روایتیں ملتی ہیں لیکن خواتین کے لیے قابل توجّہ بات یہ ہے کہ تمام امور میں شوہر کی خوشنودی حاصل کرنا مستحب اور ان کے لیے بہترین عبادت ہے۔ لیکن تمکین یعنی ہم بستری کے بارے میں شوہر کی اطاعت کرنا فقہا کے نزدیک مسلّم واجب ہے اور گھر سے باہر جانے کے لیے بھی شوہر سے اجازت لینا واجب ہے۔ اگر چہ ماں باپ سے ملاقات یا ان کی عیادت کے لیے جانا ہو۔ اگر خاوند کی اجازت کے بغیر گھر سے باہر جائے تو واپسی تک آسمان وزمین میں رہنے والے فرشتے اور رحمت وغضب کے ملائکہ اس پر لعن کرتے ہیں۔

مستحب اخراجات خاوند کی اجازت سے ھونے چاھیئیں

مستحب اخراجات میں بیوی کا شوہر سے اذن حاصل کرنا ضروری ہے اگر چہ وہ اپنے ذاتی مال ہی سے خرچ کیوں نہ کرے۔ اور بیوی کی نذر اسی شرط پر صحیح ہے کہ شوہر اُسے اجازت دے دے۔ البتہ واجبات مثلاً واجب حج وزکوٰۃ وخمس بلکہ قریبی رشتہ داروں اور ماں باپ سے نیکی کرنے کے بارے میں شوہر سے اذن لینا لازم نہیں بلکہ وہ منع بھی کرے پھر بھی شرعاً کوئی اثر مرتب نہیں ہوتا۔ اگر کوئی عورت اپنے پروردگار کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے اپنے شوہر کی اطاعت بجالائے اگر چہ وہ اعمال مستحب ہوں یا واجب، یقیناً اس نے خداوند عالم اور رسول اکرمؐ کی پیروی کی ہے۔ وہ بہترین عبادت بجالائی ہے۔

ظالم حاکم کی طرف رجوع نھیں کرنا چاھیئے

جبکہ یہ معلوم ہوا کہ فقط خدا کی عبادت واطاعت اور جس کو خدا معین کرے اس کی اطاعت واجب ہے چنانچہ پیغمبر خدا ﷺ اور بارہ اماموں کی اطاعت، نوابین امام اور بعض دوسرے افراد جن کی اطاعت شرع مقدّس کی اور احکام خدا کی تعلیم کے لیے ان کی طرف رجوع کرنا واجب ہے۔

مگر دعوے اور فیصلوں کے لیے حکام جور کی طرف رجوع کرنا اور عدالتوں میں حاضر ہونا یا ان کی درباری حمایت کرنا اسی طرح ناجائز ہے جیسا طاغوتی حکومت سے رجوع کرنا۔ ایسی عدالتوں کے ذریعہ جو کچھ لیتا ہے وہ (سُحت) اور حرام ہے اگر چہ وہ مال اس کا حق کے ساتھ ہو۔ چنانچہ حضرت امام جعفر صادق ؑ نے ارشاد فرمایا ہے۔

مَنْ تَحَاکَمَ اِلَیْھِمْ فِیْ حَقٍ اَوْبَاطِلٍ فَاِنَّمَا تَحَاکَمَ اِلَی الطَّاغُوْتِ وَمَا یَحْکُمُ لَہٗ فَاِنَّمَا یَاخُذُ مُحتاً وَاِنْ کَانَ حقّاً ثَابِتاً لَہٗ (وسائل الشیعہ کتاب قضاء باب ۱۱)

''اگر کوئی حاکم جور کی عدالت میں دعویٰ دائر کرے اگر چہ اس کا دعویٰ حق پر مبنی ہو یا ناحق۔ بے شک اس قسم کے دعوے دار نے طاغوت (سرکش و معبود غیر خدا) کو اپنا قاضی وحاکم قرار دیا ہے۔ اور جو کچھ اس کے حکم سے لیتا ہے خالص سُحت (دین خدا کے خلاف اور حرام) ہے اگر چہ لی ہوئی چیز پر اس کا حق ہونا شرعاً ثابت ہو۔''

بالاضافہ قرآن مجید حاکم جور کی طرف رجوع کرنے سے ممانعت کرتا ہے:

فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیءٍ فَرُدُّوْہُ اِلَی اللّٰہِ وَالرَّسُوْلِ (سورہ ۴۔ آیت ۵۹)

''پس اگر تم کسی بات میں اختلاف کرو تو اس امر میں خدا اور رسول کی طرف رجوع کرو (نہ کہ سرکشوں اور حاکم ظالم کی طرف)۔''

بے عمل عالم پیروی کے قابل نھیں

جس طرح حق بجانب ہوتے ہوئے حاکم جور کی طرف رجوع کرنے کی ممانعت ہے اسی طرح دینی احکام اور شرعی مسئلہ مسائل دریافت کرنے کے لیے مال دنیا اور جاہ وجلال کے طلبگار عالم بے عمل کی طرف رجوع کرنا ممنوع ہے۔ عالم دین کی شرائط کو ''آزاد فقیہہ کی پیروی'' کے عنوان میں پہلے بیان کیا جاچکا ہے۔ اگر کوئی عالم دین یا فقیہہ ان شرائط پر پورا نہیں اترتا تو اس کی پیروی کرنا جائز نہیں۔ ان کی طرف رجوع کرنا ممنوع قرار دیا ہے۔ اس بارے میں صرف دو روایات پیش کی جاتی ہیں۔

دنیا پرست علماء راہ خدا کے لٹیرے ھیں

حضرت امام جعفر صادق ؑ سے روایت ہے کہ:

اِذَارَاَیْتُمُ الْعَالِمَ مُحِباً لِّدُنْیَاہُ فَاتَّھِمُوْہُ عَلٰی دِیْنِکُمْ فَاِنَّ مُحِبَّ کُلِّ شیءٍ یَحُوْطُ بِما اَحَبَّ. وَاَوْحیٰ اللّٰہُ اِلٰی دَاوٗدَ

لَاتَجْعَلْ بَیْنِیْ وَبَیْنَکَ عَالِماً مَفْتُوْناً بِالدُّنْیَا فَیَصُدُّکَ عَنْ طَرِیْقِ مَحَبَتِیْ. فَاِنَّ اُوْلٰئِکَ قُطَّاعُ طَرِیقِ عِبادِیَ الْمُرِیْدِیْنَ اِنَّ اَدْنیٰ مَا اَصْنَعُ بِھِمْ اَنْ اَنْزَعَ حَلاوَۃَ مُنَا جَاتِیْ مِنْ قُلُوْبِھِمْ (اصول کافی)

''جب تم کسی دنیا دوست عالم کو دیکھو تو اس کو دین دار نہ سمجھو۔ بے شک جو شخص جس چیز سے محبت رکھتا ہے اس کی حالت اور طبیعت اپنے محبوب جیسی ہوتی ہے (یعنی جس کسی کو حب دنیا ہے، اسے آخرت سے سروکار نہیں)۔ چنانچہ اللہ تبارک تعالیٰ نے حضرت داؤد علیٰ نبیّنا - پر وحی نازل فرمائی: اے داؤد! میرے اور اپنے درمیان ایسے عالم کو واسطہ قرار نہ دو جو دنیا کی محبت میں مبتلا ہو۔ یہ تم کو میری محبت کے راستے سے روک دے گا (یعنی ایسا عالم تم کو بھی اپنے جیسا دنیا دوست بنائے گا)۔ یقیناً ایسے علماء میری بارگاہ تک آنے والے بندوں کا راستہ کاٹنے والے لُٹیرے ہیں۔ کم سے کم معاملہ جو ان کے ساتھ کرسکتا ہوں وہ یہ ہے کہ میں اپنے ساتھ راز و نیاز کا شوق و شیرینی ان کے دلوں سے چھین لوں گا۔''

صرف اللہ کے لیے فقیہ ہونا چاہیئے

عَن ابی جعفر (ع) مَنْ طَلَبَ الْعِلْمَ لِیُبَاھِیَ بِہِ الْعُلَمَاءَ اَوْیُمَارِسَ بِہِ السُّفَھَآءَ اَوْیَصْرِفَ بِہٖ وُجُوْہَ النَّاسِ اِلَیْہِ فَلْیَتَبَوَّا مَقْعَدَہٗ مِنَ النَّارِ. اِنَّ الرِّیَاسَۃَ لَاتُصْلِحُ اِلَّا لِاَھْلِہٖ (کافی)

''حضرت امام محمد باقر - سے روایت ہے کہ اگر کوئی علماء کے ساتھ فخر کرنے یا بے وقوفوں کے ساتھ جھگڑنے یا ریاست ملحوظ رکھ کر لوگوں کی توجہ اپنی جانب مبذول کرنے کے لیے علم حاصل کرتا ہے تو اس نے اپنے ٹھہرنے کی جگہ کو آگ سے بھر دیا ہے۔ بلاشبہ ریاست (سرداری) الگ چیز ہے۔ وہ اس کے اہل کے لیے سزاوار ہے مگر اہل علم کے لیے نہیں۔''

عوام مقصّر ہیں

درحقیقت وہ تمام افراد جو کہ اہل بیت اطہار ؑ اور ان کی جانب سے معین علمائے ربّانی سے جان بوجھ کر کنارہ کشی اختیار کرتے ہوئے خواہشات نفسانی پورا کرنے کی خاطر دوسروں کی طرف رجوع کرتے ہیں ایسے لوگ ''مقصّر'' (یعنی باوجود قدرت احکام اللہ ترک کرنے والے) ہیں، اور اس آیہ شریفہ کے مصداق ہیں:

اَفَرَاَیْتَ مَنْ اِتَّخَذَ اِلٰھَہٗ ھوٰہُ (سورہ جاثیہ آیہ ۲۳)

''تم نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنی نفسانی خواہش کو معبود بنا رکھا۔''

پانچواں مقام

عبادت میں توحید اور شرک

پروردگار عالم نے اپنے عظیم فضل و کرم کے اظہار کے لیے تمام بندوں کو دعوت عام دی ہے کہ اس کی بارگاہ میں حاضری دیں۔ اس کی رحمت و برکت اور گوناگوں نعمتوں سے بے شمار فیض حاصل کریں اور ایسے بلند درجات پر فائز ہو جائیں جو اس سے پہلے کسی آنکھ نے دیکھے ہوں نہ کسی کے کان کو سننے کی توفیق ہوئی ہو، نہ کسی کے دل کو سوچنے اور تصوّر کرنے کی سعادت ہوئی ہو۔

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا اُخْفِیَ لَھُمْ مِنْ قُرَّۃِ اَعْیُنٍ جَزَاءً بِمَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ

(سورہ ۳۲ آیت ۱۷)

''کوئی نفس یہ جانتا ہی نہیں کہ ان کے اعمال کی جزا میں کیسی کیسی آنکھوں کی ٹھنڈک (اللہ کے نزدیک) ڈھکی چھپی رکھی ہے۔''

بشر خاکی کجا، ربّ العالمین کجا

اس قول کے مطابق مَالِلتُّرابِ وَرَبُّ الاَرْبَابِ (چہ نسبت خاک را با عالم پاک) اللہ پاک کے بندے وسیلے اور آمادگی کے سوا، ذاتی استعداد و قابلیت کے بغیر قرب الٰہی کے وسیع و عریض بساط پر ہرگز قدم نہیں رکھ سکتے (چونکہ بندۂ ناچیز بلا واسطہ اور بلا عمل ''محض'' کی قربت کی خواہش کرنا ناممکن ہے) اس لیے خدائے علیم و حکیم نے اپنی حکمت بالغہ سے حضرت خاتم الانبیاء و آئمہ ہدیٰ ؑ کو بندگان خدا کے لیے وسائل اور ان کے توسط سے عبادات کو ذریعۂ قربت قرار دیا تاکہ ان مضبوط رشتوں کو تھام کر عبد خاکی کے لیے اپنے معبود عالی تک رسائی ممکن ہو جائے۔

وسیلے سے نفس انسانی اس طرح متاثر ہوتا ہے اور جبلّت تبدیل ہو جاتی ہے جس طرح کیمیا چھونے سے تانبے کی طبیعت و صورت بدل کر کھرا سونا بن

جاتی ہے اسی طرح خدا کی عبادت کے نورانی اثرات سے تاریک نفوس کا تزکیہ ہوتا ہے اور دلوں کی تاریکی دور ہو جاتی ہے۔ پھر تمام مراتب پاکیزگی طے کرنے کے بعد عبادت کی برکت سے قربِ الٰہی کی بساط پر قدم رکھ کر دو جہان کی خیر و خوبی سے شرف حاصل کر سکتے ہیں۔

نیت میں خلوص

قبولِ عبادات کیلئے کچھ شرائط ہیں سب سے اہم شرط نیّت میں خلوص پیدا کرنا ہے۔ بلکہ عمل میں خلوص ایسا ہی ہے جیسا کہ جسم میں جان کا ہونا۔ اگر عبادات خالص نہیں تو مقرب درگاہ الٰہی ہونا تو درکنار بندے کو اپنے خالق سے اور زیادہ دور کر دیتا ہے قرآن میں اس موضوع سے متعلق بہت سی آیتیں موجود ہیں۔ ان میں سے چند ایک تبرکاً کا ذکر ہوتی ہیں:

وَمَا اُمِرُوْا اِلاَّ لِيَعْبُدُوْا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الَّذِيْنَ (سورہ ۹۸۔ آیت ۴)

ان کو (اس کے سوا اور کوئی) حکم نہیں دیا گیا تھا کہ اِخلاص کے ساتھ اللہ کی پرستش کریں۔

قُلْ اِنِّیْ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَاللّٰهَ مُخْلِصاً لَّهُ الدِّيْنَ حُنَفَآءَ (سورہ ۲۹۔ آیت ۱۴)

کہہ دو (اے نبی ﷺ) مجھے تو یہ حکم دیا گیا ہے کہ عبادت کو اسی کے لئے خالص کر کے خدا ہی کی بندگی کروں۔

وَادْعُوْهُ مُخلِصِيْنَ لَهُ الدِّين (سورہ ۷. آیت ۲۹)

اس کے لیے نرمی کھری عبادت کر کے اس سے دعا مانگو۔

فَمَنْ كَانَ يَرْجُو لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلاً صَالِحاً وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ اَحَداً

(سورہ ۱۸۔ آیت ۱۱۰)

جو شخص اپنے پروردگار کے سامنے حاضر ہونے کا آرزومند ہو تو اسے اچھا (خالص) عمل بجالانا چاہیے اور اپنے پروردگار کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے۔ (یعنی ریائے سمعہ سے پرہیز کریں)۔

ریا کار مشرک ھے

معتبر روایات سے یہ مطلب اخذ ہوتا ہے کہ دکھاوے کا کام کرنے والا شخص مشرک و منافق ہے اور وہ پروردگارِ عالم کے عذاب میں گرفتار ہو کر اس کے غضب کا نشانہ بنتا ہے۔

خواہ اس کی ریا واجبات میں ہو یا مستحبات میں، چاہے وہ مستقل ریا کار ہے یا شرکت کے طور پر، بالفاظِ دیگر وہ مخلوق سے قریب تر ہونے اور ان کے نزدیک اپنے آپ کو محترم بنانے اور ان کی خوشنودی کے لیئے عبادت کرتا ہے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ امرِ خدا کی فرمانبرداری کا قصد بھی رکھتا ہے۔ اور اس کی رضایت و قربت کا آرزومند بھی ہے (اس قسم کے تعبد کو شرک در مقام عبادت کہتے ہیں)

قارئینِ محترم کو مزید معلومات فراہم کرنے کے لیے اس موضوع سے متعلق کئی آیاتِ شریفہ یہاں ذکر کی جا رہی ہیں۔ ان میں سے ایک سورہِ نساء کی یہ آیت ہے:

اِنَّ الْمُنَافِقِيْنَ يُخادِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ وَاِذَا قَامُوْا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى يُرَاؤُنَ النَّاسَ وَلَايَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلاَّ قَلِيْلاً مُذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ لَا اِلٰى هٰؤُلَآءِ وَلَا اِلٰى هٰؤُلَآءِ (سورہ ۴۔ آیت ۱۴۲)

بے شک منافقین (اپنے خیال میں) خدا کو فریب دیتے ہیں حالانکہ خدا انہیں ان کے مکر و فریب کا بدلہ دینے والا ہے۔ یہ لوگ جب نماز پڑھنے کھڑے ہوتے ہیں تو (بے دلی اور) کراہت سے کھڑے ہوتے ہیں۔ اور فقط لوگوں کو دکھاتے ہیں اور ریا کرتے ہیں۔ دل سے خدا کی یاد کم کرتے ہیں۔ یہ لوگ کفر اور ایمان کے درمیان تردّد کی حالت میں جھول رہے ہیں۔ نہ مومنین کے ساتھ ہیں (کیوں کہ ان کے باطن کفر سے بھرے ہوئے ہیں) نہ کافروں کے ساتھ ہیں (چونکہ بظاہر مسلمان ہیں اور مومنین سے مشابہت رکھتے ہیں)۔

سورۂ ماعون میں فرمایا ہے:

فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ اَلَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صلاتِهِمْ سَاهُوْنَ وَالَّذِيْنَ هُمْ يُرَآؤُنَ (سورہ ۱۰۷. آیت ۴)

سخت عذاب ان (ریا کار) نماز گزاروں کے لیے تیار ہے جو کہ اپنی نماز سے غافل و بے خبر رہتے ہیں (اس کو اہمیت نہیں دیتے) یہ لوگ اپنے

اعمال کو دکھاوے کے واسطے کرتے ہیں (تاکہ لوگ ان کی تعریف کریں)۔

ریاء شرک اصغر ہے

حضرت پیغمبر اکرم ﷺ نے فرمایا:

اِنَّ اَخوَفُ مااَخَافُ عَلَیۡکُمُ الشِّرۡکُ الۡاَصغرُ قِیۡلَ وَمَا الشِرکُ الۡاَصُغَرُ فَقَالَ (ص)الرِّیَآءُ.

یَقُوۡلُ اللّٰـهُ تَعَالٰی یَوۡمَ القیامَةِ اِذَاجازَالۡعِبَادُ بِاَعۡمَالِهِمۡ اِذۡهَبُوۡا اِلٰی الَّذِیۡنَ کُنۡتُمۡ تُرَاؤُنَ لَهُمۡ فِی الدُّنۡیَا هَلۡ تجدُوۡنَ عِنۡدهُمۡ ثَوَابَ اَعۡمَالِکُمۡ. (بحارالانوار)

بے شک تمہارے بارے میں جس چیز سے مجھے زیادہ تر خوف ہے وہ شرکِ اصغر سے ہے۔ کسی نے عرض کیا اے پیغمبرؐ چھوٹے شرک سے کیا مراد ہے؟ فرمایا وہ ریاء ہے۔ قیامت کے دن جب اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے اعمال کی جزاء دینے لگے گا تو ریاکاروں سے فرمائے گا ''تم ان لوگوں کی طرف رجوع کرو جن کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے دنیا میں نیک اعمال انجام دیئے تھے۔ انہیں سے اپنے اعمال کا صلہ لے لو کیا ان سے صلہ ملنا ممکن ہے؟ (ہرگز نہیں)۔

ریاکار اپنے آپ کو دھوکہ دیتا ہے

سُئِلَ رَسُوۡلُ اللّٰهُ (ص) فِیۡمَا النَّجاةُ غداً؟ فقال (ص) انَّمَا النَّجاةُ فِیۡ اَنۡ لَّا تُخَادِعُوا اللّٰهَ فَاِنَّهُ مِنۡ یُخَادِ عُ اللّٰهِ یَخۡـدَعۡهُ وَیَخۡلَعُ مِنۡهُ الۡاِیمانَ وَیَخۡدَ عُ نَفۡسَهُ لویَشۡعُرُ. فَقِیۡلَ لهُ و کیف یُخَاد عُ اللّٰهَ ؟ قَالَ (ص) فَیَعۡمَلُ بِمَا اَمَرَاللّٰهُ بِهِ ثُمَّ یُرِیۡدُ بِهِ غَیۡرَهُ. فَاتَّقُواللّٰهَ وَاجۡتَنِبُوۡا الرِّیَآءَ فَاِنَّهُ شِرۡکٌ بِاللّٰهِ. اِنَّ الۡمُرَآئِی یُدۡعیٰ یَوۡمَ الۡقِیَامَةِ بِاَرۡبَعَةِ اَسۡمَآءٍ یاکافِر یافاجر یا غَادِرُ یَاخَاسِرُ حَبِطَ عَمَلُکَ وَبَطَلَ اَجۡرُکَ وَلَا خَلَاقَ لَکَ الۡیَوۡمِ. فَالتَمِسۡ اَجۡرَکَ مِمَّنۡ کُنۡتَ تَعۡمَلُ لَهُ.(مَحجَّةُ البَیۡضَاءِ. بِحَارُ الۡاَنۡوَارِ)

حضرت رسولِ خدا ﷺ سے کسی نے پوچھا کہ قیامت کے دن نجات کیسے حاصل ہو؟ فرمایا نجات اسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ دھوکے بازی نہ کرے۔ بے شک کوئی اللہ کو دھوکہ سے تو خدا اسے دھوکہ دیتا ہے۔ (یعنی اسے دھوکے کا بدلہ دیتا ہے) اور ایمان اس سے چھین لیتا ہے۔ اگر وہ شعور رکھتا ہے تو دھوکہ اپنے آپ کو دیتا ہے نہ کہ خدا کو۔ کسی نے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ کو کیسے دھوکہ وفریب دے سکتا ہے؟ فرمایا کہ بندہ حکمِ خدا تو بجالاتا ہے مگر اس کا قصد غیر خدا کی خوشنودی ہوتا ہے پس تم اللہ سے ڈرو اور ریا سے پرہیز کرو۔ یقیناً ریا اللہ سے شرک باندھنا ہے۔ بے شک قیامت کے دن ریاکار کو چار ناموں سے پکارا جائے گا؛ اے کافر، اے فاجر (گنہگار)، اے غادر (مکار)، اے خاسر (زیاں کار) تیرا عمل باطل اور تیرا اجر وثواب ضائع ہو گیا۔ آج تیری کوئی وقعت نہیں۔ جاؤ جس کے لیے تم یہ اعمال بجالائے ہو اسی سے اجر وثواب مانگو۔

جہنم کی آگ ریاکاروں سے روتی ہے

حضرت امام محمد باقر اور امام جعفر صادق + سے روایت ہے:

اِنَّ عَبۡداً عَمِلَ عَمَلاً یَّطۡلُبُ بِهِ وَجَهَ اللّٰهِ وَالدَّارَ الۡاٰخِرَةَ ثُمَّ اَدۡخَلَ فِیۡهِ رِضیَ اَحَدٍ مِّنَ النَّاسِ کانَ مُشۡرِکاً (بحارالانوار)

حضرت پیغمبر اکرم ﷺ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: ''بے شک اگر کسی بندۂ خدا نے کوئی عملِ خیر انجام دیا اور اس کا قصد اللہ کی رضاجوئی اور آخرت کا ثواب حاصل کرنا ہو اگر اس عمل میں مخلوق کی خوشنودی شامل کی گئی تو وہ مشرک قرار پائے گا۔

عَنِ النَّبِیّ انَّ النَّارَ یَعِجُّوۡنَ مِنۡ اَهۡلِ الرِّیاء. فَقِیۡلَ یَارَسُوۡل اللّٰه (ص) کیفَ یَعِجُ النَّارُ ؟ قَالَ مِنۡ حَدِّ النَّارِ الَّتی یُعَذَّبُوۡنَ بِهَا.

حضرت پیغمبر اکرم ﷺ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا ''بے شک جہنم کی آگ اور اہلِ جہنم ریاکاروں کے سبب فریاد کرتے ہیں۔'' کسی نے دریافت کیا یا رسول اللہؐ آگ کس طرح روتی ہے؟ فرمایا آگ کی گرمی کی شدت سے کہ جس میں ریاکار لوگ مبتلائے عذاب ہیں جہنم نالہ وفریاد کرتا ہے۔

حضرت امیرالمومنین - نے فرمایا:

اِنَّ اللّٰہَ بَعَثَ مُحمَّداً (ص) لِیُخرِجَ عِبَادَہُ مِنْ عِبَادَةِ عِبَادِہِ اِلٰی عِبَادَتِہِ (جلد اوّل سفینة البحار)

بے شک خداوند عالم نے حضرت محمد ﷺ کو اس لئے بھیجا کہ اس کے بندوں کو لوگوں کی پرستش سے روک کر خدا کی عبادت کی جانب رہنمائی کریں

-

کبھی عبادت گذار کو اس کی عبادت آگ کی طرف کھینچتی ھے

ابوبصیر نے امام جعفر صادق - سے روایت نقل کی ہے کہ قیامت کے دن ایک بندے کو لائیں گے جو دنیا میں نماز گزار تھا۔ اس سے کہیں گے کہ دنیا میں تم نے نمازیں پڑھی ہیں مگر تمہارہ مقصد یہ تھا کہ لوگ تمہاری مدح سرائی کریں اور کہیں کہ دیکھو کیسی اچھی نماز پڑھتا ہے۔ پس اس شخص کو آگ میں ڈال دیں گے۔ اس کے بعد دوسرے کو لائیں گے جو قاری قرآن ہوگا۔ اس سے کہیں گے کہ تلاوت کے وقت تمہارہ قصد یہ ہوتا تھا کہ لوگ کہیں گے کہ تمہارہ لحن و قرأت بہت اچھی ہے پس اس کو بھی آگ کی طرف لے جائیں گے۔ تیسرے کو حاضر کریں گے کہ جو جہاد کرتے ہوئے شہید ہوا تھا۔ اس سے کہیں گے کہ جہاد سے تمہارہ قصد تھا کہ لوگ کہیں گے کہ فلاں شخص بڑا پہلوان اور شجاع ہے۔ اس کو بھی جہنم میں لے جائیں گے۔ چوتھا آدمی راہِ خدا میں خرچ کرنے والا تھا۔ اس سے کہیں گے کہ تمہارا قصد تھا کہ لوگ تم کو سخی کہیں گے پھر اس کو بھی جہنم میں لے جائیں گے۔ (لآلی الاخبار باب ۸)

بہت احادیث بلکہ متواتر روایتیں ملتی ہیں کہ ریا کار مشرک ہوتا ہے۔ صاحبانِ دل اور اہل ایمان کے لیے یہی کافی ہے۔

خلوص کی فضیلت اور ریا کار کی مذمت

بہت سی روایتوں سے یوں استفادہ ہوتا ہے کہ ریا کار کے لیے آخرت میں خسارہ، اجر وثواب سے محرومی اور آتش جہنم میں جلنے کے علاوہ دنیا میں بھی وہ اپنی مراد حاصل نہیں کرسکتا۔ بعبارت دیگر اس کا قصد ونظر مخلوق کے نزدیک عزّت ومرتبت پیدا کرنا تھا۔ اس میں کامیاب نہ ہوگا۔ بلکہ اکثر اوقات شرمندگی اور رسوائی سے دوچار ہوگا۔

خَسِرَ الدُّنیَاوَالْآخِرَة ذٰلِکَ ھُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِیْنِ.

''دنیا اور آخرت (دونوں) کا گھاٹا اٹھایا اور یہی تو صریح گھاٹا ہے۔''

اس کے برعکس مخلص انسان آخرت کے اجر وثواب کے علاوہ اس دنیا میں بھی لوگوں کی نظروں میں عزیز ومحترم ہوگا۔ چنانچہ حضرت امام جعفر صادق - نے آیۂ مبارکہ:

فَمَن کَانَ یَرْجُوْلِقَاءَ رَبِّہِ فَلْیَعْمَلْ عَمَلاً صَالِحاً وَلَایُشْرِکْ بِعِبَادَةِ رَبِّہِ اَحَداً (سورہ کہف کی آخری آیت)

''جو شخص اپنے پروردگار کے سامنے حاضر ہونے کی امید رکھتا ہے تو اسے عمل صالح کرنا چاہیئے اور اپنے پروردگار کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے۔''

اس کی تفسیر میں فرمایا:

الرَّجُلُ یَعْمَلُ شَیْئًا مِّنَ الثَّوَابِ لَا یَطْلُبُ بِہِ وَجْہَ اللّٰہِ اِنَّما یَطْلُبُ تَزْکِیَةَ النَّاسِ وِیَشْتَھِی اَنْ یَّسْمَعَ بِہِ النَّاسُ فھٰذا الَّذِیْ اَشْرکَ بِعِبَادَةِ اللّٰہِ. ثُمَّ قَالَ مَامِنْ عَبْدٍ سَتَرَ خَیْرَاً فَذَھَبَتِ الْاَیَّامُ اَبَداً حَتٰی یُظْھِرُہُ اللّٰہُ تَعَالٰی لَہُ خَیْراً. وَمَا مِنْ عَبْدٍ یَسْتُرُ شَرّا فَذَھَبَتِ الْاَیَّامُ حَتّٰی یُظْھِرُ اللّٰہُ لہ شَتراً. (کتاب کافی)

''کوئی شخص نیک عمل انجام دیتا ہے مگر اس کو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کی خاطر نہیں بجالاتا بلکہ لوگوں سے تعریف وثناء خوانی اُسے منظور ہے اور دل چاہتا ہے کہ لوگ اسے دیکھیں اور سنیں تا کہ شہرت حاصل ہو اور مقبول ہو۔ فرمایا: یہ وہ شخص ہے جس نے اپنے پروردگار کی عبادت میں دوسروں کو شریک بنایا ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ کوئی بندہ نہیں کہ اپنے نیک عمل کو پوشیدہ رکھے (یعنی اپنے عمل کو صرف اللہ کے لیے بجالائے) تا کہ آخر کار خدائے مہربان اس کو منظر عام پر آشکارا فرماتا ہے۔ اور کوئی بندہ نہیں کہ اپنے برے عمل کو مخفی نہ رکھے (تا کہ لوگوں کو پتہ نہ چلے اور اس کی تعریف کریں) مگر جوں جوں زمانہ گزرتا جائے گا اللہ تعالیٰ اس کی برائیوں کو سرعام کرکے (ذلیل وخوار کرتا جائے گا)۔

کھرا عمل جلوہ گر ھوتا ھے

حضرت امام جعفر صادق - نے فرمایا:

مَنْ اَرَادَ اللّٰہَ عَزَّوَجَلَّ بِالْقَلِیلِ مِنْ عَمَلِہِ اَظْھَرَہُ اللّٰہُ لَہُ اَکْثَر مِمَّا اَرَادَ وَمَنْ اَرَادَ النَّاسَ بِالْکَثِیْرِ مِنْ عَمَلِہِ فِی تَعَبٍ مِّنْ بَدَنِہِ وَسَھْرٍ مِنْ لَیْلِہِ اَبَی اللّٰہُ اِلَّا اَنْ یُقَلِّلَہُ فِیْ عَیْنِ مَنْ سَمِعَہُ (کتاب کافی)

''کوئی ارادہ کرے کہ اپنے قلیل عمل سے صرف اللہ تعالیٰ کو خوش کروں گا تو خداوند کریم اس کے عمل کو بڑھا چڑھا کر لوگوں پر ظاہر کرتا ہے اور وہ نظروں میں جلوہ گر ہوتا ہے۔(اس کے برعکس) اگر کوئی زیادہ سے زیادہ عمل بجالائے جس میں جسمانی مشقت وتکلیف سے خستہ ہوا ہو اور شب بیداری سے تھکاوٹ ہوئی ہو مگر اس کی نیت لوگوں سے مدح وثنا حاصل کرنا اور داد لینا رہا ہو تو خداوند عالم اس کے کثیر عمل کو چھوٹے سے چھوٹا کر کے منظر عام پر لائے گا اور کانوں تک پہنچادے گا۔(یہاں تک کہ لوگ اس سے نفرت کریں گے)۔

دکھاوا، فقہی نظر سے

اگر کوئی عبادت میں شرک جیسے گناہ کبیرہ میں پھنسا ہوا ہو اور توبہ کرنے کا ارادہ رکھتا ہو تو ایسی صورت میں پہلے حقیقی معنوں میں پشیمان ہونا چاہیئے۔پھر اس گناہ کو ہمیشہ کے لیے ترک کرنے کا پختہ ارادہ کرے اور تیسرے آئندہ خالصتاً اللہ کے لیے بجالانے کی نیت کرے۔

یعنی اولاً واجب ہے کہ گذشتہ گناہوں سے استغفار کر کے طلب مغفرت کرے۔دوسرے جن عبادتوں میں ریا واقع ہوئی ہے ان کو دوبارہ بجالائے خواہ پوری عبادت ریا کے ساتھ ہوئی ہو یا کچھ حصہ، بایں معنی کہ عمل کی ابتدا سے لے کر انتہا تک غیر خدا اس کی نظر میں رہا ہو، درمیان میں پروردگار کی خوشنودی بھی شامل ہوگئی ہو۔مثلاً کسی نے واجب زکوٰۃ خداوند عالم کی فرمان برداری کے قصد سے مستحق کو دے دی ہو اور اس کے ساتھ ہی لینے والے سے کسی قسم کی منفعت حاصل کرنے یا ضرر دور کرنے کا ارادہ بھی رکھے یا لینے والے کی بزرگی اور احترام کا قصد کرنے ہوئے پیش کرے۔ان تمام حالات میں توبہ کرنے کے بعد صرف رضامندیٔ خدا کے لیے دوبارہ زکوٰۃ دینا واجب ہے۔

نماز دوبارہ پڑھنے سے یہ فرق نہیں پڑتا کہ تمام عمل دکھاوا ہو یا کوئی ایک جزو یہاں تک کہ مستحب عمل کا کوئی جزو بھی ریا کے ساتھ بجالائے جیسا کہ قنوت پڑھنا تو احتیاطاً دوبارہ تکرار کرے یا عمل کی کیفیت میں ریا داخل ہو جائے جیسا کہ دکھاوے کے لیے نماز جماعت میں شرکت کرے یا پہلی صف میں بیٹھ جائے یا اول وقت نماز پڑھی جائے تو بہرصورت نماز باطل ہے۔

غیر عبادت میں ریا

خالص دنیوی امور جو کہ عبادت میں شمار نہیں ہیں اس میں ریا کاری حرام ہونے کے بارے میں کوئی واضح دلیل نہیں ہے۔اس لیے فقہاءِ عظام بھی اس کی حرمت کے متعلق فتویٰ نہیں دیتے لیکن راہ احتیاط ونجات یہی ہے کہ اہل ایمان ریاء کے تمام مراتب سے پرہیز کرتے ہیں۔یہاں تک کہ دنیوی امور اور مباح کاموں سے بھی اجتناب کرتے ہیں۔ریا کاری کا سرچشمہ دنیا اور اس کی دولت وعزت کی محبت ہے۔دنیا اور مال دنیا طلب کرنے کی مذموم عادت جب بھی پڑ جاتی ہے اور شدّت اختیار کر لیتی ہے تو آہستہ آہستہ عبادت الٰہی میں بھی ریا کاری سرایت کر جاتی ہے۔

مرحوم فیض کاشانی ''محجّۃ البیضاء'' نامی کتاب میں عبادت اور غیر عبارتی امور میں ریا کے بارے میں ہوں بیان فرماتے ہیں:

ریا کار جن امور میں دکھاوے کے لیے کام کرتے ہیں وہ پانچ ہیں: بدنی ریا، ہیئت (شکل وصورت اور لباس) کی ریا، عملی ریا، پیروی اور خارجی اشیاء میں ریا۔ان میں سے ہر ایک امور دنیا سے متعلق ریا ہوتی ہے یا اخروی امور سے متعلق، اور تفصیل حسب ذیل ہے۔

(۱) بدنی ریا

اخروی امور کی عبادت میں بدنی ریا سے مراد یہ ہے کہ آدمی اپنے بدن کو کمزور بنادے اور اظہار کرے کہ خوف وخشیت خدا اور شب بیداری میں کثرت اور خواب وخوراک کی قلّت واقع ہوگئی جس کے نتیجے میں بدن ضعیف ہوا ہے۔یا ہونٹوں کو خشک رکھے تا کہ لوگ اسے روزہ دار سمجھیں۔یا خود کو اخروی امور میں منہمک دکھانے کی کوشش کرے تا کہ لوگ تعجب کریں کہ یہ شخص بڑا پرہیز گار ہے۔اور دن رات دینی امور میں مشغول رہتا ہے۔بدنی ریا کی دوسری قسم دنیوی امور میں بدنی ریا ہے۔جس سے مراد اپنے قوی ہیکل، طاقت، موٹاپا، زیب وزینت اور نظافت ہے۔یعنی لوگوں کی نظروں میں سمانا اور اچھا لگنا ہے۔

(۲) شکل و صورت اور لباس کی ریا

اخروی امور میں ہیئت وپوشاک کی ریا: مثلاً مونچھوں کو منڈوا کر صاف کرنا تا کہ لوگ گمان کریں کہ یہ شخص آداب وسنت کا سختی سے پابند ہے۔یا راستہ چلتے وقت سر اور نظر کو نیچا کر کے باوقار، آہستہ آہستہ چلنا اور سجدہ کے آثار پیشانی سے ظاہر کرنا، گندے پھٹے لباس کو پہن کر ترک دنیا کی نمائش کرنا وغیرہ

وغیرہ۔

دنیوی امور میں پوشاک کی ریا اس طرح ہوتی ہے کہ اہل دنیا کو دکھانے کی خاطر قیمتی اور نفیس کپڑے زیب تن کرے تا کہ لوگوں ن کی توجہ اپنی جانب مبذول کرے۔

(۳) قولی ریا

آخرت کے امور میں اقوال کی ریا: مثلاً لوگوں کے سامنے لبوں کو حرکت دیتے ہوئے ذکر میں مشغول ہو جائے یا اپنی فضیلت و بزرگی اور علمی قابلیت کی نمائش کے لیے وعظ و نصیحت کرے اور مجالس و محافل میں امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرتے ہوئے حاضرین کو ڈرائے اور دل میں خلوص نہ ہو۔

اسی طرح دنیوی امور میں قولی ریا سے مراد لوگوں کے سامنے اپنے کمالات کا اظہار کرنا تا کہ لوگ اس کا احترام کریں اور فضیلت کے قائل ہو جائیں۔ جس موضوع پر بحث ہو وہ اپنی اظہار نظر کرے تا کہ لوگ اسے باخبر اور دانش مند سمجھیں۔ ہر ایک کے ساتھ خوش آمد اور زبانی ہمدردی کا اظہار کرے تا کہ لوگ اس کے شیفتہ ہو جائیں۔

(٤) عمل کی ریا

اخروی عمل میں ریا کاری جیسا کہ لوگوں کے سامنے نماز پڑھتے ہوئے لمبی سورتوں کی تلاوت کرنا، رکوع و سجود کو طول دینا، خضوع و خشوع کی نمائش کرنا، واجب و مستحب روزے رکھنا، حج و زیارت بجالانا، کھانا کھلانا اور صدقات دینا صرف اس لیے ہو کہ لوگ اس کو متدین اور عبادت گزار تصور کریں۔

دنیوی عمل میں ریا کاری سے کام لینا، مثلاً جہاں لوگوں کی اکثریت ہو وہاں اس کے رجحان کے مطابق رقم خرچ کرنا تا کہ لوگ اسے سخی کہیں اور وہ شہرت پائے یا بڑی رقم خرچ کر کے کثیر تعداد میں لوگوں کو دعوت دے اور ان کی خاطر و مدارت کرے۔

(٥) بیرونی اور خارجی امور میں ریا

گذشتہ چاروں قسم کی ریا انسان کی ذات سے تعلق رکھتی تھی۔ اب پانچویں قسم کا بیان ہوتا ہے، جس کا تعلق خارجی امور سے ہے۔ ایسی ریا بھی گذشتہ کی طرح دنیوی اور اخروی امور میں واقع ہوتی ہے۔ اخروی امور میں ریا کی مثال یہ ہے کہ کوئی شخص دین داروں اور علماء کی مجلس میں بغیر دلی لگاؤ کے محض دکھاوے کے لیے شرکت کرے۔ یا عبادت گذار اور پرہیز گاروں سے ملنے جائے یا اپنے گھر میں اس کو دعوت دے تا کہ لوگ اسے دین دار، علم دوست اور بزرگوں کا ہم نشین خیال کریں۔ اسی طرح دنیوی امور میں بھی ریا کاری ممنوع ہے۔ مثلاً حکمرانوں اور بادشاہوں کے دربار میں زیادہ آمد و رفت کرنا تا کہ لوگ اس کے اثر و نفوذ کے قائل ہوں اور اس طرح وہ سادہ لوح افراد کو فریب دے کر اپنے مطالب حاصل کرے۔

ریا قصد سے مربوط ہوتی ہے

واضح ہو کہ ریا کا دارومدار آدمی کے قصد پر ہے۔ بالفاظِ دیگر ہر وہ عمل جو لوگوں کو دکھانے یا ان کے نزدیک مرتبہ بلند کرنے اور ان کو خوش کرنے کے لیے انجام دیتا ہے، وہ ریا ہے۔ چاہے وہ عمل دنیوی ہو یا اخروی۔ مذکورہ پانچ قسم کی ریا کے سلسلے میں جو مثالیں پیش کی گئی ہیں، درحقیقت ان اعمال میں ریا داخل نہیں ہوتی جب تک عامل ریا کا قصد اور نیت نہ کرے۔ مثلاً اگر صفائی اللہ کی خوشنودی یا فرمان برداری کے قصد سے بجالایا تو یہ عمل عبادت ہے۔ لیکن اگر دکھاوا مطلوب ہے تو ریا۔ اسی طرح اچھے لباس زیب تن کرنا یا بہترین مکان بنانے میں اگر نعمت خداوندی کے کلی اظہار کا قصد رکھتا ہو تو عبادت ہے اور اگر نمائش و نمود کا پہلو لیے ہوئے ہے تو ریا بن جاتی ہے۔ (اگر اس موضوع کا تفصیلی مطالعہ مقصود ہو تو کتاب قلب سلیم کی جانب رجوع فرمائیں)۔

یاس

دوسرا گناہ کبیرہ رحمت خداوندی سے ناامیدی ہے۔''اَلْیَاْسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰہِ ''روح لغت میں اُس نسیم کو کہا جاتا ہے جس سے انسان کو لذّت اور راحت ملتی ہو۔

جو لوگ پروردگار عالم کی قدرت ،فضل و کرم اور رحمت لامتناہی پر اعتقاد نہیں رکھتے تو اس کی بجائے مایوسی پیدا ہوتی ہے۔قرآن پاک میں انہیں کافروں کی صفت قرار دیا گیا۔

اِنَّہُ لَا یَیْاَسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰہِ اِلَّا الْقَوْمُ الْکٰفِرُوْنَ ط

''بے شک رحمت خدا سے ناامید نہیں ہوتا ہے مگر گروہِ کفّار۔''(سورہ ۱۲۔آیت ۸۷)

حضرت امام جعفر صادق،حضرت امام موسیٰ کاظم اور حضرت امام محمد تقی ؑ نے رحمت خدا سے مایوسی کو گناہ کبیرہ کے حصے میں شمار کیا ہے۔

شرک کے بعد سب سے بڑا گناہ

شرک کے بعد کوئی گناہ ناامیدی کی نسبت بڑا گناہ نہیں ہوسکتا۔کیونکہ کسی گناہ میں انسان اسی وقت ملّوث ہوتا ہے جب کہ وہ ہر طرف سے مایوس ہو۔البتہ ممکن ہے کہ ایسا گناہ گار توبہ واستغفار کرے تا کہ اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت فرمائے۔لیکن مایوس شخص مغفرت کے قابل اس لیے نہیں کہ وہ مغفرت اور بخشش پر بھروسہ نہیں رکھتا، چہ جائیکہ وہ توبہ کرے اور قرب خداوندی کا طلب گار ہو جائے۔

مایوس جب اس سے آگے بڑھتا ہے تو سارے گناہوں میں لاپرواہی سے ملّوث ہوتا ہے یہاں تک کہ وہ کہتا ہے کہ میں گناہ گار اور جہنمی ہوں۔دنیا میں اپنی خواہشات پوری کروں گا۔

اس سے معلوم ہوا کہ یاس سب سے بڑا گناہ ہے۔تو مناسب یہ ہے کہ اس گناہ کی تمام اقسام اور مایوسی کا علاج یہاں بیان کیا جائے تا کہ مومنین اس سے محفوظ رہیں۔

اسباب اور مسبب الاسباب

اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ سے دنیا اور آخرت کے صوری و معنوی امور کے لیے علّت و اسباب کو ضروری قرار دیا ہے۔جیسا کہ صوری امور میں پیٹ بھرنے کے لیے اشیائے خوردنی کا استعمال، پیاس بجھانے کے لیے مشروبات لینا، بیماری کے لیے ڈاکٹر کی طرف رجوع کرنا اور دوا کھانا، ناداری وفقیری کے لیے کسب معیشت اور جدو جہد کرنا وغیرہ وغیرہ، امور میں اسباب وعلل لازمی قرار دیئے ہیں۔اسی طرح معنوی امور میں سبب و علت ضروری ہے جیسا کہ گناہ گار شخص کو عذابِ الٰہی سے نجات پانے کے لیے توبہ وندامت اور ایمان ہیں۔مقام یقین پر فائز ہونے کے لیے معصوم کی پیروی اور تقوے کے مراتب طے کرنا اور اخروی درجات حاصل کرنے کے لیے عمل میں اخلاص پیدا کرنا وغیرہ لازم ہیں۔

چونکہ مخلوقات کو وجود میں لانے کی اصلی غرض وغایت خالق کو پہچاننا اور اس کی معرفت پیدا کرنا ہے اور یہ اس وقت تک ممکن نہیں جب تک یقین کے ساتھ عقیدہ نہ ہو کہ خود اسباب وعلل کا خالق بھی اللہ تعالیٰ ہے۔کیونکہ اسباب اپنے آپ مستقل طور پر اثر انداز ہونے کے قابل نہیں جب تک کہا مسبب الاسباب اس میں تاثیر پیدا نہ کرے۔اس لیے ظاہری اسباب پیدا ہونے سے انسان کو خوش اور نہ ہونے سے غمگین نہیں ہونا چاہیئے۔اگر خدا چاہے تو بغیر کسی سبب وعلت کے معدوم (غیر موجود) چیز کو موجودہ حالت میں تبدیل کرسکتا ہے اور وہ موجود کو معدوم کرنے پر بھی قادر ہے۔

سبب کام نہیں کرتا

اسباب پیدا ہونے پر انسان کی طبیعت خوش ہو جاتی ہے اور خدا کی قدرت پر مکمل بھروسہ کرتا ہے۔اس کے برعکس اگر اسباب مفقود ہوں تو غمزدہ ہوتا ہے۔اس خطا سے روکنے کے لیے قدرت کی طرف سے دو حکمتِ عملی کارفرما ہے۔

اوّل یہ کہ مصلحت کی بنا پر کبھی موجود اسباب وعلل کو بے کار اور بے اثر بنا دیتا ہے تا کہ مومنین اسباب کو مستقل طور پر موثر نہ سمجھ لیں۔دوسرا یہ کہ کبھی

کبھار جہاں کہیں سرے سے اسباب معدوم ہوں اپنی قدرت سے سبب پیدا کرتا ہے تا کہ اہل ایمان کسی حالت میں دل برداشتہ وغمگین نہ ہو جائیں اور اس مطلب کی وضاحت کے لیے چند مثالیں یہاں ذکر کی جاتی ہیں۔

پہلی مثال

آگ نہیں جلاتی اور چاقو نہیں کاٹتا

حضرت ابراہیم علیٰ نبیّنا -کو جلانے کے لیے بھڑکائی ہوئی ''آتش نمرود'' کی حرارت کا اثر اس کے خالق نے سرے سے ختم کر دیا۔ کہتے ہیں کہ تین میل دور کے فاصلے پر اُڑنے والے پرندے فضا میں اُڑ نہیں سکتے تھے۔ چنانچہ آنحضرت -کو منجنیق کے ذریعے دور سے پرتاب کر کے آگ میں پھینک دیا۔ آگ جلانے کی خاصیت رکھتی ہے۔ باوجود اس کے قادرِ مطلق نے جلنے کا اثر اس سے چھین لیا اور آگ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

يَانَارُ كُوْنِيْ بَرْداً وَّسَلاماً

''اے آگ ٹھنڈی ہو جا۔'' فوراً اس کی ضد، سردی، پیدا ہوئی یہاں تک کہ اگر اس کے بعد 'سلاماً' کا حکم نہ دیتا تو اندیشہ تھا کہ شدت سردی سے حضرت ابراہیم -کی روح پاک قفس عنصری سے پرواز کر جاتی۔

اسی طرح تیز چھری کا کام کاٹنا ہوتا ہے مگر جب حضرت ابراہیم -نے اپنے بیٹے حضرت اسماعیل - کو ذبح کرنے کا ارادہ کیا تو پروردگار عالم نے کاٹنے کے اثر کو ناکارہ بنا دیا۔ اس وقت آپ -نے چھری کو دور پھینک دیا۔ اس سے ایک آواز بلند ہوئی۔

اَلْخَلِيْلُ يَاْمُرُنِيْ وَالْجَلِيْلُ يَنْهَانِيْ

''خلیل اللہ مجھے کاٹنے کا حکم دیتا ہے اور رب جلیل مجھے روک لیتا ہے۔''

دوسری مثال

موسیٰؑ و فرعون

جابر بادشاہوں اور بااثر حکام نے جن کے پاس اسباب دنیوی فراوانی سے موجود تھے۔ انبیاء وآئمہ ہدیٰ ؑ اور مومنین کو قتل کرنے کے لیے اپنے اسباب وعلل کو بروئے کار لانے کے متواتر کوشش کی مگر سبب وعلت کے خالق نے عین موقع پر ان کو ناکارہ بنا دیا۔ چنانچہ حضرت موسیٰ -اور فرعون کی داستان ابتدا سے انتہا تک اس دعوے کا ثبوت ہے۔ دیکھئے، ابتدا میں فرعون موسیٰ -کا نطفہ رحم مادر میں منعقد ہونے سے روکنا چاہتا تھا مگر خلافِ توقع ٹھہر گیا اور موسیٰ -پیدا ہوئے۔ پھر اُنہیں قتل کرنے کی کوشش کی۔ باوجود قدرت وتوانائی کے اللہ تعالیٰ نے اس کے شاہانہ منصوبے کو کیسا خاک میں ملایا۔ چونکہ مشیّت ایزدی کے سامنے اسباب مادّی ومعنوی معنی نہیں رکھتے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ -نے خود فرعون کے گھر میں اور اس کی گود میں پرورش پائی۔

وَقَالَتْ قُرَّةَ عَيْنٍ لِّيْ وَلَكَ

''آسیہ نے اپنے شوہر فرعون سے کہا، یہ بچہ تیری اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہوگا۔''

تیسری مثال

ابرھہ کا حملہ اور کعبہ کا خراب نہ ہونا

جس سال حضرت خاتم الانبیاء ﷺ پیدا ہوئے، بادشاہ نجاشی کی طرف سے ہاتھی سوار فوجیوں اور بھاری جمعیت کا لشکر ہر قسم کے ہتھیاروں سے مسلح ہو کر خانۂ خدا کو تباہ کرنے کے قصد سے ابرہہ نامی شخص کی سرکردگی میں مکہ کی جانب روانہ ہوئے۔ ابرہہ کو بے شمار فوجوں اور اسلحہ پر بڑا گھمنڈ اور اطمینان تھا مگر مسبب الاسباب اور بے چاروں کے چارہ ساز نے اس کے سامان اور اسباب کو یکسر معطّل کر دیا اور جہاں سبب کے خالق نے چاہا، وہیں انسان وحیوان سب رُک گئے۔ مسجد حرام جانے کے لیے بہت زور لگایا مگر ہاتھیوں نے ایک قدم آگے نہ بڑھایا۔

دوسری طرف اچانک بے شمار ابابیل نامی پرندے فضا میں نمودار ہو گئے۔ ہر ایک تین عدد کنکریاں چونچ اور پنجوں میں پکڑ کر اپنے ساتھ لائے تھے۔ وہ اصحابِ فیل کے اوپر فضا میں چھانے کے بعد ایک کنکری ایک فوجی کے سر پر مارنے لگے۔ ہر ایک کنکری قد کی لمبائی سے گزر کر زمین کے اندر داخل ہو گئی۔ آخر الامر، سب ہلاک ہو گئے۔ ایک فوجی زندہ بچا اور اس شاہ نجاشی کے دربار میں پہنچ کر مفصّل سرگزشت بیان کی۔ اس واقعہ کی اہمیت کے پیش نظر اب تک اس سال کو عام الفیل کہتے ہیں۔ چنانچہ تاریخ عرب میں لکھا ہے کہ حضرت خاتم الانبیاء ﷺ کی ولادت سنۂ عام الفیل اور ان کی بعثت 'عام الفیل' کے

چالیسویں سال میں واقع ہوئی۔

چوتھی مثال

حضرت خاتم الانبیاء ﷺ کا تحفظ

حضرت خاتم المرسلین ﷺ کے وجود مبارک کو مکہ معظّمہ میں خون کے پیاسے کافروں سے اور تمام جنگوں میں اپنی حفاظت وحمایت رکھنا اللہ تعالیٰ کی آیات عظیمہ میں ایک بڑی نشانی شمار ہوتی ہے۔ چنانچہ اعلان نبوت کے آغاز سے آخر تک تمام مشرکین متفق ہوکر سارے اسباب صوری و مادّی اکھٹے کر کے آنحضرت ﷺ کو شہید کرنے کے درپے آمادہ رہے لیکن

چراغی را کہ ایزد بر فروزد
کسی کو تف کند ریشش بسوزد

پانچویں مثال

وہ ظاہری سبب کے بغیر پیدا کرتا ہے

اللہ تعالیٰ دنیوی و مادّی امور کو ظاہری اسباب موجود نہ ہوتے ہوئے بھی اپنی قدرتِ کاملہ سے پیدا کرتا ہے۔ اس قسم کی مثالیں ہمارے سامنے بے شمار ہیں۔ ان میں سے ایک حضرت ابوالبشر آدم -کی ہے کہ وہ ماں اور باپ کے بغیر عدم سے عالم وجود میں آئے اور حضرت مریم = سے کسی ہم جنس کے چھوئے بغیر حضرت عیسیٰ مسیح -کا حمل ہوا۔ حضرت زکریا -کو بڑھاپے اور ضعیفی کی حالت میں اوران کی زوجہ کے یائسہ ہونے کے باوجود حضرت یحییٰ - کو پیدا فرمایا اور حضرت ابراہیم -کے لیے حضرت اسحاق -کو عنایت فرمایا۔ باوجودیکہ خلیل اللہ بہت ضعیف اوران کی اہلیہ حضرت سارہ بانجھ تھیں۔

حضرت محمد ﷺ کا علم و حکمت کی کسی درسگاہ میں نہ جانا

حضرت خاتم الانبیاء ﷺ کبھی کسی مدرسے تشریف نہیں لے گئے، نہ کوئی معلم دیکھا، نہ کچھ لکھنا سیکھا، لیکن باوجود اس کے آپ معلم بشر تھے اور قرآنی علوم ومعارف پر مکمل عبور رکھتے تھے۔ بلکہ آپ ﷺ کی ذات تمام انبیاءِ ماسبق کے معجزات وکمالات کا مکمل مجموعہ ومظہر تھی۔ بعبارت دیگر یہ حالات طبیعت انسانی کے معمولات کے بالکل برخلاف ہیں کہ اتنے بے شمار اوصاف ظاہری علل واسباب کے بغیر پیدا ہو گئے۔

وہ بغیر سبب کے حاجتیں پوری کرتا ہے

خداوند رحمان اپنے بندوں کی دعائیں قبول اور سختیاں دور کرتا ہے۔ چنانچہ ہمارے مشاہدے شاہد ہیں کہ بہت سارے مجبور و بے بس افراد جن سے ظاہری اسباب کی کڑیاں اوراس کے رشتے ٹوٹ چکے تھے اور وہ حیران و پریشان تھے لیکن اس کی دعاؤں کے اثر سے خداوند عالم نے ان کی حاجتیں پوری کر دیں۔ صدقات کی برکت سے ناامید مریضوں کو شفا عطا کی، بے نوا فقیروں کو غنی کر دیا۔ مختلف بلاؤں میں گھرے ہوئے اشخاص کو ایسے راستوں سے نجات دلائی جس کا وہ سوچ بھی نہ سکتے تھے۔

اس قسم کی بے شمار داستانیں اور حکایتیں احادیث وتواریخ کی کتب میں بھری پڑی ہیں۔

خداوند سبحان کی رحمانیت اور کریمیت کو مولائے کائنات جناب امیر المومنینؑ نے اشعار کی شکل میں اس طرح بیان فرمایا ہے:

وَکَمْ لِلّٰہِ مِنْ لُطْفٍ خفيٍ يَدُقُ خَفَاہ عَنْ فَھْمِ الذَکِيّ

ہم پر اللہ کا کس قدر لامتناہی لطف وکرم ہے۔ یہ نہایت ذہین اور انتہائی سمجھ دار انسان ہی درک کر سکتا ہے۔

وَکَمْ يُسْرٍ اَتیٰ مِنْ بَعْدِعُسْرٍ وَفَرَّجَ کُرْبَۃَ الْقَلْبِ الشَّجِيّ

سخت دشواریوں میں پھنسنے کے بعد کس قدر آسانی سے چھٹکارہ عطا کرتا ہے۔ اور شکستہ دلوں سے غم واندوہ کو دور کر دیتا ہے۔

وَکَمْ اَمْرٍ تُسَاءُ بِہ صَبَاحاً وَتَاْتِيکَ الْمَسَرَّۃُ بِالْعَشِيّ

کتنے امور میں انسان صبح غمزدہ ہوتا ہے اور شام کو وہ مسرت وشادمانی میں تبدیل ہو جاتا ہے۔

اِذاضَاقَتْ بِکَ الْاَحْوَالُ يَوْماً فَثِقْ بِالْوَاحِدِ الْفَرْدِ الْعَلِيّ

جب تیرے امور سختی اور حالات تنگی سے دوچار ہو جائیں تو خدائے فرد وواحد بزرگ وبرتر پر مکمل بھروسہ کر۔

حبِّ علی -

امام یافعی اپنی کتاب ''روض الرّیاحین'' میں دیوان مبیدی کی شرح لکھتے ہوئے نقل کرتے ہیں کہ کسی بادشاہ نے موتی کا ایک دانہ اپنے ملازم کے حوالے کیا۔ اتفاقاً وہ موتی اس کے بچے کے ہاتھ لگ گیا اور بچے نے اس موتی کے دو ٹکڑے کر دیئے۔ اب غلام بہت پریشان ہوا کہ بادشاہ کو کیا جواب دے گا۔ چنانچہ کسی مومن نے کہا کہ اس رباعی کو صدق وخلوص کے ساتھ پڑھو۔ انشاءاللہ مشکل حل ہو جائے گی۔ ابھی غلام نے ان اشعار کو پڑھنا شروع کیا ہی تھا کہ اس اثنا میں بادشاہ کی طرف سے ایک آدمی آیا اور کہنے لگا کہ بادشاہ کی کنیز بیمار ہوگئی ہے اور معالج نے کہا ہے کہ ایک موتی توڑ کر اور پیس کر کنیز کو کھلایا جائے تو وہ صحت یاب ہو جائے گی۔ لہٰذا بادشاہ کا حکم ہے کہ اس موتی کو توڑ کر فوراً سفوف بنایا جائے۔

بشر کا انجام

وہ امور معنوی جو آخرت سے تعلق رکھتے ہیں، انہیں اسباب وعلل موجود ہوتے ہوئے اللہ تعالیٰ انہیں یکسر معطّل و بے اثر کر دیتا ہے۔ جیسا کہ وہ لوگ جو اپنے نفس کے ساتھ جہاد کر کے سعادت وخوش نصیبی کے اسباب فراہم کرتے ہیں وہ بلند مرتبوں پر فائز ہو گئے ہیں۔

لیکن اس کے بعد اس قسم کے اشخاص پیغمبروں کی پیروی نہ کرنے اور بڑے گناہوں کے مرتکب ہونے کی بنا پر ان کے اعمال باطل قرار پاتے ہیں۔

بلعم باعور اور اس ابدی بد بختی

بلعم باعور کمالات اور بلند درجات کی انتہاؤں پر فائز تھا۔ لیکن بادشاہ وقت کی خواہش پوری کرنے کی خاطر اپنے زمانہ کے پیغمبر خدا کی مخالفت پر اُتر آیا۔ وہ نفسانی خواہشات کے جال میں پھنس گیا تھا اور جہنم کے ساتویں طبقے (اسفل السافلین) میں ہمیشہ کے لیے گرفتار ہو گیا۔ قرآن مجید میں اسے کتے سے تشبیہ دی گئی ہے۔

فَمَثَلُهُ كَمَثَلِ الْكَلْبِ اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ اَوْتَتْرُكْهُ يَلْهَثْ

''تو اس کی مثال اس کتے کی سی ہے جس کو اگر دھتکارو تو بھی زبان نکالے رہے اور اگر چھوڑ دو تو بھی زبان نکالے رہے۔''

تنبیہ

اہل معرفت اور صاحبان ایمان جو کہ معنوی بلند درجات پر فائز نہیں، اُنہیں کبھی بھی اپنی ذات پر بھروسہ وتکیہ نہیں کرنا چاہیئے اور وہ ہر لحظہ بُری حالت میں عمر کے تمام ہونے سے خائف رہیں۔ چونکہ تمام موجودات کا مرکزِ اعتماد وتکیہ گاہ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ خوشحالی وشاردمانی کے ظاہری اسباب کو ہر گز دائمی اور مستقل طور پر موثر نہیں جاننا چاہیئے۔ کیونکہ خالقِ حقیقی تمام اسباب کے بے اثر کرنے پر قادر ہے۔

حسنِ عاقبت

آخرت کے معنوی امور واسباب جب بالکل ہی معدوم تھے تو پروردگارِ عالم نے اپنے فضل وکرم سے اسباب مہیّا کیے۔ اس بارے میں بہت سی روایتیں اور حکایتیں نقل کی گئی ہیں جس میں بے شمار لوگوں کی شقاوت وبدبختی اور غم واندوہ کے گہرے کنوؤں میں پریشانیٔ حال کے اسباب ذکر کئے گئے ہیں۔ باوجود اس کے کہ اشخاص اپنے خالق سے دور تھے پھر بھی رحمت الٰہی کی گھنگور گھٹائیں اچانک پھیلنے لگیں۔ اس کے فضل وکرم کے جھونکے چلنے لگے۔ اجڑی ہوئی کھیتیاں سرسبز وشاداب ہونے لگیں اور ان الٰہی نعمتوں کے مشاہدے سے ہر عاقل وہوشمند اپنی جگہ انگشت بدندان رہ گیا ہے۔

فرعونی جادوگر

جادوگر کے شقی اور دوجہاں کے بدنصیب ہونے کے لیے اتنا کہہ دینا کاری ہے کہ جادوگری نہایت گندہ کاروبار اور موجب گناہ کبیرہ ہے۔ جادوگر حضرت موسیٰ - جیسے جلیل القدر پیغمبروں کے مقابلے کے لیے کھڑے ہو گئے تو اچانک لطف ومہربانی پروردگار عالم ان کے شامل حال ہوئی اور حقیقت مجسم ہو کر ان کے سامنے آ گئی۔ فوراً ان کی حالت وطبیعت پلٹ گئی۔ یہاں تک کہ فرعون کی سخت دھمکیوں سے بھی ذرہ برابر مرعوب نہیں ہوئے۔ حالانکہ حضرت موسیٰ - پر غالب ہونے کی صورت میں فرعون نے جادوگروں کو مال وریاست دینے کا وعدہ کیا تھا۔

لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِنْ خِلَافٍ وَّ لَاُصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِيْنَ قَالُوْا لَاضَيْرَ لَنَا اِنَّا اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ (سورہ ۲۶۔ آیہ ۵۰)

''تمہارے ایک طرف کے ہاتھ اور دوسری طرف کے پاؤں کاٹ ڈالیں گے اور تم سب کو سولی دے دیں گے۔ وہ (جواباً) بولے، کچھ پرواہ نہیں۔

ہم کو تو ہر حال میں اپنے پروردگار کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔''

آسیہ ایک مومنہ خاتون تھی

اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے معنوی واخروی معراج عطا کر دیتا ہے۔ حضرت آسیہ جو کہ فرعون کی بیوی تھیں، نہایت عیش وعشرت سے زندگی گذار رہی تھیں، دنیاوی نعمت ودولت سے مالا مال تھیں، لیکن اچانک ان کا دل نورِ ایمان سے منوّر ہوا اور اس حد تک آپ کا دل مطمئن وقوی ہو گیا کہ فرعون کی مسلسل اذیتوں اور گوناگوں مصائب کے باوجود آپ کے پائے ثبات میں قطعاً کوئی لغزش نہ آئی اور نہایت پامردی سے آپ اپنے نظریہ پر قائم رہیں۔ اور آپ نے نہایت دلیری کے ساتھ پروردگار عالم اور اس کے رسول حضرت موسیٰ - پر ایمان لانے کا اعلان کر دیا۔ جس وقت آپ کو شہید کیا جا رہا تھا اور آپ آخری سانس لے رہی تھیں تو آپ نے اپنے خالق سے یہ دعا مانگی:

وَضَرَبَ اللّٰهُ مثلاً لِّلَّذِيْنَ آمَنُوْا امْرَاَةَ فِرْعَوْنَ اِذْ قَالَتْ رَبِّ ابْنِ لِيْ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ وَنَجِّنِيْ مِنْ فِرْعَوْنَ عَمَلِهٖ وَنَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ (سورہ ٦٦. آیہ ١١)

''اور خدا نے مومنین (کی تسلی) کے لیے فرعون کی بیوی (آسیہ) کی مثال بیان فرمائی ہے۔ جب اس نے دعا کی، پروردگار! میرے لیے اپنے یہاں بہشت میں ایک گھر بنا اور مجھے فرعون اور اس کی کارستانی سے نجات دے اور مجھے ظالم گروہ سے نجات دے۔''

اصحابِ کہف

اصحابِ کہف، جن کی تعداد سات بتائی جاتی ہے، یہ لوگ دقیانوس بادشاہ کے وزیر اور رؤساءِ مملکت تھے۔ دقیانوس کے دعویٰ خدائی کی تائید وحمایت کرتے تھے۔ دفعتہً ان کی آنکھیں کھل گئیں، ان کے قلوب نورِ ایمان سے روشن ہونے لگے، انہیں دقیانوس کے باطل عقیدہ کا احساس ہو گیا۔ چنانچہ دنیوی اقتدار وعزت اور خواہشات نفسانی سے صرف نظر کرتے ہوئے شہر کو چھوڑ کر پہاڑوں اور جنگلوں کی طرف چلے گئے اور کسی غار میں روپوش ہو گئے۔

ان کے حالات سورۂ مبارکۂ کہف میں مفصّل ذکر کیے گئے ہیں۔ قیامت تک ان کے نام تاریخ عالم میں ثبت ومحفوظ رہیں گے۔

موت سے پہلے بیداری

بہت سے ایسے گناہ گار دیکھنے میں آئے ہیں کہ گناہان کبیرہ میں ملوّث ہو کر اس قدر شقی وبد بخت ہو گئے تھے کہ ان کی راہ نجات کا تصوّر بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ لیکن بے خبری میں اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم ان کے شامل حال ہوا اور اپنے کیے ہوئے پر یک دفعہ نادم ہوئے اور توبہ واستغفار کرنے لگے۔ آخر کار ان کی عاقبت بخیر وخوبی انجام پائی۔ وہ روز قیامت خوش نصیب افراد کے ساتھ محشور ہوں گے۔

مسلمان ہوتے ہی وفات پا گئے

ان خوش نصیب لوگوں میں ایک 'مخریق' یہودی ہے۔ اُحد کی جنگ میں اپنے قبیلے والوں سے مخاطب ہو کر کہنے لگا کیا تمہیں معلوم نہیں محمد ﷺ ہی سچا اور موعود پیغمبر ہے؟ کہنے لگے: کیوں نہیں۔ تو کہا پھر اس کی نصرت کیوں نہیں کرتے؟ قبیلے والوں نے جواب دیا: آج ہفتہ ہے (یعنی چھٹی کا دن ہے)۔ اس یہودی نے کہا: ہفتہ کی تعطیل دین موسیٰ - کی رسم تھی۔ وہ اسے منسوخ سمجھتے ہیں۔ انہیں یہ قبول نہیں۔ جب قوم وقبیلہ سے انکاری جواب ملا تو مخریق تنہا آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ایمان لے آیا۔ وہ بہت مال دار تھا۔ اس نے اپنی ساری دولت آنحضرت ﷺ کے حوالے کر دی اور خود میدان جنگ میں کفار سے لڑتے لڑتے شہداء سے ملحق ہو گیا۔ کہا جاتا ہے حضور اکرمؐ کے اکثر صدقات اس شہید سعید کے مال ودولت سے تھے۔

ابدی خوش بختی

حر بن یزید ریاحی جس نے سید الشہداء - کا راستہ بند کر کے واپس جانے سے بھی روک دیا اور کربلا میں ٹھہرنے پر مجبور کر دیا۔ اس کے لیے اتنے بڑے گناہ اور ظلم میں ملوّث ہونے کے بعد بظاہر نجات کی امید نظر نہ آتی تھی لیکن جب روز عاشورا امام مظلوم کا خطبہ اور آخری استغاثہ سنا تو منقلب ہو گیا۔ فضل ورحمت الٰہی شامل حال ہو گئی۔ اس نے توبہ کی اور اپنے کیے پر نادم ہوا۔ نتیجتاً شہدائے کربلا کے گروہ میں شرف شمولیت حاصل کر لی۔ اور اس طرح ابدی خوش بختی سے فیض یاب ہوا۔ چنانچہ جب آخری لمحات میں حضرت امام حسین - اس کے پاس پہنچے تو اُسے بشارت دی:

اَنْتَ حُرٌّ كَمَا سَمَّتْكَ اُمُّكَ

''تو آزاد ہے جیسے کہ تیری ماں نے تیرا نام رکھا۔''

کیا عقل مند نا امید ہوتا ہے

انسان کو کبھی بھی نا امید نہیں ہونا چاہیئے اور یہ تصوّر بھی نہیں کرنا چاہیئے کہ انسانیت کے اعلیٰ مراتب کیونکر طے کرسکتا ہے؟ اگر چہ اس قسم کی نا امیدی (رحمت الٰہی سے مایوسی) حرام یا گناہ کبیرہ تو نہیں ہے پھر بھی مومن کے لیے یہ گمان زیب نہیں دیتا کہ روحانی درجات کی پیش رفت کے لیے ظاہری اسباب کو موثر سمجھے، مثلاً جوانی کی طاقت، سوچ وسمجھ اور کام کرنے کی صلاحیت اور جذبۂ محنت درکار ہے۔ ایسا ہرگز نہیں بلکہ بہت سے اشخاص مذکورہ ظاہری اسباب سے محروم تھے مگر جب فضل رحمت خدا موجزن ہوئی تو بلند ترین مقامات پر پہنچ چکے تھے۔ جیسے فضیل بن عیاض، عمران صابی، برہم نصرانی اور صاحب ریاض وغیرہ۔ یہ لوگ اس وقت خواب غفلت سے بیدار ہوئے جبکہ بڑھاپے سے ضعیف ہوگئے تھے اور عمل ومحنت کی طاقت ان سے ختم ہوچکی تھی۔

نا امیدی گناہ بزرگ

مایوسی کفر کے ناپاک آثار کا لازمہ اور رب العزت کی عظمت وشان سے انکار کے مترادف ہے۔ جس نے اللہ تعالیٰ کو اس کی قدرت کاملہ، فضل وکرم اور علم ورزاقیّت سے پہچان لیا اور جانتا ہے کہ وہ سارے عوالم امکان کا پیدا کرنے والا اور تمام عوالمِ وجود کو تربیت دینے والا ہے۔ اس کی قدرت لامحدود، اس کی حکمت ورحمت لامتناہی ہے۔ تمام ممکنات کے ہر فرد کو جو کچھ ضرورت ہے اسی کریم کا فیضانِ رحمت ہے۔ چنانچہ نا امیدی کے عالم میں متحیّر وغمگین رہنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ نا امیدی گناہ کبیرہ ہے۔

خلقت انسانی پر ایک نظر

خالقِ حقیقی ماں کے رحم میں بچے کی نگہداری سے غافل نہیں رہتا وہ غذائی مواد کو حیران کن ترکیب وطریقے سے فراہم کرتا ہے۔ بچہ جب شکم مادر سے باہر آتا ہے تو اس کا معدہ نہایت نازک ہوتا ہے۔ اس لئے وہ نئے عالم کی مختلف اشیاء سے مرکب غذا ہضم کرنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ اس بناء پر بچہ کی کیفیّت کو مدِنظر رکھتے ہوئے اس دنیا کی مختلف غذائیں شیرِ مادر کے ذریعے (لَبَناً خالِصاً) اسے بہم پہنچاتا ہے۔ جب غذا ہضم کرنے کی طاقت اس کے بدن میں پیدا ہوتی ہے تو اسے کاٹنے اور چبانے کے لئے دانت مرحمت فرماتا ہے اور اسی طرح دوسری ظاہری وباطنی قوتیں بتدریج پیدا کرتا ہے۔

قدرت کا کرشمہ اور اس کی مہربانی کو دیکھئے کہ ابتداء پیدائش میں بچہ ضعیف ونا تواں ہوتا ہے اور اس کی نگہداری اور پرورش کرنے کا محتاج ہوتا ہے۔ اس کمی کو پورا کرنے کے لئے اللہ میاں کے دل میں شوق محبت بھر دیتا ہے کہ اس طرح ایک آن بھی اس سے جدا ہونا گوارا نہیں ہوتا وہ رات کا آرام دن کا چین اور تمام امکانات اس پر قربان کردیتی ہے اسی لئے معصوم اپنے دعائیہ جملوں میں ارشاد فرماتے ہیں:

یَامَنْ اَشفَقُ من اَبِیْ و اُمّی

اے پروردگار تو میرے ماں باپ سے زیادہ شفیق ومہربان ہے۔

پس ہمیں پر امید رہنا چاہیئے

مذکورہ گفتگو اور ہزار ہا دوسری باتیں جو یہاں ذکر نہیں ہوئیں ان پر غور وفکر کے بعد کیا یہ مناسب ہوگا کہ بندہ پروردگار عالم اور اپنے مہربان خدا سے کسی امر کی اصلاح یا کسی مشکل کام کی آسانی کے لیے مایوسی کا اظہار کرے اور عبد معبود سے امید کے رشتوں کو منقطع کرے۔ یقیناً ہرگز ایسا نہیں ہے بلکہ ہمیں خلّاق دوجہاں سے ہر حال میں ہر لحظہ پرامید رہنا چاہیئے۔

نا امیدی کفر یا کم علمی کی علامت ہے

مایوسی باطنی کفر ہے یا پھر اپنے پروردگار کی عظمت وقدرت سے بے خبری اور غفلت کا نتیجہ ہے اس لیے ایسے اشخاص پہلے اپنے نفس کی اصلاح کریں بصورت دیگر دونوں صورتیں گناہ کبیرہ میں شمار ہوں گی۔

موّحد خداوندِ عالم پر ایمان لانے کے بعد کسی کام میں اپنے پروردگار سے نا امید ہو جائے تو اس صورت میں وہ کفر کی مذموم صفت سے متّصف ہو جاتا ہے۔ اس بارے میں قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

اِنَّهُ لَایَایْئَسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّاالْقَوْمُ الْکَافِرُوْنَ. (سورہ ۱۲. آیت ۸۷)

''یقیناً خدا کی رحمت سے سوائے کافر لوگوں کے اور کوئی نا امید نہیں ہوتا۔''

ہر ایک کی فطرت امید سے وابستہ ہوتی ہے

جب تک آدمی اپنی فطرت اولیہ گہری نظر سے دیکھتا ہے دل کی آنکھ سے اندھا نہیں ہوتا، تب تک وہ اپنے رب سے مایوس نہیں ہوتا اور جب تک نور ایمان اس کے دل میں روشن رہتا ہے مکمل طور پر اپنے مبدأ (مرکز وجود) سے امید کا سلسلہ منقطع نہیں کرتا، بلکہ وثوق سے امید رکھتا ہے۔ اگر غفلت کی وجہ سے کبھی مایوسی سے دوچار ہو جائے تو اپنے خالق کی بے پناہ رحمت کی طرف متوجہ ہو کر اُسے یاد کرے اور پشیمان ہو جائے، اس کی امور کا اصلاح کرے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت کرے گا۔

نا امیدی کا علاج

پہلا: دنیا کے مادّی امور کا علاج

(۱) قدرت خدا

سوچنا چاہیے کہ اس کی اور تمام مخلوقات کی حاجت پروردگار عالم کی لامتناہی قدرت کے سامنے ناچیز اور ہیچ ہے۔ اُس قادر مطلق جس نے اس وسیع و عریض کرّۂ زمین کو اور ساتوں آسمان جن کی عظمت و آثار سوائے خدا کے کسی اور کو معلوم نہیں، نہایت منظّم اور معین نظم و نسق کے ساتھ گردش میں رکھا ہوا ہے، اُس کے حکم کے بغیر سوئی کے سرے کے برابر بھی ایک لمحہ کے لیے پس و پیش کی مجال نہیں۔ عقول بشری اس کی عظمت و قدرت کے احاطہ سے عاجز و حیران ہیں۔ ایسا عظیم و حکیم پروردگار کے سامنے کیا ایک بندے کی حاجت روائی سے وہ عاجز ہے؟ ہرگز نہیں۔ جب ایسا ہے تو قطع امید کیوں؟

(۲) ذاتی تجربات

احساس کرنا چاہیئے کہ خداوند عالم نے ماضی میں کن کن ظاہری و باطنی نعمتوں و رحمتوں سے نوازا ہے۔ قادر مطلق نے ظلمات ثلاث (تین تاریکیوں) یعنی بچہ دانی، رحم اور شکم مادر سے بتدریج سلامتی سے گذار کر عالم وجود میں لایا اور ایک لمحہ بھی اس سے غافل نہیں رہا۔ ہر وقت، ہر مرحلے میں جو کچھ ضروریات تھیں، مانگے بغیر انہیں عطا کیا۔ نہایت خطرناک حالتوں سے نجات عطا کی۔ مختلف امراض سے شفا دی، پریشانیوں اور مشکلات کو آسان فرمایا۔ کتنی ہی نعمتوں سے نوازا۔ باوجود ان سب کے نا امیدی کس لیے؟ کیا وہ ہماری حاجت روائی سے عاجز ہے یا بخیل ہے؟ یا ہماری حالت سے یکسر بے خبر رہ چکا ہے۔ استغفر اللّٰہ العظیم. حاشا و کلّا.

(۳) خارجی مثالیں

ان لوگوں کے حالات ملاحظہ کیجئے جو نہایت پریشانی و درد میں مبتلا ہیں لیکن اپنے پروردگار سے مایوس نہیں ہوئے بلکہ اللہ تعالیٰ سے التجا کیے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کی دعائیں قبول کیں اور وہ آسودہ حال ہو گئے۔ بلکہ کبھی ان کے سوال کیے بغیر ان کی فریاد سن لی۔ مثلاً بے اولاد ہے اور عمر رسیدہ ہونے کی بنا پر مایوس ہو گیا۔ بیوی بھی بانجھ ہے۔ اس کے باوجود خداوند کریم نے آخری عمر میں بھی اولاد عطا فرما دی۔

حضرت ابراھیم - اور فرزند نرینہ

حضرت ابراہیم - ایک سو بارہ دوسری روایت کے مطابق ایک سو بیس سال اور آپ کی زوجہ محترمہ حضرت سارہ نوّے یا ننانوے سال کی ہو گئی تھیں لیکن کوئی اولاد نہ تھی۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتہ بھیج کر ان کو بشارت دی کہ آپ کو بیٹا عنایت فرمائے گا۔

وَامْرَاَتُهٗ قَائِمَةٌ فَضَحِكَتْ فَبَشَّرْنَاهَا بِاِسْحٰقَ وَمِنْ وَّرَاءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ.

''اور ابراہیم - کی بیوی (سارہ) کھڑی ہوئی تھی وہ یہ خبر سن کر ہنس پڑی تو ہم نے انہیں اسحٰق کے (پیدا ہونے کی) خوش خبری دی اور اسحٰق کے بعد یعقوب کی۔''

قَالَتْ يٰوَيْلَتٰى ءَاَلِدُ وَاَنَا عَجُوْزٌ وَّهٰذَا بَعْلِىْ شَيْخًا اِنَّ هٰذَا لَشَىْءٌ عَجِيْبٌ

''وہ کہنے لگیں، ہائیں، میں اب بچہ جنوں گی۔ میں تو بڑھیا ہوں اور میرے میاں بھی بوڑھے۔ یہ تو بڑی تعجب خیز بات ہو گی۔''

قَالُوْا اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ اِنَّهٗ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ

''فرشتے اس کے جواب میں بولے، کیا تم خدا کی قدرت سے تعجب کرتی ہو۔ اے اہل بیت نبوت تم پر خدا کی رحمتیں اور برکتیں (نازل ہوں) اس میں شک نہیں کہ وہ قابل حمد و ثنا بزرگ ہے۔''

مختصر یہ کہ رحمت خداوندی حضرت ابراہیم -وحضرت سارہ کے شامل حال ہوئی اور ان کے یہاں حضرت اسحٰق پیدا ہوئے۔

حضرت زکریاؑ اور ان کے فرزند حضرت یحییٰؑ

حضرت زکریا کی عمر شریف ننانوے سال اور ان کی بیوی کی اٹھانوے سال تھی۔اس قدر ضعیفی کے باوجود آپ رحمت خداوندی سے مایوس نہ ہوئے اور پروردگار عالم سے راز و نیاز کرتے رہے:

قَالَ رَبِّ اِنِیْ وَهَنَ الْعَظْمُ مِنّیِ وَاشْتَعَلَ الرَّاْسُ شَیْباً وَّلَمْ اَکُنْ بِدُعَائِکَ رَبِّ شَقِیّاً وَاِنّیِ خِفْتُ الْمَوَالِیَ مِنْ وَّرَائِیْ وَکَانَتْ اِمْرَاَتِیْ عَاقِراً فَهَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْکَ وَلِیّاً یَّرِثُنِیْ وَیَرِثُ مِنْ اٰلِ یَعْقُوْبَ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِیًا یَازَکَرِیَّا اِنَّا نُبَشِّرُکَ بِغُلٰمٍ نِ اسْمُهُ یَحْییٰ لَمْ نَجْعَلهُ لَّهُ مِنْ قَبْلُ سَمِیّاً قَالَ رَبِّ اَنّیٰ یَکُوْنُ لِیْ غُلٰمٌ وَّکَانَتِ امْرَاَتِی عَاقِراً وَّقَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْکِبَرِ عِتِیّاً قَالَ کَذٰلِکَ قَالَ رَبُّکَ هُوَ عَلَیَّ هَیِّنٌ وَّقَدْ خَلَقْتُکَ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ تَکُ شَیْئاً

''عرض کی: اے میرے پالنے والے! میری ہڈیاں کمزور ہوگئی ہیں۔ بڑھاپے سے سر کے بال سفید ہو چکے ہیں۔اے پالنے والے تیری بارگاہ میں دعا کر کے ناامید نہیں رہا ہوں اور میں (اپنے مرنے کے بعد) اپنے وارثوں سے ڈرتا ہوں (مبادا بنی اسرائیل کے میرے چچازاد بھائی میرا ترکہ حاصل کر کے آپ کی مرضی کے خلاف خرچ کریں) اور میری بیوی (ام کلثوم بنت عمران) بانجھ ہے۔پس تو مجھ کو اپنی بارگاہ سے ایک جانشین (فرزند) عطا فرما جو میری اور یعقوب کی نسل کی میراث کا مالک ہو اور اس کو شائستہ بندہ بنا۔فرمایا: (اے زکریا) ہم تم کو ایک لڑکے کی خوش خبری دیتے ہیں، جس کا نام یحییٰ ہوگا اور ہم نے اس سے پہلے کسی کو اس کا ہم نام نہیں پیدا کیا۔زکریا نے عرض کی: اے میرے پروردگار! بھلا مجھے لڑکا کیونکر پیدا ہوگا اور حالت یہ ہے کہ میری بیوی تو بانجھ ہے اور خود حد سے زیادہ بڑھاپے کو پہنچ چکا ہوں۔

(خدا نے فرمایا) سچ ہے۔حالت یہی ہے (مگر) تمہارا پروردگار فرماتا ہے: یہ بات ہم پر (کچھ دشوار نہیں) آسان ہے۔اور (تم اپنے کو تو یاد کرو) اس سے پہلے تم کو پیدا کیا حالانکہ تم کچھ بھی نہ تھے۔''

آخرکار اللہ تعالیٰ نے زکریا -کی دعا قبول فرمائی اور حضرت یحییٰ متولد ہوئے۔

اگر کوئی شخص لمبی مدت والی کسی بیماری میں مبتلا ہے اور اس علاج نہیں ہو رہا ہے اور بظاہر ناامید ہے تو یہ بھی دو باتوں سے خالی نہیں۔پہلی یہ کہ مطابق احادیث بیماری اس کے گناہوں کا کفارہ ہوگی۔دوسری یہ کہ مرض طولانی ہونے کے بعد مایوسی کے عالم میں دعا و مناجات اور صدقہ سے شفا حاصل ہوتی ہے۔اس طرح نجات حاصل کرنے کی سعی ہو جاتی ہے۔

حضرت ایوب - اور بلائیں

انسان کو ندامت اور بصیرت حاصل کرنے کے لیے حضرت ایوب - کے حالات کا مطالعہ کرنا چاہیئے۔سات سال یا بنا بر روایتِ دیگر اٹھارہ سال شدید مرض و تکلیف میں مبتلا ہونے کے بعد عرض کیا:

رَبِّ اِنِّیْ مَسَّنِیَ الْضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرَّاحِمِیْنَ.

''اے میرے پروردگار! بے شک میں ضرر (جانی و مالی) سے دوچار ہوں۔اب تو سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے (اور تیری ہی امید ہے)۔''

اللہ تعالیٰ نے دعا قبول فرمائی، بیماری سے شفا عطا فرمائی اور مال و دولت واپس دے دیا۔

فقر و تنگ دستی میں حکمت پوشیدہ ہے

اگر کوئی عرصہ دراز پریشانی کی حالت میں رہا ہو اور چاروں طرف سے راہِ نجات مسدود ہوگئی ہو تو یہ دو حالتوں سے باہر نہیں۔اول یہ کہ اس کی تنگ دستی و پریشانی میں ایسی حکمت و مصلحت پوشیدہ ہوتی ہے کہ اگر ابتدا سے وہ خود آگاہ ہوتا تو اسی فقیری کو اختیار کرتا اور اس پریشانی کو خندہ پیشانی سے قبول کر لیتا اور خوش حال رہتا۔دوئم یہ کہ جو لوگ صبح کا وقت نہایت فقیری اور بے توانی میں گذار لیتے ہیں وہ شام کے وقت انتہائی آرام و آسائش سے بے نیاز ہو جاتے ہیں۔

خالی ہاتھ میں دولت

نمونے کے طور پر ایک عجیب و غریب کہانی کتاب ''فرج بعد الشدۃ'' سے یہاں نقل کی جاتی ہے۔وہ یہ کہ: ایک بڑا تاجر کہتا ہے کہ میں حج کے سفر میں تھا۔میرے ساتھ تین ہزار دینار سونے اور جواہرات کی تھیلی تھی جسے میں اپنے کمر بند میں باندھے ہوئے تھا۔ایک مقام پر رفع حاجت کے لیے کمر بند کھول کر

بیٹھا تو وہیں تھیلی گر گئی۔ وہاں سے آگے کئی میل دور جانے کے بعد مجھے یاد آیا۔لیکن واپسی ممکن نہ تھی۔ چونکہ میرے پاس مال و دولت بکثرت تھی اس لیے میں چنداں متاثر نہیں ہو۔ اتفاقاً جب وطن واپس پہنچا تو گرفتاریوں اور پریشانیوں کے دروازے میرے سامنے یکے بعد دیگرے کھلنے لگے اور بتدریج سارے اموال میرے ہاتھ سے نکل گئے۔ میری عزت، ذلت میں تبدیل ہوگئی۔ دوست احباب سے شرمندگی، دشمن کی چہ می گوئی اور مال و اقبال کی بربادی سے تنگ آکر وطن چھوڑنے پر مجبور ہو گیا۔ مسافرت کے دوران رات کسی دیہات میں بسر کی۔ میرے ساتھ مال دنیا میں چاندی کے سکے کا چھٹا حصہ تھا۔ اندھیری رات کے علاوہ بارش بھی ہو رہی تھی۔ میں اپنی بیوی کے ساتھ ایک معمولی مسافر خانے میں رات گذارنے چلا گیا۔ اتفاقاً وہیں بیوی کے وضع حمل کے آثار نمودار ہونے لگے اور بچہ کی ولادت بھی ہوگئی۔ بیوی مجھ سے کہنے لگی کہ مجھے جلد از جلد کچھ کھانے کے لیے دو ورنہ میں بھوک سے مر جاؤں گی۔ چنانچہ نہایت پریشانی کے عالم میں ایک سبزی فروش کے مکان پر گیا۔ مجبوری ظاہر کی تو بڑی مشکل سے دروازہ کھولا۔ میں نے چاندی کا سکہ اسے دے دیا۔ اس نے تھوڑا سا دہی اور گھی ٹھیکرے کے برتن میں لا کر مجھے دیا۔ یہ لے کر جب مسافر خانہ کے نزدیک پہنچا تو میرے پاؤں پھسل گئے اور میں گر پڑا۔ ٹھیکرے کا برتن ٹوٹ گیا اور جو کچھ اس میں تھا وہ گر گیا۔ اس وقت میرے صبر کا پیمانہ چھلک گیا، زندگی سے جی بھر گیا، دونوں ہاتھوں سے اپنے رخساروں پر طمانچے مارنے لگا اور بے اختیار بلند آواز سے رونا شروع کر دیا۔ سامنے ہی بلند و بالا شان دار مکان تھا۔ ایک آدمی نے اس کھڑکی سے سر نکال کر مجھے آواز دی کہ اس آدھی رات کو تم کیا شور وغل کر رہے ہو اور ہمارے آرام کو کیوں خراب کر رہے ہو؟ تم کون ہو؟

جواباً میں نے اپنا تمام ماجرا مختصراً اُسے سنایا تو وہ کہنے لگا یہ سارا شور و فریاد کیا صرف چاندی کا سکہ ضائع ہونے پر کر رہے ہو؟ شرم کرو۔

اس کی باتوں سے میرا دل مزید جل گیا۔ میں نے کہا: بھائی خدا بہتر جانتا ہے میں اس قدر کم ظرف و نادار نہیں تھا۔ لیکن اس وقت میں اور میری بیوی و بچہ بھوک کی شدت سے جان بلب ہیں۔ میں بیوی اور بچہ کی حالت سے پریشان ہوں۔ خدا کی قسم فلاں سال میں نے حج کیا تھا اور بہت ثروت مند تھا۔ فلاں منزل پر تین ہزار دینار اور سونا جواہر سے بھری ہوئی تھیلی گم ہوگئی جس سے میں متاثر نہیں ہو۔ چونکہ اور بھی دھن دولت محفوظ تھا۔ آپ اللہ سے ڈریں اور مجھے بُرا بھلا نہ کہیں۔ جب یہ باتیں اس نے سنیں تو کہنے لگا کہ تیری تھیلی کی کیا نشانی ہے؟ مجھے رونا آیا اور کہا کہ آپ مجھے اس موقع پر یہ کیوں پوچھ رہے ہیں؟ وہ گھر سے باہر آیا اور کہنے لگا جب تک اپنی تھیلی کی نشانی نہ بتاؤ گے میں تمہیں نہیں چھوڑوں گا۔

پس میں نے اس کو نشانیاں بتائیں تو میرا ہاتھ پکڑ کر وہ اپنے گھر لے گیا اور کہا تیرے بیوی اور بچے کہاں ہیں۔ میں نے ان کا پتہ بتایا۔ اس نے اپنے غلام کو حکم دیا کہ جا کر اُنہیں لے آئے۔ چنانچہ غلام گیا اور لے آیا اور اپنے حرم سرا میں جگہ دے دی اور دیگر ضروریات فراہم کر دیں۔ جب صبح نمودار ہوئی تو کہنے لگا کہ اپنی بیوی کے صحت یاب ہونے تک تم یہیں رہو۔ دس دن تک مہمان کی طرح پذیرائی کرتا رہا اور روزانہ دس بیس دینار بھی دیتا رہا۔ میں ان سب باتوں سے متعجب ہوا کہ آخر اس قدر نوازش کیوں؟ پھر اس نے سوال کیا تمہارا کیا کاروبار ہے؟

میں نے کہا تجارت پیشہ ہوں اور اس فن میں مہارت رکھتا ہوں۔

میزبان نے کہا میں تم کو سرمایہ فراہم کرتا ہوں۔ تم شراکت پر خرید و فروخت شروع کرو۔ پھر دو سو دینار مجھے دیئے اور میں نے کاروبار شروع کر دیا۔ کچھ مدت بعد جتنا فائدہ حاصل ہوا تھا اس کے سامنے پیش کیا۔ وہ دوسرے کمرے میں گیا اور ایک تھیلی لے آیا۔ یہ وہی تھیلی تھی جو سفر حج میں کھو گئی تھی۔ اسے دیکھ کر بے حد خوشی ہوئی، حیرانی ہوئی۔ یہاں تک کہ میں بے ہوش ہو گیا۔ جب ہوش آیا تو میں نے کہا: اللہ، اللہ، اللہ یہ وہی تھیلی ہے جو سفر حج میں گم ہوگئی تھی۔ میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور اجازت لے کر اپنے وطن لوٹا۔ اس سے دوبارہ رحمت کے دروازے کھلنے لگے اور عیش و عشرت سے زندگی بسر ہونے لگی۔

عَسَىٰ اَنْ تَكْرَهُوا شَيْئاً وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَعَسَىٰ اَنْ تُحِبُّوا شَيْئاً وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ط

''عجب نہیں کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرو حالانکہ وہ تمہارے حق میں بہتر ہو اور عجب نہیں کہ تم کسی چیز کو پسند کرو حالانکہ وہ تمہارے حق میں بُری ہو۔''

سَيَجْعَلُ اللّٰهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُّسْراً ط

''خدا عنقریب ہی تنگی کے بعد فراخ عطا کرے گا۔''

مشکلات میں نا امیدی کا علاج

اگر کوئی زمانے کے حادثات میں مبتلا ہو جائے تو دو چیزوں کی طرف اپنی توجہ مبذول کرنا چاہیئے۔

اوّل یہ کہ اس دنیا کی زندگی ہر وقت آزمائش اور حادثات سے ٹکراؤ کرتی رہتی ہے اور کوئی ان سے بچ نہیں سکتا۔

دوسرے یہ کہ دوسرے لوگوں کی پریشانیوں اور برے حالات پر نظر رکھنا چاہیئے جو اس کی حالت سے بدتر ہے اسطرح کے تقابل سے غمزدہ دل کو سکون حاصل ہوتا ہے۔ انسان جتنے بھی مصائب و آلام سے دوچار ہو جائے پھر بھی رحمتِ الٰہی سے ہرگز ناامید نہیں ہونا چاہیئے۔ چونکہ ماضی میں بے شمار لوگ زمانے کے عجیب و غریب حادثات اور مصائب سے دوچار ہوئے اور چھٹکارے کا تصوّر بھی نہیں تھا مگر خدائے رحیم نے ان کو نجات بخشی۔ چنانچہ کتاب 'فرج بعد الشدّۃ' میں محترم مولف جناب حسین بن سعید دہستانی نے پانچ سو سے زیادہ ان لوگوں کی روایتیں نقل کی ہیں جن کو سختی و پریشانی کے بعد آسانی و راحت ملی۔ اس کے علاوہ ہمارے تجربات شاہد ہیں کہ بزرگانِ دین کے توسّل کی برکت اور صدقہ و دعاء کے اثر سے بہت سی سختیوں میں گرفتار اشخاص آزاد ہوئے۔

مذکورہ کتاب میں مدینہ کے کسی بزرگ سے یہ روایت منقول ہے؛ وہ کہتا ہے کہ میں نعمت و دولت سے مالا مال تھا۔ اچانک فقر و ناداری میں مبتلا ہو گیا۔ چنانچہ جناب حضرت جعفر صادقؑ کی خدمت میں باریاب ہو کر اپنی پریشانی عرض کی۔ آپ نے میری حالت دیکھ کر بہت ترس کھایا اور اظہارِ ہمدردی کیا نیز یہ اشعار میری تسلّی کیلئے ارشاد فرمائے

فَلا تَجزَعْ وَاِنْ اَعْسَرْتَ یَوماً
فَقَدْ اَیْسَرْتَ فِی الدَّهْرِ الطَّوِیْلِ

اگر کچھ دن سختی میں رہو تو بے صبری نہ کرنا۔ چونکہ تم نے طویل مدّت آرام و آسائش میں بسر کی ہے۔

فَاِنَّ العُسْرَ یَتْبَعُهُ الْیَسَارا
وَقَوْلُ اللّٰهِ اَصْدَقُ کُلَّ قِیْلٍ

پس بے شک ہر سختی کے بعد آسانی ہے۔ اور اللہ کا قول ہر قول سے سچا ہے۔

فَلَایَتأ سَ فَاِنَّ الْیَأسَ کُفْرٌ
لَعَلَّ اللّٰهَ یُغْنِیْ عَنْ قَلیْلٍ

تو مایوس نہ ہونا بیشک ناامیدی کفر ہے۔ شاید اللہ قلیل مدّت میں تجھے بے نیاز کر دے۔

فَلا تَظُنُنْ بِرَبِّکَ ظَنَّ سَوْءٍ
فِاِنَّ اللّٰهَ اَوْ فیٰ بِالْجَمِیْلِ

پھر اسکے بعد اپنے رب سے بدگمان نہ ہو جانا۔ یقیناً اللہ اچھے پیرائے میں اپنا وعدہ پورا کریگا۔

فَلَوْ اَنَّ الْعُقُوْلَ یَسُوْقُ رزقاً
لَکَانَ الْمَالُ عِنْدَ ذَوِیْ الْعُقُوْلِ

اگر لوگوں کی عقلیں رزق پیدا کرنے کا سبب ہوتیں تو دنیا کا مال و دولت صرف عقلاء کے ہاتھوں میں ہوتا۔

فَلا تَیَأَسْ اِذا مَانَابَ خَطْبٌ
فَکَمْ فِیْ الْغَیْبِ مِنْ عَجَبٍ عَجِیْبٍ

خبردار! اگر تم سختی کے جال میں پھنس جاؤ تو ناامیّد نہ ہونا۔ چونکہ پس پردہ قدرت کے عجیب و غریب کرشمے پوشیدہ ہیں۔

راوی کہتا ہے جب میں نے امام -سے یہ اشعار سنے تو اسقدر خوشی اور اطمینان خاطر ہو گیا کہ ناامیدیاں امید میں تبدیل ہو گئیں رحمت کے دروازے میرے سامنے کھلنے لگے اور بہت جلد اللہ تعالیٰ نے غم و فکر سے آزاد کر دیا۔

قَابِلِ توجّه

اس کتاب میں حضرت رسول اکرم ﷺ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ سارے ہموم و غموم اور سختیاں دور ہونے کیلئے یہ آیت مبارکہ تلاوت کی جائے

لَاالٰهَ اِلاَّ اَنْتَ سُبْحٰنَکَ اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظَّالِمِیْنَ. اَللّٰهُ رَبِّیْ لَا اُشْرِکَ بِهٖ شَیْئًا

یاد رکھیئے مایوسی تمام گزشتہ گناہوں سے بدتر ہے چونکہ مایوسی اس بات کی دلیل ہے کہ عبد و معبود کا رشتہ منقطع ہو گیا اور فطرت اولیہ سے صرف نظر کیا گیا ہے۔ ورنہ جب تک ذرہ برابر ایمان کسی کے دل میں موجود رہتا ہے تو اس کا پالنے والے سے لاتعلق ہونا محال ہے۔ البتہ یہ ممکن ہے کہ ناامیدی کے عالم

میں عقلت سے لاشعوری طور پر ساری امیدیں منقطع ہو جائیں پھر رحمت واسطۂ الٰہی کی طرف متوجہ ہو جائے اور نا امیدی کے گناہ سے توبہ کرے۔

بغیر استثناء سارے گناہ قابلِ بخشش ہیں

قرآن مجید اور متواتر احادیث اس بات کی دلالت کرتی ہیں کہ بغیر استثناء و تخصیص کے عمومی طور پر تمام گناہ جو انسان سے سرزد ہوتے ہیں ندامت و توبہ کے بعد قابل بخشش ہیں۔ اور یہ کہنا غلط ہے کہ فلاں گناہ توبہ و انابہ کے بعد بھی بخشنے کے قابل نہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:

هُوَ الَّذِیْ یَقْبَلُ التَّوبَةَ وَیَعفُوْ عَنِ السَّیِئَاتِ وَیَعْلَمُ مَاتَفْعَلُوْنَ

(سورہ ۴۲. آیت ۲۵)

''اور وہی ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور گناہوں کو معاف کرتا ہے اور تم جو بھی کرتے ہو اُسے جانتا ہے۔''

اللہ نے اپنا نام تَوّاب توبہ قبول کرنے والا غَفّارٌ بخشش کرنے والا غَفُوْرٌ زیادہ مغفرت کرنے والا غَافِرُ الذّنبِ گناہوں سے درگزر کرنے والا قَابِلُ التَّوْبِ توبہ قبول کرنے والا، رکھا ہے۔

خداوند عالم نے بغیر استثناء گناہ گاروں کو اپنی طرف پلٹنے کی عمومی دعوت دی ہے اور ان کو توبہ کا حکم دیا ہے۔ اس بارے میں سورۂ مبارکۂ الزمر کی ۵۴ ویں آیت کے مفہوم پر اگر غور کیا جائے تو اس صورت میں گناہ گاروں کی نا امیدی دور ہو جاتی ہے۔ اِسے آیت رحمت بھی کہتے ہیں۔

قُلْ یَاعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰی اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰه یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ.

''اے رسول ﷺ تم کہہ دو اے میرے بندو جنہوں نے (گناہ کبیرہ کر کے) اپنی جانوں پر زیادتیاں کی ہیں (یعنی افراط کر کے حد سے گزر گئے ہیں) تم لوگ خدا سے نا امید نہ ہونا بے شک خدا (تمہارے) سارے گناہوں کو بخش دے گا۔ بے شک خدا بڑا بخشنے والا ہے اور (بندوں پر) مہربان ہے۔''

لطیف نکات

اس آیۂ شریفہ میں چند نکات قابل ملاحظہ ہیں: اول یہ کہ فرمایا ''یَاعِبَادِیْ'' اے میرے بندو، یہ نہیں فرمایا ''یَا اَیُّهَاالْعُصَاةُ'' اے گناہ گارو۔ اگر چہ گناہوں میں ملوّث ہیں۔ پھر بھی عبد کو اپنی طرف نسبت دیتا ہے تا کہ کمال لطف و مرحمت کے اظہار سے بندے کی نا امیدی، امید میں بدل جائے۔ دوئم یہ کہ ''اَسْرَفُوْا'' فرمایا۔ اس خطاب میں نرمی اور عنایت کا پہلو ملتا ہے اور نہیں فرمایا ''اَخْطَئُوْا'' یعنی (اے خطا کارو) تا کہ بندۂ گناہ گار کی دل شکنی نہ ہو اور نہ وہ مایوس ہو جائے۔

نا امیدی حرام ہے

تیسرا نکتہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے گناہوں میں مرتکب افراد سے فرمایا ''لا تَقْنَطُوا'' تم لوگ رحمت خدا سے نا امید نہ ہونا۔ یہاں صیغہ نہی استعمال ہوا ہے۔ یہ بات واضح طور پر دلالت کرتی ہے کہ رحمت خدا سے مایوس ہونا ممنوع اور مغفرت سے نا امید ہونا حرام ہے۔

چوتھا نکتہ یہ کہ ''لا تَقْنَطُوا'' کی تسلّی کافی تھی۔ اس کے باوجود تاکید کے طور پر ایک جملہ اور اضافہ فرمایا اِنَّ اللّٰهَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اللہ تعالیٰ بلا استثناء تمام گناہوں کی مغفرت کے لیے عمومی اعلان کرتا ہے۔

پانچواں نکتہ کلمۂ ''جَمِیْعاً'' سے یہ مطلب روشن ہوتا ہے کہ مغفرتِ خداوندی کسی خاص گناہ کے لیے مخصوص نہیں بلکہ تمام گناہوں کی مغفرت کی بشارت ہے۔

چھٹا نکتہ دوسری مرتبہ ''اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمِ'' کہہ کر تاکید میں شدت کا اظہار فرمایا۔ یعنی اللہ تعالیٰ تمام گناہوں کو بخشنے والا مہربان ہے۔

پیغمبر کے قاتل کی بھی توبہ قبول ہوتی ہے

عَنْ جَابِر اَنَّهٗ قَالَ جَائَت اِمْرَاةُ النَّبِیّ (ص) فَقَالَتْ یَانَبِیَّ اللّٰهِ اِن امرَاَةٌ قَتَلَتْ وَلَدَهَا بِیَدِهَا هَلْ لَهَا مِنْ تَوْبَةٍ؟ فَقَالَ لَهَا وَالَّذِیْ نَفْسَ مُحَمَّدٍ بِیَدِهٖ لَوْ اَنَّهَا قَتَلَتْ سَبْعِیْنَ نَبِیّاً ثُمَّ تابَتْ وَنَدِمَتْ وَیَعْرِفُ اللّٰهُ مِنْ قِبْلِهَا اَنَّهَا لَا تَرْجِعُ اِلٰی الْمَعْصِیةِ اَبَداً لَقَبَّلَ اللّٰهُ تَوْبَتَهَا وَعَفیٰ عَنْهَا فَاِنَّ بَابَ التَّوْبَةِ مَفْتُوحٌ مَّا بَیْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَاَنَّ التَّائِبَ من الذَّنْبِ کَمَنْ لَا ذَنْبَ لَهٗ (الی الاخبار. باب ۳. ص ۲۳)

''جابر بن عبداللہ انصاریؓ سے منقول ہے کہ انھوں نے کہا ایک عورت حضرت رسول خدا ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کی اگر کوئی

عورت اپنے ہاتھ سے اپنے بچے کو قتل کرے تو کیا اس کے لیے توبہ ہے؟ آپ نے فرمایا اس خدا کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں محمد ﷺ کی جان ہے اگر اس عورت نے ستر پیمبروں کو بھی قتل کیا ہو اور وہ نادم ہو کر توبہ کرے اور خدائے تعالیٰ اس کی سچائی اور خلوص کو جانتا ہو، بایں معنی کہ دوبارہ معصیت نہیں کرے گی اس صورت میں ضرور اس توبہ قبول کر لی جائے گی اور اس کے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے بے شک توبہ کا دروازہ مشرق سے مغرب تک کھلا ہے اور یقیناً گناہوں سے توبہ کرنے والا ایسا ہے جسے اس نے سرے سے گناہ کیا ہی نہ ہو۔

قبولیت دعاء میں بھی ناامیدی غلط ھے

اگر کوئی شخص شرعی حاجت یا اخروی مطالب کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کرے لیکن وہ دعا قبولیت حاصل نہ کر سکے اور سائل مایوس ہو جائے تو اس کی دو صورتیں ہیں۔ اوّلاً جاننا چاہے کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے اور اس سے وعدہ خلافی ہرگز نہیں ہوتی کیونکہ وہ عمومی طور پر دعا کا حکم فرماتا ہے اور قبولیت کا وعدہ بھی کیا ہے جیسا کہ قرآن میں ارشاد ہوتا ہے:

وَاِذا سَالَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ اُجِیْبُ دَعْوَۃَ الدَّاعِ اِذَادَعَانِ فَلْیَسْتَجِیْبُوا لِیْ ط (سورہ۲ آیت۱۸۶)

(اے رسولؐ) جب میرے بندے میرا حال تم سے پوچھیں تو (کہہ دو کہ) میں ان کے پاس ہی ہوں۔ اور جب کوئی مجھ سے سوال کرتا ہے تو میں ہر دعا کرنے والے کی دعا قبول کرتا ہوں اور (جب بھی مناسب ہو) اجابت کرتا ہوں۔ اسی طرح ایک اور مقام پر ارشاد فرماتا ہے:

قَالَ رَبُّکُمُ ادْعُوْنِیْ اَسْتَجِبْ لَکُمْ

اور تمہارا پروردگار ارشاد فرماتا ہے کہ تم مجھ سے دعا مانگو میں تمہاری دعا قبول کروں گا۔

دوسری صورت یہ ہے کہ خداوندِ علیم و حکیم کسی حکمت و مصلحت کی بنا پر دعا کی قبولیت میں تاخیر بھی کر سکتا ہے۔ اس لئے جلد ناامید نہ ہونا چاہیئے۔

گناھوں کے باعث دعا قبول نھیں ھوتی

کبھی گناہوں کی وجہ سے دعا قبول نہیں ہوتی درحقیقت دعا کی قبول درگاہ ہونے میں تاخیر اس لئے ہوتی ہے کہ خداوندِ عالم اپنا لطف و کرم اس کے شامل کرنا چاہتا ہے اور بار بار توفیق دعا دے کر اسے اپنے مطالب میں کامیاب کرنا چاہتا ہے اور تاخیر کی مدت میں مسلسل توفیق دعاء دینا اپنی جگہ ایک بزرگ نعمتِ الٰہی ہے۔

دوسرا قابل توجہ نقطہ یہ ہے کہ تسلسل دعاء کے نتیجے آخر کار اس کی دعاء کو وہ مستجاب کرنا چاہتا ہے اور بندے کی آواز بار بار سننا چاہتا ہے۔

قبولیت دعاء میں تاخیر باعث قربت ھے

کبھی دعاء قبول درگاہ ہونے میں اس لئے تاخیر ہوتی ہے کہ دعاء بزرگ ترین عبادت ہے۔ اور اس کو ہمیشہ برقرار رکھنا رحمتِ خداوندی سے قریب تر ہونے کا سبب بنتا ہے اس لئے جسے وہ چاہتا ہے کہ خیر و خوبی کی توفیق دے اور لطف و عنایت سے نوازے تو اس کی دعاء قبول کرنے میں تاخیر کرتا ہے۔

علامہ مجلسیؒ حیات القلوب میں لکھتے ہیں کہ حضرت امام محمد باقرؑ سے یہ صحیح و مستند حدیث روایت ہے کہ حضرت ابراہیمؑ آبادیوں اور صحراؤں میں اس لئے پھرتے تھے کہ مخلوقاتِ پروردگار سے عبرت حاصل کریں۔ انھوں نے ایک دن کسی میدان میں ایک شخص کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا اس کے کپڑے بالوں سے بنائے ہوئے ہیں اور فضا اس کی آواز سے گونج رہی ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کو اس حالت سے تعجب ہوا اور اس کے نزدیک جا کر بیٹھ گئے یہاں تک کہ وہ نماز سے فارغ ہو گیا۔

حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا کہ مجھے تمھاری یہ روش پسند آئی۔ چاہتا ہوں کہ تیرے ساتھ دوستی کروں بتاؤ تمھارا گھر کہاں ہے تاکہ جب چاہوں تم سے ملاقات کر سکوں۔

اس نے عرض کی جہاں سے میں گزرتا ہوں وہاں سے تو عبور نہیں کر سکتا۔

فرمایا کیوں؟

اس نے کہا میں پانی کہ اوپر چلتا ہوں۔

آپ نے فرمایا وہ خدا جس نے تم کو پانی کے اوپر چلنے کی قدرت دی ہے وہی خدا میرے لئے پانی کو مسخّر بھی کر سکتا ہے۔ اٹھو! ہم دونوں ایک ساتھ چلیں گے اور آج رات میں تمھارے گھر ٹھہروں گا۔

جب دریا کہ نزدیک پہنچے تو اس شخص نے بسم اللہ کہہ کر دریا کو پار کر لیا حضرت ابراہیمؑ نے بھی بسم اللہ پڑھ کر دریا عبور کر لیا۔ اس شخص کو حیرت ہوئی ۔اس کے بعد دونوں گھر میں داخل ہو گئے حضرت ابراہیمؑ نے اس شخص سے دریافت کیا کہ کونسا دن تمام دنوں سے زیادہ سخت ہے۔

عابد نے کہا وہ دن سخت ترین ہوگا جب اللہ اپنے بندوں کو اعمال کی جزاء دے گا۔

حضرت ابراہیمؑ نے کہا آؤ ہم دونوں مل کر دعاء کریں کہ خدا ہم کو اس دن کے شر سے محفوظ رکھے۔

دوسری روایت میں ہے کہ حضرت خلیل اللہؑ نے فرمایا آؤ ہم دونوں ملکر گنہگار مومنین کیلئے دعاء کریں۔

عابد نے کہا میں دعاء نہیں کروں گا کیونکہ میں اللہ تعالیٰ سے ایک حاجت کیلئے تیس سال سے مسلسل دعاء کر رہا ہوں، مگر وہ اب تک پوری نہیں ہوئی تو دوسری حاجت کی گنجائش کہاں، لہٰذا میں اس سے مطالبہ ہی نہیں کروں گا۔

حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا: اے عابد جب بھی اللہ کسی بندے کو دوست رکھتا ہے تو اس کی دعاء روک لیتا ہے تا کہ وہ بندہ اپنے معبود سے بار بار راز و نیاز کرے اور طلب کرے۔ اور جب اللہ کسی بندہ سے دشمنی رکھتا ہے تو اسکی دعاء فوراً مستجاب ہو جاتی ہے یا اس کے دل میں مایوسی ڈال دیتا ہے تا کہ وہ دعاء نہ کرے۔

آپؑ نے عابد سے پوچھا بتاؤ تمھاری کیا حاجت تھی جو قبول نہیں ہوئی

عرض کیا: ایک دن اسی جگہ جہاں میں نماز پڑھ رہا تھا ایک ایسے بچے کو دیکھا جس کے حسن و جمال سے نورانی چہرہ چمک رہا تھا۔ وہ گائے بھیڑ اور بکریاں چرا رہا تھا۔ میں نے اس سے پوچھا یہ سب کس کے جانور ہیں؟ جواب دیا کہ یہ سب میری ملکیت ہے۔ میں نے پوچھا تو کون ہے؟ اس نے کہا میں خلیل خدا ابراہیم -کا بیٹا ہوں اسماعیل۔ اس وقت سے میں دعا کر رہا ہوں کہ: اپنے دوست ابراہیم -کی زیارت کروادے اور اسے پہنچوادے۔

حضرت ابراہیم -نے فرمایا: اب تیری دعا قبول ہوئی۔ وہ ابراہیم -میں ہی ہوں۔ پس عابد خوش ہو گیا۔ حضرت ابراہیم -کے گلے سے لگایا۔ سر، آنکھوں اور ہاتھوں کو چومنے لگا اور شکر خدا بجالایا۔ اس کے بعد دونوں نے مل کر مومنین و مومنات کے حق میں دعا کی۔

❁❁❁

قنوط

اس سے قبل حضرت امام رضا -نے جس حدیث میں گناہانِ کبیرہ کی تعداد بیان فرمائی ہے اس میں یاس کے بعد قنوط کا ذکر ہوا ہے۔

رحمتِ الٰہی کے بارے میں دل ناامیدی راسخ کرنے اور اس کی قباحت محسوس نہ کرنے کو ''قنوط'' کہتے ہیں۔

یاس اور قنوط کے درمیان فرق کے بارے میں علماءِ اخلاق فرماتے ہیں کہ یاس عام موارد میں استعمال ہوتی ہے اور قنوط خاص موارد میں۔ یعنی یاس صرف دل کی ناامیدی کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ جب اس قسم کی باطنی ناامیدی شدت اختیار کر لے اور اس کا اثر خارج میں ظاہر ہو جائے اور عقلاء اس کے کلمات سے درک کر لیں کہ وہ مایوس ہے تو اس حالت کو قنوط کہتے ہیں۔

مختصراً جس کی باتوں سے ناامیدی کے آثار ظاہر ہو جائیں، وہ قانط ہے۔

دعا سے نا امیدی برتنا یاس ھے

بعض علماء کا قول ہے کہ ناامیدی کی حالت میں دعا ترک کرنا یاس ہے۔ مایوس انسان کو امید نہیں ہوتی کہ دعا سے منزل مقصود تک پہنچ جائے گا۔

اور قنوط کا مفہوم یہ ہے کہ بندہ اپنے پروردگار سے بدگمانی کرے کہ خدا اس پر رحم نہیں کرتا اور نہ ہی توبہ قبول کرتا ہے۔ جن مصیبتوں میں وہ مبتلا ہے وہ گمان کرتا ہے کہ اپنے بُرے اعمال کی سزا پا رہا ہے۔ چنانچہ صحیفۂ سجادیہ کی انتالیسویں (۳۹) دعا کے جملوں سے اس بات کی تائید ہوتی ہے۔ جیسا کہ امام -فرماتے ہیں:

لَا اَنْ یَکُوْنَ یَاْسُهُ قُنُوْطاً

''میں تیری نجات سے مایوس نہیں ہوں نہ تجھ سے بدگمان ہوں بلکہ ناامیدی اس لیے چھائی ہوئی ہے کہ میرے نیک اعمال کم اور بُرے اعمال زیادہ ہیں۔ ورنہ تیری ذات اقدس اس سے بلند و برتر ہے کہ کوئی گناہ گار تیری بارگاہ سے مایوس و محروم لوٹے۔

کوئی شک نہیں کہ پروردگار عالم سے سوءظن گناہانِ کبیرہ میں شمار ہوگا۔ یہ مشرکین ومنافقین کی صفات میں سے ایک صفت ہے۔ جیسا کہ سورۂ فتح میں ارشاد رب العزت ہے:

وَيُعَذِّبُ الْمُنَافِقِيْنَ وَالْمُنَافِقَاتِ وَالْمُشْرِكِيْنَ وَالْمُشْرِكَاتِ الظَّانِّيْنَ بِاللّٰهِ ظَنَّ السَّوْءِ

''اور منافق مرد اور عورتیں اور مشرک مرد اور مشرک عورتیں جو خدا کے حق میں بُرے خیال رکھتے ہیں، ان پر عذاب نازل کرتا ہے۔'' (سورہ ۴۸ آیت ۶)

بد گمانی سزا کا باعث ھے

حضرت رسول خدا ﷺ نے بالائے منبر سے فرمایا:

وَاللّٰهُ الَّذِیْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ مَا اُعطِیَ مُؤمِنٌ قَطُّ خَیْرَالدُّنیا وَالْآخِرَةِ اِلَّا بِحُسْنِ ظَنِّهٖ بِاللّٰهِ وَرَجَائِهٖ لَهُ وَحُسْنِ خُلْقِهٖ وَالْکَفَ عَنْ اِغْتِیابِ المُؤْمِنِیْنَ وَالَّذِیْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ لَایُعَذِّبُ اللّٰهُ مُؤمِناً بَعْدَ التَوْبَةِ وَالْاِسْتِغْفَارِ اِلَّا بِسُوْءِ ظَنِّهٖ بِاللّٰهِ وَتَقْصِیرِ مِنْ رَّجَائِهٖ وَسُوْءِ خُلْقِهٖ وَ اغْتِیَابِهٖ لِلْمُؤْمِنِیْنَ وَالَّذِیْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ لَایحْسِنُ ظَنَّ عَبْدٍ مُؤمِن بِاللّٰهِ اِلَّا کَانَ اللّٰهُ عِنْدَظَنِّهٖ لِاَنَّ اللّٰهَ کَرِیْمٌ یَسْتَحْی اَنْ یَکُوْنَ عَبْدٌ مُؤمِنٌ قَدْ اَحْسَنَ بِهِ الظَّنُ ثُمَّ یَخْلِفُ ظَنَّه وَرَجائَهٗ فَاحْسِنُوْا بِاللّٰه، الظَّنَّ وَارْغَبُوْا اِلَیْهِ (اصولِ کافی)

''اس خدا کی قسم جس کا کوئی شریک نہیں۔ ہرگز کسی مومن کو دنیا وآخرت کے خیر سے مشرف نہیں فرمایا مگر اپنے پروردگار کے ساتھ اچھا گمان رکھتا ہو۔ اس کی ذات سے امید وابستہ رکھتا ہو اور وہ اچھے اخلاق کا مالک ہو اور اپنے آپ کو غیبتِ مومنین سے باز رکھے۔ قسم ہے اس خدا کی جو وحدہٗ لاشریک ہے، کسی مومن کو توبہ واستغفار کے بعد عذاب نہیں دیتا مگر جو اللہ سے بدگمان ہو اور اس سے امید باندھنے میں کوتاہی کرے، بداخلاقی کرے اور مومنین کی غیبت کرے۔

قسم ہے اس اللہ کی جس کے سوا کوئی اور معبود نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی مومن کا حسن ظن خدا کو بھی اس کے نیک خیالات کے ساتھ کر دیتا ہے کیونکہ خداوندِ عالم کریم ہے۔ اسے حیا مانع ہوتی ہے کہ کوئی بندہ مومن اس سے حسنِ ظن اور اس کے گمان وامید کے خلاف سلوک کرے۔

پس تم اللہ کے ساتھ اچھے خیالات رکھا کرو اور اس کی طرف راغب ہو جاؤ۔

امید مغفرت اور دعا کی قبولیت

پروردگار سے حسن ظن رکھنے کا معنی یہ ہے کہ بندہ پوری امید رکھے کہ اگر گناہ سے توبہ کر لے تو اللہ اُسے بخش دے گا اور دعا کرے تو حاجت روائی کرے گا۔ اگر کوئی نیک عمل بجالائے تو امید رکھنی چاہیئے کہ اللہ قبول کرنے گا اور ثواب عنایت فرمائے گا۔

لیکن مغفرت کا گمان کرنا بہرحال مفید بلکہ لازم ہے مگر اچھے اعمال کی طرف اقدام کیے بغیر ثواب کی امید کرنا سراسر جہالت اور گھمنڈ ہے۔

دنیوی اور اخروی امور میں نا امیدی

بعض علماء اخلاق یاس اور قنوط کے درمیان فرق یوں بیان فرماتے ہیں کہ قنوط دنیوی رحمتوں سے نا امیدی سے تعلق رکھتا ہے۔ چنانچہ قرآن پاک اس بارے میں ناطق ہے:

هُوَ الَّذِیْ یُنَزِّلُ الْغَیْثَ مِنْ بَعْدِ مَا قَنَطُوْ وَیَنْشُرُ رَّحْمَتَهٗ وَهُوَ الوَلِیُّ الْحَمِیْدُ

(سورہ ۴۲۔ آیت ۲۷)

''وہ وہی تو ہے جو بندوں کے نا امید ہو جانے کے بعد مینہ برساتا ہے اور اپنی رحمت 'بارش' کو پھیلاتا ہے اور وہی کارساز (اور) حمد وثناء کے لائق ہے۔''

یاس کے بارے میں علماء فرماتے ہیں کہ یہ اخروی رحمتوں سے تعلق رکھتی ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے:

قَدْیَئِسُوْا مِنَ الآخِرَةِ

''درحقیقت آخرت سے مایوس ہو گئے ہیں۔''

یاس کی نسبت قنوط بہتر ھے

رحمت الٰہیہ سے قنوط (بدگمانی) اس بات کی علامت ہے کہ بندہ سعادت ابدی سے محروم ہو جائے جبکہ قنوط کی بنا پر عبد و معبود کا رشتہ منقطع ہو جاتا ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ اس کے دل میں آغاز پیدائش کا نور جو اس کے بدن خاکی میں چمک رہا تھا وہ بجھ گیا ہے۔ اگر وہ موجود ہوتا تو اس کے دل میں امید بھی باقی رہ جاتی۔

اگر چہ وہ افراط و تفریط کا مرتکب کیوں نہ ہوا ہو، جب حالت ایسی ہے تو وہ رحمت خدا سے دور جہالت کے اندھیرے میں مبتلا ہے۔ لیکن یاس اس بات کی دلیل ہے کہ عبد و معبود کے درمیان گناہ کا پردہ حائل ہے اور فطرت اولیہ کا نور ابھی باقی ہے۔ اپنے پروردگار سے رشتۂ امید باندھے ہوئے ہے۔ اس صورت میں حجاب دور ہو سکتا ہے۔

لہٰذا یاس قابل مغفرت ہے اور قنوط عفو و درگزر کے سزاوار نہیں۔ اس لیے قنوط شرک کے عنوان میں داخل ہوتا ہے۔ لہٰذا قنوط انسان کے لیے سب سے بڑی مصیبت ہے۔

(منقول از تفسیر روح البیان)

❁❁❁

خدا کے قہر و غضب سے غفلت

گناہان کبیرہ میں سے ایک مکرِ الٰہی سے لاپرواہی و بے خوفی ہے۔ بعبارت دیگر آدمی کا اپنے پروردگار کے غیبی انتقام اور ناگہانی قہر و غضب سے قطع نظر عیش و عشرت میں منہمک ہونا اور اپنے گناہوں کی وجہ سے عذاب الٰہی میں گرفتار ہونے کا احساس تک نہ کرنا یہ بھی ایک گناہِ کبیرہ ہے۔ چنانچہ حضرت امام جعفر صادقؑ و حضرت امام موسیٰ کاظمؑ اور حضرت امام علی رضاؑ نے مکر الٰہی سے نہ ڈرنا گناہان کبیرہ میں قرار دیا ہے۔

اس کے علاوہ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

اَفَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرىٰ اَنْ يَاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا بَيَاتًا وَّهُمْ نَائِمُوْنَ (سورہ ۷۔ آیت ۹۷)

تو کیا اِن بستیوں کے رہنے والے اس بات سے بے خوف ہیں کہ ان پر ہمارا عذاب راتوں رات آ جائے جب کہ وہ (اطمینان) سے سوئے ہوئے ہوں۔

اَوَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرىٰ اَنْ يَاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا ضُحًى وَّهُمْ يَلْعَبُوْنَ (سورہ ۷۔ آیت ۹۸)

کیا ان بستیوں والے اس سے بے خوف ہیں کہ ان پر دن دھاڑے ہمارا عذاب آ پہنچے جبکہ وہ کھیل کود میں مشغول ہوں۔

اَفَاَمِنُوْا مَكْرَ اللّٰهِ فَلَا يَاْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخَاسِرُوْنَ (سورہ ۷۔ آیت ۹۹)

''تو کیا یہ لوگ (قہر) و تدبیر خدا سے بے خوف و خطر ہو گئے ہیں؟ (تو یاد رہے کہ) خدا کے ناگہانی عذاب بے خوف نہیں ہوتے مگر گھاٹا اٹھانے والے''۔

ان تین آیتوں میں عذاب الٰہی سے نہ ڈرنے کے بارے میں واضح طور پر نہی فرمائی گئی ہے اور آخری آیت میں عذابِ الٰہی سے نہ ڈرنے والوں کو آخری گھاٹا اٹھانے والے گروہ سے تعبیر کیا ہے جس سے مراد عذاب آخرت کا وعدہ ہے کیونکہ سوائے کفّار اور گناہگاروں کو جو کہ مستحق عذاب ہیں۔ اہل بہشت و نجات کو قرآن میں خسارت اٹھانے والا نہیں فرمایا۔

جبکہ قرآن و حدیث سے یہ ثابت ہے کہ مکر الٰہی سے غافل رہنا گناہ کبیرہ ہے تو پروردگارِ عالم کے عذاب و مجازات سے بے باکی و دلیری خود اللہ تعالیٰ سے نہ ڈرنے اور اس کی عظمت و جلالت سے انکار کے مترادف ہے اور اس کے اوامر و نواہی سے روگردانی کے برابر ہے۔ توضیح مطلب کے لئے بطور مثال عرض ہے کہ ایک آدمی یا کسی مملکت کی عوام غفلت و بے باکی سے بادشاہِ وقت کی نافرمانی کریں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ بادشاہ کے انتقام اور حکمرانی سے منکر ہو گئے۔ اسے واجب الاطاعت نہیں سمجھتے اور علَم بغاوت بلند کر دیا ہے۔ از روئے اصول اس طرح کہ مخالفت ناقابل معافی بہت بڑا گناہ ہوگا۔ چہ جائیکہ سلطانِ حقیقی مولائے واقعی، دو جہاں کے مالک کے ساتھ حقیر اور ضعیف انسان مخالفت کی جرأت کرے۔ اس کی لاپرواہی اور بے خوفی کی حالت ہی

گناہِ کبیرہ ہے اور معافی کے قابل نہیں مگر یہ کہ وہ اپنی حالت سے پشیمان ہو کر توبہ و استغفار کرے۔ اس بیان سے واضح ہوا کہ گناہ بخشنے کے قابل ہوں یا نہ ہوں یہ خود گناہگار کی حالت امن اور خوف پر منحصر ہے یعنی جس قدر بندہ کے دل میں خوفِ خدا زیادہ ہے اسی قدر وہ مغفرت کے قابل ہے اور جتنا عذاب و انتقامِ خدا سے بے باک ہے اتنا ہی مغفرت و رحمت الٰہی سے دور۔

خلاصہ یہ کہ مکر الٰہی سے مراد یہ ہے کہ گناہگار پر عذابِ الٰہی اچانک ہی نازل ہو جاتا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے:

اَیَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ یُتْرَکَ سُدیً

کیا انسان گمان کرتا ہے کہ وہ (بے لگام) آزاد چھوڑا ہوا ہے؟

املاء

مکر الٰہی کی اقسام میں سے ایک ''املاء'' ہے۔

بنی نوع انسان کی پیدائش سے یہ سنّت چلی آ رہی ہے کہ ناشکرے انسان کی طغیان و عصیان کے برابر گناہ گار کو ایفر کردار تک پہنچانے میں عجلت سے کام نہیں لیتا بلکہ مہلت دی جاتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ سوائے معصومین کے کوئی بندہ بشر ایسا نہیں جس سے کوئی گناہ سرزد نہ ہو۔ اگر مجرم کو فوری سزا دے دی اور انتقام لے لیا تو روئے زمین پر کوئی جاندار باقی نہیں رہے گا اور سب کے سب ہلاک ہو جائیں گے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَوْ یُؤَاخِذُ اللّٰہُ النَّاسَ بِظُلْمِھِمْ مَاتَرَکَ عَلَیْھَا مِنْ دَابَّۃٍ وَّ لٰکِنْ یُؤَخِّرُھُم اِلٰی اَجَلٍ مُّسَمّیً (سورہ ۱۶. آیت ۶۱)

''اور اگر خدا اپنے بندوں کی نافرمانیوں کی گرفت کرتا تو روئے زمین پر کسی ایک جاندار کو باقی نہ چھوڑتا مگر وہ تو ایک مقرّرہ وقت تک ان سب کو مہلت دیتا ہے۔''

دوسرے املاء (مہلت) سے مراد یہ ہے کہ خدائے مہربان اپنے بندوں کو مہلت دیتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ گذشتہ گناہوں سے پشیمان ہو کر توبہ کریں اور آئندہ گناہوں سے باز رہنے کا پکّا ارادہ کریں۔ اس قسم کی مہلت صاحبان ایمان اور اہل تقویٰ کو فائدہ پہنچانے کے پیش نظر ہے۔ اس کے برعکس اہل کفر و طغیان کے لیے مہلت کی مدت میں گناہ پر گناہ کا اضافہ ہوتا ہے یہاں تک کہ ان کی خواہشات نفسانی کا پیمانہ لبریز ہوتا ہے تو اچانک مکر الٰہی یعنی غضب قہار نازل ہوتا ہے۔ چنانچہ کلام پاک ان کو تنبیہہ کرتا ہے:

وَاُمْلِیْ لَھُمْ اِنَّ کَیْدِیْ متین (سورہ ۷. آیت ۱۸۳)

''اور میں ان کو (دنیا میں) مہلت دیتا ہوں۔ بے شک میرا کید (ناگہانی عقوبت) سخت مضبوط ہے۔''

بعبارت دیگر کافر و فاجر کی طویل عمر کا کامیاب زندگی اور فراہمیٔ اسبابِ تعیش اگرچہ بظاہر اس کے لیے خوشی کا باعث ہیں۔ وہ اپنے آپ کو بزرگ و برتر تصوّر کرتا ہے لیکن درحقیقت اس قسم کی ڈھیل قہر و غضب اور انتقام الٰہی کی ایک قسم ہے جسے مکر سے تعبیر کی گیا ہے۔

بد کردار کو مہلت دینا (غلط ہے)

قرآن مجید اس کی تائید میں فرماتا ہے:

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا اِنَّمَا نُمْلِیْ لَھُمْ خَیْرٌ لِاَنْفُسِھِمْ

''جو لوگ کافر ہیں وہ ہرگز یہ خیال نہ کریں کہ ہم نے جو ان کو مہلت و فارغ البالی دے رکھی ہے وہ ان کے حق میں بہتر ہے (حالانکہ) ہم نے مہلت اور فارغ البالی (دنیا کی زندگی میں) صرف اس وجہ سے دے رکھی ہے تاکہ وہ خوب گناہ کر لیں اور آخر تو ان کے لیے رسوا کرنے والا عذاب ہے۔'' (سورہ ۳۔ آیت ۱۷۸)

حضرت امام رضا ؑ نے ارشاد فرمایا:

وَاللّٰہِ مَاعَذَّبَھُمُ اللّٰہُ بِشَیءٍ اَشَدُّ مِنَ الاِملآءِ (سفینۃ البحار ج ۲۔ ص ۵۵۱)

''قسم بخدا ان کو کسی چیز سے عذاب نہیں کیا گیا جو کہ املاء کی سزا سے زیادہ سخت ہو (املاء اُسی مہلت کو کہا جاتا ہے جو اسی دنیا میں دی جاتی ہے)۔''

حضرت امام سجاد ؑ فرماتے ہیں:

وَعَمِرْنِی مَاکَانَ عُمُرِیْ بَذْلَۃً فِیْ طَمَاعَتِکَ وَاذَاکَانَ عُمرِیْ مَرْتَعاً لِلشَّیْطٰنِ فَاقْبِضْنِیْ اِلَیْکَ (دعای مکارم

الاخلاق)

''(خداوندا) مجھے (ایسی) عمر عطا فرما کہ میری طویل عمر سراسر تیری بندگی اور اطاعت میں صرف ہو جائے اور جب میری عمر شیطان کی چراگاہ بن جائے تو میری روح قبض کر لے اور اپنی طرف لے جا (قبل اس کے کہ تیرا قہر وغضب مجھ پر نازل ہو جائے)۔''

استدراج

استدراج بھی مکر الٰہی کی ایک قسم ہے۔ یعنی بعض لوگ معصیت اور گستاخی کی وجہ سے قہر الٰہی کے مستحق ہو گئے ہیں۔ جب بھی ان کو موقع ملتا ہے ایک نئے گناہ کے مرتکب ہوتے رہتے ہیں۔ خدا بھی ان پر گناہ کے بعد ایک تازہ نعمت عطا کرتا ہے۔ پس وہ شرمندگی محسوس کرنے اپنے گناہوں پر پشیمان ہو کر توبہ کرنے اور شکر خدا ادا کرنے کی بجائے سرے سے گناہ ہی کو فراموش کر دیتے ہیں۔ بلکہ مزید نافرمانی پر نافرمانی کے مرتکب ہوتے ہیں۔ ایسے باغی انسانوں کے بارے میں اللہ کا فرمان ہے:

وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ

''اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا، ہم انہیں بہت جلد آہستہ آہستہ (جہنم) میں لے جائیں گے۔ انہیں خبر بھی نہ ہوگی۔''

سفینۃ البحار ج ا ص ۴۴۲ میں درج ہے کہ

اِذَا اَرَادَاللّٰهُ بِعَبْدٍ خَيْراً فَاَذْنَبَ ذَنْبًا اَتْبَعَهٗ بِنِقْمَةٍ وَّيُذَكِّرُهُ الْاِسْتِغْفَارَ وَاِذَا اَرَادَاللّٰهُ بِعَبْدٍ شَرّاً فَاَذْنَبَ ذَنْباً اَتْبَعَهٗ بِنِعْمَةٍ لِيُنْسِيَهُ الْاِسْتِغْفَارَ وَهُوَ قَوْلُهٗ تَعَالٰى سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ .

''یعنی جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو خیر فراہم کرانا چاہتا ہے پس وہ گناہ کرتا ہے۔ خدا اُسے مصیبت میں مبتلا کرتا ہے تا کہ وہ متنبّہ ہو جائے کہ گرفتاری کا سبب میرا گناہ ہے۔ اس لیے استغفار اور توبہ کرتا ہے اور جب کسی بندے کو اس کے بُرے اعمال کی بنا پر شر سے دوچار کرنا چاہتا ہے پس وہ بھی گناہ کا مرتکب ہوتا ہے۔ اس کے بعد اُسے تازہ نعمت عطا ہوتی ہے تا کہ وہ نعمت سے سرشار ہو کر توبہ استغفار بھول جائے۔ یہی ہے قول خدا سے مراد کہ (ہم انہیں بہت جلد اس طرح آہستہ آہستہ جہنم میں لے جائیں گے کہ انہیں خبر بھی نہ ہوگی)۔''

استدراج کا معنٰی ترک استغفار ھے

سُئِلَ اَبُوْعَبْدِ اللّٰه (ع)عَنْ الْاِسْتِدْرَاج فَقَال: هُوَ الْعَبْدُ يَذنِبُ الذَّنْبَ فَيُمْلِىْ لَهٗ وَيُجَدِّدُ لَهٗ عِنْدَهَا النِّعَمُ فَيُلْهِيْهِ عن، الْاِسْتِغْفَارِ فَهُوَ مُسْتَدْرِجٌ مِنْ حَيْثُ لَايَعْلَمُ (وسائل الشيعة. كتاب جهاد. باب ۸۸. ص ۱۶۲)

''حضرت امام جعفر صادق - سے جب استدراج کا مفہوم دریافت کیا گیا تو آپؑ نے فرمایا: کوئی بندہ گناہ

(ا۔ استدراج کے لغوی معنی یہ ہیں کہ کوئی شخص قدم بہ قدم بلندی کی طرف جائے یا نیچے اترآئے اور علمائے اخلاق کے نزدیک اس کے معنی ایک نعمت کے بعد دوسری نعمت سے مالا مال ہونا ہے۔)

کرنے لگتا ہے تو اسے مہلت دیتا ہے اور تازہ نعمت فراہم کرتا ہے۔ پس وہ توبہ واستغفار سے باز رکھتا ہے۔ وہ آہستہ آہستہ ہلاکت کی طرف کھینچتا ہے جس سے وہ غافل اور بے خبر ہوتا ہے۔ اس حالت کو استدراج اور مکر الٰہی کہتے ہیں۔''

امیر المومنین - سے مروی ہے کہ آپ - نے فرمایا:

اِنَّهٗ مَنْ وَّسِعَ لَهٗ فِىْ ذَاتِ يَدِهٖ فَلَمْ يَرَ ذٰلِكَ اِدْرَاجاً فقد اَمِنَ مَخُوْفاً

(بحار ج ۱۵ ص ۱۶۲)

''بے شک کسی کی ملکیت و جائیداد کو اللہ وسعت دیتا ہے تو وہ اور کچھ گمان نہ کرے۔ یہ توسعہ اور مہلت درحقیقت استدراج (ا) ہے۔ وہ (مکر الٰہی) سے بے خوف نہ رہے (چونکہ سکون کے بعد طوفان آتا ہے)۔''

مکر الٰھی سے بے خوفی

خدائے بزرگ و برتر کی دو صفات ہیں۔ جمالی اور جلالی

صفاتِ جمالیہ، جیسے رحمان، رحیم، کریم، حلیم، شکور اور غفور وغیرہ

صفاتِ جلالیہ، جیسے جبار، قہار، منتقم، مذل، متکبر اور شدید العقاب وغیرہ

چنانچہ آیۂ جمالیہ سے پہلے خوش خبری دیتا ہے۔ پھر صفت جلالیہ سے ڈراتا ہے۔

نَبِّئْ عِبَادِی اِنِّی اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمِ Oوَاَنَّ عَذَابِیْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِیْمُ

(سورہ حجر آیت ۴۹)

''اے رسول ﷺ میرے بندوں کو آگاہ کر دو کہ بے شک میں بڑا بخشنے والا مہربان ہوں اور میرا عذاب بھی بڑا دردناک عذاب ہے۔''

ایک اور مقام پر ارشاد ہوتا ہے:

غافِرُ الذَّنْبِ وَقَابِلُ التَّوْبِ شَدِیْدُ العِقَابِ ذِیْ الطَّوْلِ

''گناہوں کا بخشنے والا اور توبہ قبول کرنے والا سخت عذاب دینے والا صاحب فضل وکرم ہے۔''

(سورہ ۴۰۔ آیت ۲)

خلاصہ، وہ ارحم الراحمین ہے: فِیْ مَوْضِعِ الْعَفْوِ وَ الرَّحْمَةِ عفو و رحمت کے مقام میں اور وہ اَشَدُّ الْمُعَاقِبِیْنَ ہے فی مَوْضِعِ النَّكَالِ وَ النَّقِمَةِ سختی اور بدلہ لینے کے مقام میں۔

خوف و امید معرفت کی نشانی ھے

جس نے اپنے رب کو ان صفات کمالیہ سے پہچانا تو یہ لازمی امر ہے کہ اس کی امید کو تقویت ملتی ہے۔ اگر اس نے توبہ کی تو گناہوں کو بخش دیتا ہے۔ عبادت کرے تو قبول کرتا ہے اور بہترین جزا عنایت کرتا ہے۔ اس کی دعا ہدف اجابت سے مقرون فرماتا ہے۔ اس لیے کہ وہ غفور ورحیم اور مجیب الدعوات ہے۔

جس طرح جمالی صفات کی معرفت سے بندے کی امید قوی ہوتی ہے اُسی طرح صفات جلالی وقہری کو پہچاننے کے نتیجے میں بندے کے دل میں خوف شدت اختیار کر لیتے ہے۔ وہ ڈرتا ہے کہ گناہ اختیار کرے تو عذابِ الٰہی سے تصادم یا جلد انتقام سے دوچار ہوگا۔ اس خوف کی برکت سے بندے کو توبہ و استغفار کی توفیق ہوتی ہے۔

گناہ کے ارتکاب سے ڈرنا چاھیئے

جب بھی گناہ کا ارادہ کرے تو اسے عملی جامہ پہنانے سے ڈرنا چاہیئے۔ شاید وہ ان افراد میں شامل ہو جائے کہ اس گناہ کے مرتکب ہونے کے بعد کبھی بھی رحمت ومغفرت کے قابل نہ رہے۔ جیسا کہ امام جعفر صادق - سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا:

قَالَ اَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ (ع) مَنْ هَمَّ بِسَیِّئَةٍ فَلَایَعْمَلْهَا فَاِنَّهُ رُبَّمَا عَمَلَ الْعَبْدُا لسَّیِّئَةَ فَیَرَّاهُ الرَّبُّ فَیَقُوْلُ عِزَّتِیْ وَجَلَالِیْ لَا اَغْفِرُلَکَ بَعْدَ ذٰلِکَ اَبَداً (اصول کافی)

''جس نے گناہ کا قصد کر لیا (تو خواہش نفس کو روک لے) اسے چاہیئے کہ عملاً انجام نہ دے۔ بے شک کبھی بندہ گناہ کرتا ہے تو پروردگار اس سے نفرت کرتا ہے اور فرماتا ہے: میری عزت وبزرگواری کی قسم اس کے بعد تجھے نہیں بخشوں گا۔''

اس لیے ممکن ہے ہر وہ گناہ جو انسان سے سرزد ہوتا ہے وہ ناقابل معافی ہو۔ اس لیے ہر چھوٹے یا بڑے گناہ کے اقدام سے ڈرنا چاہیئے۔ کیونکہ بعض روایتوں سے پتہ چلتا ہے کہ وہ گناہ جو مغفرت کے قابل نہیں وہ غالباً ایسے ہوتے ہیں کہ جرأت کرنے والے کی نظر میں چھوٹے اور ناچیز ہوتے ہیں اور وہ لاپرواہی سے فخریہ انداز میں کہتا ہے: میں نے فلاں گناہ کیا یا کہتا ہے کہ دیکھو میں نے اتنا بڑا گناہ انجام نہیں دیا جتنا کہ فلاں آدمی بجالایا ہے۔ چنانچہ جناب صادق آل محمد - یوں تنبیہ فرماتے ہیں:

اِتَّقُوا الْمُحَقَّرَاتَ مِنَ الذُّنُوْبِ فَاِنَّهَا لَا تُغْفَر قُلْتُ وَمَا الْمُحَقَّرَاتُ؟

قَالَ؛ الرَّجُلُ یَذْنِبُ الذَّنْبَ فَیَقُوْلُ طُوْبٰی لِیْ اِنَ لَّمْ یَکُنْ لِیْ غَیْرَ ذٰلِکَ (وسائل الشیعه کتاب جهاد باب ۴۲)

''تمہیں چھوٹے گناہوں سے ڈرنا چاہیئے۔ پس یقیناً وہ بخشے نہیں جاتے (راوی کہتا ہے) میں نے عرض کیا: محقرات (حقیر چیزوں) سے آپ کی کیا مراد ہے؟ آپ نے فرمایا: بندہ گناہوں میں ملوّث ہوتا ہے اور اسے چھوٹا تصور کرتا ہے اور کہتا ہے کہ میں لائق تحسین ہوں کہ میں نے اتنا بڑا گناہ نہیں کیا جتنا

کہ فلاں آدمی نے انجام دیا۔''

کردار و گفتار ہمیشہ خوف و رجآء کے درمیان ہونا چاہیئے

اگر بندۂ گناہ گار کو توبہ نصیب ہو تو پھر بھی خائف رہنا چاہیئے کیونکہ ممکن ہے اس کی توبہ جامع الشرائط نہ رہی ہو۔اس وجہ سے قبول درگاہ الٰہی نہ ہوئی ہو اور شاید توبہ کے دوران گناہ کی طرف نہ پلٹنے کا جو عہد کیا گیا تھا اس پر وفا نہ کر سکے اور توبہ شکنی ہو جائے۔

اسی لیے آخر عمر تک خوف اور امید کے درمیان زندگی گزارنا چاہیئے۔مثلاً کوئی عبادت و اطاعت بجالائے تو فضل و کرم الٰہی سے امید رکھنا چاہیئے کہ قبول ہوگی۔اس کے ساتھ ہی ڈرتے بھی رہنا چاہیئے کہ کہیں عدل الٰہی جنبش میں نہ آجائے۔اگر ایسا نہ کیا ہو تو مسترد کر دیا جائے گا۔اور ہوسکتا ہے کہ محاسبہ کے دوران حقیقی بندگی اس سے طلب کرے۔

حاجت پوری ہونے کی صورت میں بھی خوف لازم ہے

اگر دعا قبول نہ ہوئی ہو تو ڈرنا چاہیئے کہ کہیں گناہوں کی وجہ سے دعا مستجاب نہیں ہوئی اور اگر شرف قبولیت سے نواز دی گئی ہو، تب بھی ڈرنا چاہیئے کیونکہ ممکن ہے وہ بارگاہِ الٰہی کا مردود ہو اور خدا نے اس کی آواز سننا ہی گوارا نہ کی ہو۔اس لیے جلد از جلد اس کی حاجت پوری کر دی ہو۔

جدائی سخت ترین درد ہے

اگر ابواب معرفت میں ایک دروازہ اس کے سامنے کھل جائے یا مقامات معنوی (علم و ادب و حکمت) میں سے کوئی ایک مقام حاصل ہو جائے تو اپنے فہم و فراست پر اکتفا کرنے اور حاصل شدہ چیزوں پر فخر کرنے سے ڈرنا چاہیئے۔

اگر اللہ تعالیٰ کے لطف و کرم کو فراموش کر دیا اور شکر الٰہی بجالانے میں کوتاہی اور سستی سے کام لیا تو اس وقت وہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے محروم اور ابدی رسوائی میں مبتلا ہوگا۔اس صورت میں وہ محبوب حقیقی سے جدا ہو جائے گا اور اہل معرفت کے نزدیک جدائی سخت ترین عذاب ہے۔چنانچہ امیر المومنین -دعائے کمیل میں ارشاد فرماتے ہیں:

فَهَبْنِیْ یَا اِلٰهِیْ وَسَیِّدِیْ وَمَوْلَایَ وَرَبِّیْ صَبَرْتُ عَلٰی عَذَابِکَ فَکَیْفَ اَصْبِرُ عَلٰی فِرَاقِکَ

''گویا اے میرے معبود اور میرے آقا اور اے میرے مولا اور اے میرے پروردگار! ہوسکتا ہے کہ میں تیرے عذاب پر تو صبر کرلوں مگر تیری رحمت کی جدائی پر کیونکر صبر کرسکوں گا۔''

آخر عمر تک کس حالت میں رہنا چاہیئے

یہ بھی ضروری ہے کہ انسان اپنی عمر کے خاتمے سے ڈرتا رہے کیونکہ خوش بختی اور بدبختی کا دارومدار عاقبت خیر ہونے یا نہ ہونے پر مبنی ہے۔چونکہ ہمارے مشاہدے گواہ ہیں کہ بہت سے لوگوں نے ساری عمر بظاہر خیر و سعادت میں گزار دی اور آخر عمر میں شقاوت کا بارِ گراں اس دنیا سے لے کر چل بسے۔

فَاعْتَبِرُوْا یَا اُوْلِی الْاَلْبَابُ

''پس ان سے درس عبرت لو اے صاحبان عقل۔''

سب سے امتحان لیا جاتا ہے

اور یہ بات بھی ناقابل فراموش ہے کہ ہم کو اللہ کے سخت ترین امتحانات سے ڈرنا چاہیئے۔چونکہ تمام اہل ایمان جن مراتب پر فائز ہیں بغیر استثناء، ہمیشہ خطرے سے دوچار رہیں۔چنانچہ قرآن متنبّہ کرتا ہے:

اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَکُوْا اَنْ یَقُوْلُوْا آمَنَّاوَهُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ (سورہ ۲۹.آیت ۲)

''کیا لوگ گمان کرتے ہیں کہ (صرف) اتنا کہہ دینے سے کہ ہم ایمان لائے ہیں چھوڑ دیئے جائیں گے اور ان کا امتحان نہ لیا جائے گا۔''

حضرت ابراھیم - اور آگ

جب حضرت ابراہیم خلیل اللہ -کو منجنیق میں باندھ کر دہکتی ہوئی آگ کی طرف پھینکنے لگے تو آپ -نے فرمایا ''حسبی اللہ'' یعنی میرے لیے خدا کافی ہے۔ہر حالت میں ہر چیز کے لیے خدا کے سوا اور کسی کے تعاون کی ضرورت نہیں ہے۔خلیل اللہ -نے جب بڑی بات کا دعویٰ کیا تو پروردگار نے اُن کا

امتحان لینا چاہا اور جبرائیل -کو بھیجا۔اس نے عرض کیا: اے ابراہیم -اگر کسی قسم کی حاجت ہے تو بتاؤ تا کہ میں اس کو پورا کروں۔حضرت ابراہیم -نے فرمایا کہ میری حاجت ضرور ہے مگر تجھ سے نہیں۔

جبرائیل -نے عرض کیا کہ درست ہے لیکن جس سے چاہیئے اس سے تو طلب کرلیں۔خلیل اللہ -نے فرمایا: وہ میری حالت سے بے خبر نہیں۔اس لیے بولنے کی ضرورت نہیں۔

امتحان میں کام یاب

مرحبا، اس بزرگ پر جس نے انتہائی ضرورت کی حالت میں بھی جبرائیل -جیسے امین وحی اور مقرب فرشتے کی ہمدردی کو درخور اعتنا نہیں سمجھا اور اپنا راز و نیاز ظاہر نہیں فرمایا اور آزمائش کی شدید لہروں سے نجات پائی۔اسی لیے فرمایا:

وَاِبْرَاهِيمَ الَّذِیْ وَفّٰی (سورہ ۵۳)

''اور ابراہیم -وہی ہے جو اپنی بات پر پورا اترا۔''

بندۂ مومن کو چاہیئے کہ کسی حالت میں امتحان سے غافل نہ رہے اور عذاب الٰہی کے مواخذے کو فراموش نہ کرے۔چنانچہ ملائکہ مقربین اور انبیاء مرسلین بھی مطمئن نہیں تھے۔خصوصاً فتنہ وفساد کے دوران اور شک وشبہ کی حالت میں غافل نہیں رہنا چاہیئے۔بار بار حق تعالیٰ کو یاد کریں اور اس ڈریں۔ہوسکتا ہے کہ خداوند عالم کے مقررہ حدود سے باہر قدم رکھے اور بڑے خطرے میں پڑ جائے۔چنانچہ حضرت سجاد -دعا ابوحمزہ ثمالی کے شروع میں فرماتے ہیں:

وَلَاتَمْكُرْ بِیْ فِیْ حِيْلَتِكَ

''اور میری بداعمالی کے سزا میں اچانک تیرے قہر وعذاب سے مبتلا ہونے اور غفلت میں رہنے نہ دو۔''

نیکی کی توفیق اللہ سے ہے

اس بات سے بھی غافل نہیں رہنا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کی توفیق اور عنایت کے بغیر کسی کو عمل خیر نصیب نہیں ہوتا۔ممکن ہے کوئی ایک مرتبہ عمل خیر بجالائے مگر وہ شکر خدا نہ کرے تو مزید توفیق خدا سے محروم ہوجائے گا۔ بلکہ اس سے ایسا گناہ صادر ہوسکتا ہے جس کے سبب سے گذشتہ اعمال بھی ضائع ہوجائیں اور وہ دونوں جہاں میں رسوا ہوجائے۔

دانش مند لوگ خدا سے ڈرتے ہیں

جو لوگ حق تعالیٰ کی عزت و بزرگی اور بے نیازی زیادہ جانتے ہیں اور اپنی حقارت وذلت اور نیازمندی سے زیادہ آگاہ ہیں وہ پروردگار عالم سے بہت ڈرتے ہیں۔چنانچہ قرآن مجید اس بات کی گواہی دیتا ہے:

اِنَّمَا يَخْشَی اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ (سورہ۳۵.آیت ۲۶)

''بندوں میں اہل علم ہی اللہ سے ڈرتے ہیں۔''

حضرت رسول اکرم ﷺ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا:

رَاسُ الْحِكْمَةِ مَخَافَةُ اللّٰهِ (وسائل الشیعه باب ۱۴)

''حکمت اور دانائی کا محور خوف خدا ہے۔''

حضرت ام سلمه سے پیغمبر کی گفتگو

جناب ام سلمہ فرماتی ہیں کہ آدھی رات کو میں نے رسول خدا ﷺ کو دیکھا کہ گھر کے ایک کونے میں کھڑے ہیں اور دونوں ہاتھ بلند کرکے گریہ و فریاد کر رہے ہیں اور یہ دعائیں پڑھ رہے ہیں:

اَللّٰهُمَّ لَا تَنْزَعْ مِنِّیْ صَالِحَ مَا اَعْطَيْتَنِیْ اَللّٰهُمَّ لَا تُشْمِتْ بِیْ عَدُوًّا وَلَا حَاسِدًا اَبَدًا. اَللّٰهُمَّ لَاتَرِدْنِیْ فِیْ سُوْءٍ اِسْتَنْقَذْتَنِیْ مِنْهُ اَبَدًا اَللّٰهُمَّ لَا تَكِلْنِیْ اِلٰی نَفْسِیْ طَرْفَةَ عَيْنٍ اَبَدًا (بحارالانوار جلد۶ باب مکارم اخلاق)

''خدایا جو نعمت تو نے مجھے عنایت فرمائی ہے وہ مجھ سے واپس نہ لے۔خدایا مجھے دشمنی اور حسد کرنے والے کی ملامت کا کبھی بھی نشانہ بننے نہ دے۔ اے خدا! جن برائیوں سے تو نے مجھے باہر نکالا ہے کبھی بھی ان کی طرف واپس نہ کرنا۔اے خدا! مجھے آنکھ جھپکنے کی مدت کے لیے بھی اپنی حالت پر ہرگز نہ

چھوڑنا۔''

جناب ام سلمہ فرماتی ہیں کہ مجھے آنحضرت ﷺ کی یہ حالت اور دعا کے جملے سن کر بے اختیار گریہ گلوگیر ہوا تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کیوں رو رہی ہو؟ میں نے عرض کیا کیوں نہ روؤں، جبکہ آپ ﷺ انتہائی بلند مقام پر فائز ہیں اور قدر و منزلت کے حامل ہیں تو آپ کی دعائیں اور کیفیت یہ ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: میں کیوں نہ ڈروں جبکہ حضرت یونس -کو اللہ تعالیٰ نے ایک لمحے کے لیے اپنی حالت پر چھوڑ دیا تو وہی ہوا جو ہونا تھا (یعنی خدا تعالیٰ نے تادیب فرمائی اور وہ ایک مدت تک مچھلی کے پیٹ میں رہے)۔ (بحار الانوار)

انبیاء اور آئمۂ ھدیٰ ؑ سب سے زیادہ خائف رہتے تھے

قرآن میں انبیاء ؑ کی تعریف یوں فرمائی ہے:

اِنَّھُمْ کَانُوا یُسَارِعُوْنَ فِی الْخَیْرَاتِ وَیَدْعُوْنَنا رَغَباً وَّرَھَباً وَّکَانُوا لَنَاخَاشِعِیْنَ

(سورہ ۲۱ آیت ۹۰)

''اس میں شک نہیں سارے انبیاء (ؑ) نیک کاموں میں جلدی کرتے تھے اور ہم کو بڑی رغبت اور خوف کے ساتھ پکارا کرتے تھے۔''

اہل بیتِ عصمت وطہارت ؑ کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَیُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ وَیَخَافُوْنَ یَوْماً کَانَ شَرُّہٗ مُسْتَطِیراً

''یہ وہ لوگ ہیں جو نذریں پوری کرتے ہیں اور اس (قیامت کے) دن سے ڈرتے ہیں جس کی سختی و شر ہر طرف پھیلا ہوا ہے۔'' (سورہ ۷۶۔ آیت ۷)

پیغمبران خدا اور آئمہ اطہار ؑ کے خوف خدا خصوصاً حضرت امیر المومنین -کا اللہ تعالیٰ کی عظمت وجلالت یاد کر کے بے ہوش ہو جانا اور حضرت امام زین العابدین -کا بارگاہ خداوندی میں گریہ وزاری اور راز و نیاز نیز صحیفۂ سجادیہ کی دعاؤں سے پتہ چلتا ہے کہ وہ کس حد تک اللہ سے ڈرتے تھے۔ اس کی تفصیل اگر بیان کریں تو ہم اپنے موضوعِ کلام سے خارج ہو جائیں گے اور عاقل کے لیے بس اشارہ کافی ہے۔

مومن خوف اور امید کے درمیان ہوتا ھے

متعدد روایتوں سے یہ مطلب واضح ہوتا ہے کہ مومن کو ہمیشہ خوف ورجاً کے درمیان رہنا چاہیئے۔ یعنی عذابِ الٰہی سے ڈرنے والا اور فضل ورحمت خدا کا امیدوار ہونا چاہیئے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

فَلَا تَخَافُوْھُمْ وَخَافُوْنِ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ (سورہ ۳ آیت ۱۷۵)

''پس تم اس سے ڈرو نہیں، اگر سچے مومن ہو تو مجھ ہی سے ڈرو۔''

اس قسم کا ڈر ہر مسلمان کے لیے لازم ہے کہ جس سے باعث وہ گناہوں کا ارتکاب تو درکنار ان کے نزدیک بھی نہ جائے۔ چنانچہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ سے مخاطب ہو کر فرماتا ہے:

قُلْ اِنِّیْ اَخَافُ اِنْ عَصَیْتُ رَبِّیْ عَذابَ یَوْمٍ عَظِیْم.

''(اے رسول ﷺ) تم کہہ دو اگر میں گناہ کروں تو بے شک عظیم دن (روز قیامت) کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔'' (سورہ ۶، آیہ ۱۵)

امید غرور کا باعث نہ بنے

بندہ کو چاہیئے کہ وہ خدائے تعالیٰ کے لطف وکرم کا امیدوار رہے تا کہ مستقبل میں اسے عبادت واطاعت کی توفیق عطا فرماتا رہے۔ البتہ اس کی امید عذاب الٰہی سے بے خوفی کا باعث نہیں بننا چاہیئے۔ نہ اس قدر بے جا امید باندھنا چاہیئے جس سے وہ مغرور بن جائے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ہے:

وَلَایَغُرَّنَّکُمْ بِاللّٰہِ الْغَرُوْرِ (سورہ ۳۵۔ آیت ۵/ سورہ ۳۱۔ آیت ۳۳)

''اور ایسا نہ ہو (کہ شیطان) تمہیں خدا کے بارے میں دھوکہ دے۔''

اور سورۂ حدید میں مشرکین سے خطاب کرتے ہوئے فرماتا ہے:

وَغَرَّکم باللّٰہِ الْغُرُوْرِ (سورہ ۵۷. آیت ۱۲)

''اور بڑھے دغاباز شیطان نے خدا کے بارے میں تم کوفریب دیا۔''

اس آیت کی تفسیر میں منہج الصادقین میں کہا گیا ہے کہ شیطان کا کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے پکی امید باندھنا کہ وہ حلیم وکریم ہے وہ کسی کو عذاب میں مبتلا نہیں کرتا۔

حضرت امام محمد باقر - نے فرمایا:

لَیسَ مِنْ عَبْدٍ مُؤْمِنٍ اِلَّا وَفِی قَلْبِهِ نُورَانِ نُورُ خِیفَةٍ وَنُور رَجَاءٍ لَوُوُزِنَ هٰذَا لَمْ یَزِدْ عَلٰی هٰذَا (اصول کافی)

''کوئی مومن بندہ نہیں مگر اس کے دل میں دونور ہوتے ہیں (ایک) خوف کا نور اور (دوسرا) امید کا نور۔ایک کا وزن دوسرے سے زیادہ نہیں ہوگا بلکہ برابر ہوں گے۔

عمل خوف و امید کے مظہر ہے

حضرت امام جعفر صادق - سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا:

لَایَکُونُ الْمُؤمِنُ مُؤْمِناً حَتیٰ یَکُوْنُ خَائِفاً رَّاجِیاً حَتّیٰ یَکُوْنَ عَامِلاً مِمَّا یَخافُ وَیَرْجُوْ (اصول کافی)

''مومن اہل ایمان نہیں ہوسکتا جب تک اس کے دل میں خوف ورجاً دونوں موجود نہ ہوں اور نہ ہی اسے خائف اور امیدوار کہا جاسکتا ہے جب تک جس چیز سے وہ ڈرتا ہے اور جس چیز سے امید رکھتا ہے اسے عمل وکردار سے ظاہر نہ کردے۔''

بلکہ مومن کا کمال اور شان یہ ہے کہ خوف ورجاً کی قوت اس کی ذات میں مکمل طور پر موجود ہو۔ چنانچہ حضرت امام جعفر صادق - سے روایت ہے کہ:

خِفِ اللّٰهَ خِیْفَةً لَوْجِئْتَهُ بِبِرّ الثِقْلَیْنُ لَعَذَّبَکَ وَارْجِ اللّٰهَ رَجَاءً لَّوجِئْتَهُ بِذُنُوْبِ الثَّقْلَیْنِ لَرَحِمَکَ (کتاب کافی)

''لقمان حکیمؒ نے اپنی وصیت کے ضمن میں اپنے بیٹے سے کہا: بیٹا! تم خدا سے اس قدر ڈرو کہ اگر تمام جن وانس کی عبادت واعمال کے برابر تمہاری نیکیاں موجود ہوں پھر بھی خیال کرو کہ وہ تمہیں عذاب میں مبتلا کرے گا۔

اللہ تعالیٰ سے اس حد تک امیدیں وابستہ رکھنا ہیں کہ اگر چہ تمام جن وانس کے گناہوں کے برابر گناہ کا بوجھ لے کر اس کی درگاہ میں حاضر ہوا پھر بھی وہ تم پر ضرور رحم کرے گا۔''

نصیحت

اب میں اپنے آپ کو اور اس کتاب کے معزز پڑھنے والوں کو دعوتِ فکر دیتا ہوں اور سوال کرتا ہوں کہ آیا ہمارے دلوں میں سچا خوف اور حقیقی امید موجود ہے یا نہیں؟ یا صرف دعویٰ ہے؟

اگر ہم حقیقی معنوں میں عذابِ الٰہی سے خائف ہیں تو اپنے گناہوں سے کیوں نہیں ڈرتے؟

معصومین علیہم السّلام کے فرامین میں آہ ونالہ اور بے قراری کیوں؟ اگر ہم سچے دل سے رحمت خدا کے امیدوار ہیں تو مغفرت کے اسباب وسائل پیدا کرنے کی کوششیں کہاں؟ اطاعت وعبادت کی طرف میل ورغبت کہاں؟

جی ہاں، ہم صدق دل سے خوف وامید دنیوی امور کے متعلق ضرور رکھتے ہیں مثلاً کوئی اتفاقی امر سامنے آئے جس سے طبیعت ناخوش ہوجائے اور خوف کا اندیشہ ہو تو کس قدر تشویش ہوتی ہے اور پائے ثبات میں لغزش آجاتی ہے۔اگر فقر وناداری کا خوف ہو یا بیماری اور دشمن کا ڈر ہو تو اپنی تمام تر قدرت و طاقت اس کے دفاع میں استعمال کرتے ہیں۔ایک لحہ بھی آرام اور سکون سے نہیں گزارتے جب تک اس کا خوف امن وسکون کی حالت میں تبدیل نہ ہو جائے۔اس کے برعکس اگر ایسے دنیوی امور کے طلب گار ہوں جن کا حصول مدت سے رہتے ہوں اور طبیعت جس کے انتظار میں بے تاب ہوں اور اس کے حاصل کرنے میں بے حد خوشی محسوس ہوتی ہو تو رات دن محنت سے کام کرتے رہتے ہیں، تھکاوٹ کا احساس بھی نہیں ہوتا۔

خدارا آپ بتایئے، جتنی لگن اور رغبت ان امور میں ہمیں حاصل ہے کیا ان کا ایک فیصد بھی امور آخرت میں حاصل ہے؟ ہرگز نہیں۔

الغرض اگر ہم سے گناہ صادر ہو تو عذاب الٰہی سے ڈرنا چاہیئے۔ ہمیشہ گریہ وفریاد اور استغفار کرنا چاہیئے۔آرام وآسائش کو خیرباد کہیں۔ یہاں تک کہ آخری دم لینے کے وقت رحمت خداوندی کی خوش خبری سننا نصیب ہوجائے۔

تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِیْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ (سورہ ۴۱. آیت ۳۰)

''ان پر موت کے وقت رحمت کے فرشتے نازل ہوں گے اور کہیں گے کہ کچھ خوف نہ کرو اور غم نہ کھاؤ اور بشارت ہو بہشت کی جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا۔''

الغرض انسان کو آخر عمر تک مسلسل خوفِ خدا میں رہنا چاہیئے۔

دو خوف کے درمیان رھنا چاھیئے

حضرت ابوعبداللہ امام جعفر صادق - نے فرمایا:

اِنَّ الْمُؤْمِنَ بَيْنَ مَخَافَتَيْنِ ذَنْبٌ قَدْ مَضىٰ لَايَدْرِیْ مَا صَنَعَ اللّٰهُ وَعُمْرٌ بَقِیَ مَايَكْتَسِبُ فِيْهِ مِنَ الْمُهَالِكِ فَهُوَ لَا يُصْبِحُ اِلَّا خَائِفاً وَّلَايُصْلِحُهُ اِلا الْخَوْفُ (کافی)

''مومن ہمیشہ دو خوف کے درمیان ہوتا ہے۔ ایک تو گذشتہ گناہوں کا خوف ہوتا ہے (اس لیے) وہ نہیں جانتا کہ خدا اس کے ساتھ کیا معاملہ کرے گا۔ دوسرا وہ اپنی عمر کے خاتمے سے ڈرتا ہے اور یہ نہیں پتہ چلتا کہ کون کون سے گناہ اس سے سرزد ہوں گے جس سے وہ ہلاکت میں پڑے گا۔ پس مومن (عمر بھر) صبح نہیں کرتا مگر وہ خوف کی حالت میں اور اس کے امور کی اصلاح بھی خوف کے بغیر نہیں ہوگی۔''

آخرت کے لیے سعی کرنا چاھیئے

قرآن مجید میں صراحت سے ذکر ہے کہ پروردگار عالم نے انسان کی دنیوی زندگی کی بقا کے لیے رزق فراہم کرنے کی ضمانت لی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

وَمَامِنْ دَابَّةٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا (سورہ ۱۱۔ آیت ۸)

''اور زمین پر چلنے والوں میں کوئی ایسا نہیں جس کی روزی خدا کے ذمہ نہ ہو۔''

مگر امور آخرت میں کامیابی بندگانِ خدا کی سعی و عمل سے مربوط رکھی ہے۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَاَنْ لَيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعىٰ وَاَنَّ سَعْيَهُ سَوْفَ يُرىٰ

(سورہ ۵۳۔ آیت۔ ۳۹۔۴۰)

''انسان کے لیے (آخرت میں) نہیں ہے مگر جو کچھ وہ سعی کرتا ہے۔ اور جلد ہی اپنی سعی (عمل) کا نتیجہ (آخرت میں) دیکھے گا۔''

دعویٰ عمل سے ظاھر ھونا چاھیئے

حضرت امیر المومنین - نہج البلاغہ میں ارشاد فرماتے ہیں کہ:

يَدَّعِیْ بِزَعْمِهِ اَنَّهُ يَرْجُوا اللّٰهَ كَذِبَ وَالْعَظِيْمِ مَالَهُ لايَتَبَيَّنُ رَجائَهُ فِیْ عَمَلِهِ.

''جو اپنے گمان میں دعویٰ کرتا ہے اور زبان سے کہتا ہے کہ میں رحمتِ خدا کا امیدوار ہوں، وہ جھوٹا ہے۔ خدائے بزرگ کی قسم اگر سچ کہتا ہے تو اس کی امید کا اثر اس کے عمل میں کیوں پیدا نہیں ہوتا؟''

یہ درست ہے کہ خوف و رجا باطنی کیفیت ہے۔ یہ عمل کے ذریعے خارج میں ظاہر ہوتا ہے۔ چنانچہ حضرت صادق آل محمد - نے فرمایا:

دَلِيْلُ الْخَوْفِ الْهَرَبُ وَدَلِيْلُ الرَّجَاءِ الطَّلَبُ

''خوف کی علامت بھاگنا ہے اور امید کی علامت طلب اور نزدیک ہونا ہے۔''

پس جو کوئی گناہ سے راہ فرار اختیار نہیں کرتا تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اسے خوف نہیں اور جو کوئی اسباب مغفرت کے حصول میں جدوجہد نہیں کرتا تو معلوم ہونا چاہیئے کہ وہ رحمت الٰہی کا امیدوار نہیں اور بولنے والا یہ جملے کہتا ہے کہ آخرت کے معاملہ میں خدا کریم ہے۔ درحقیقت شیطان اُسے مغرور بناتا ہے اور یہ جملہ اس کی زبان سے جاری کراتا ہے۔ ورنہ یہ کیوں نہیں کہتا ہے امور دنیا میں خدا کریم ہے اور اسی پر قناعت کیوں نہیں کرتا۔

خدا سے اس طرح ڈرو جیسے تم اسے دیکھ رھے ھو

قَالَ الصَّادِقُ عَلَيْهِ السَّلامُ خِفِ اللّٰهَ كَانَكَ تَرَاهُ وَاِنْ كُنْتَ لَاتَرَاهُ فَاِنَّهُ يَرَاكَ. وَاِن كُنْتَ تَرىٰ اَنَّهُ لَايَرَاكَ فَقَدْ كَفَرْتَ وَاِن كُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّهُ يَرَاكَ ثُمَّ بَرَزْتَ لَهُ بِالْمَعْصِيَةِ فَقَدْ جَعَلْتَهُ مِنْ اَهْوَنِ النَّاظِرِيْنِ (اصول کافی)

''حضرت امام جعفر صادق -نے فرمایا: خدا سے اس طرح ڈرنا چاہیئے جیسے تم اُسے اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہو۔ کیونکہ اگر تم اسے نہیں دیکھ رہے ہو تو وہ تمہیں ضرور دیکھ رہا ہے۔ اگر تم گمان کرتے ہو کہ وہ تم کو نہیں دیکھتا پس تم کافر ہو گئے۔ اگر تم جانتے ہو کہ خدا تم کو دیکھ رہا ہے پھر اس کے باوجود گناہ و معصیت کرتے رہے تو اُسے حقیر ترین ناظر قرار دینے کے مترادف ہے۔''

یہ مسلّم ہے کہ اگر کوئی تمہیں گناہ کرتے ہوئے دیکھے اور وہ تمہاری معصیت سے باخبر ہو جائے اس صورت میں لازم ہے کہ تم شرمندہ ہو گے اور ارتکابِ گناہ سے اپنے آپ کو روک لو گے۔ لیکن ہزار افسوس جبکہ خالق حقیقی اور عالمِ مافی الضمیر تمہاری ہر حالت دیکھ رہا ہے اور کوئی چیز اس سے پوشیدہ نہیں اس کے سامنے گناہ کرنے سے شرم محسوس نہیں کرتے۔

خوف و رجأ میں کامل شخصیت

حضرت امیر المومنین -کا طرز زندگی بندگان خدا کے اعمال کا میزان ہے۔ ہم ایک طرف جناب امیر -کی سیرت طیبہ اور دوسری طرف اپنے اعمال و عبادات رکھ کر نہایت غور سے جائزہ لیں تو معلوم ہوگا کہ کس قدر تفاوت ہے۔ ہمارے اعمال کس قدر خراب ہیں۔ چنانچہ حضرت خاتم الانبیاء ﷺ کا فرمان ہے:

ضَرْبَةُ عَلِيٍّ يَوْمَ الخَنْدَقِ اَفْضَلُ مِنْ عِبَادَةِ الثَّقَلَيْنِ (بحارالانوار)

''جنگ خندق میں علی -کی ایک ضربت جن وانس کی عبادت سے افضل ہے۔''

اس کے باوجود کہ حضرت علی ابن ابی طالب -کا عمل جن وانس کے عمل سے افضل ہے۔ آپ -جب بھی عظمت وجلالتِ خداوندی کی طرف متوجہ ہوئے تو اپنی ذات اور اپنے اعمال کو ایک ذرہ کے برابر بھی خیال نہ کرتے تھے۔ مولائے کائنات اپنے ذاتی کمالات، نیک اعمال اور لاثانی مراتب کو سر چشمۂ رحمت الٰہی کا فیضان سمجھتے تھے۔ وہ اپنے نفس میں نقص و عاجزی اور عیب کے سوا کچھ اور نہیں پاتے تھے۔ اس لیے ہر وقت گریہ وفریاد کرتے تھے اور آخر میں غش کھا جاتے تھے۔

چنانچہ ابودرداء نے آپ -سے یہ جان سوز مناجات نقل کی ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے مولائے کائنات -سے نہایت دردناک آواز میں سنا:

اِلٰهِیْ لَاِنْ طَالَ فِیْ عِصْیَانَکَ عُمُرِیْ فَمَا اَنَا مُؤَمِّلُ غَیْرَ غُفْرانَکَ. وَلَا اَنَابِرَاجٍ غَیْرَ رِضْوَانَکَ . اِلٰهِیْ اُفَکِرُ فِیْ عُفُوِکَ فَتُهَوِّنُ عَلَیَّ خَطِیْئَتِیْ. ثُمَّ اَذْکُرُ الْعَظِیْمَ مِنْ اَخْذِکَ فَیُعْظِّمُ عَلَیَّ بَلِیَّتِیْ.

''اے معبود! اس میں شک نہیں کہ میں نے اپنی عمر کی ایک لمبی مدت تیری نافرمانی میں گزاری۔ اس کے باوجود تیرے سوا کسی اور سے مغفرت کی امید نہیں رکھتا اور نہ تیرے سوا کسی اور کی خوشنودی کا خواہشمند ہوں۔ اے معبودِ حقیقی جب میں تیرے عفو کے بارے میں سوچتا ہوں تو اپنے گناہوں کے بھاری بوجھ کو ہلکا محسوس کرنے لگتا ہوں۔ اس کے بعد جب تیری قہاریت کو یاد کرتا ہوں تو پریشانی کے بوجھ تلے دب جاتا ہوں۔''

ابودرداء کہتے ہیں کہ ان مناجات کے بعد اچانک آواز خاموش ہوئی تو میں نے آگے بڑھ کر دیکھا کہ مولاؑ بے ہوش ہو کر گر پڑے ہیں۔ میں نے بازو پکڑ کر حرکت دی تو دیکھا سوکھی لکڑی کی طرح بے جان ہیں۔ مجھے گمان ہوا کہ شاید میرے مولا رحلت فرما گئے ہیں۔

اسی طرح زرارہ بن ضمرہ کہتے ہیں کہ خدا کی قسم ایک اندھیری رات میں سحر کے نزدیک میں نے مولا کو دیکھا کہ اپنے ہاتھ سے اپنی ریش مبارک پکڑی ہوئی ہے اور مارگزیدہ انسان کی طرح تڑپ رہے ہیں اور فریاد و بُکا کر رہے ہیں۔ وہ اپنی بُری حالت اور عمل کی قلّت بتاتے ہوئے فرماتے ہیں:

آه مِنْ قِلَّةِ الزَّادِ وَبُعْدِ السَّفَرِ وَوَحْشَةِ الطَّرِيْقِ وعَظِيمِ الْمَوْرِدِ (نهج البلاغه)

''آہ! افسوس زادِ راہ قلیل ہے اور فاصلہ طویل ہے، راستہ وحشت ناک اور منزل خطرناک ہے۔''

دعائے کمیل میں ارشاد فرماتے ہیں:

اِلٰهِیْ عَظُمَ بَلائِیْ وَاَفْرَطَ بِیْ سُوْءُ حَالِیْ وَقَصُرَتْ بِیْ اَعْمَالِیْ.

''یا اللہ! میری آزمائش بڑھ گئی اور میری بدحالی حد سے گزر گئی اور میرے نیک اعمال بہت ہی کم ہیں۔''

امیر المومنین -کی ذات ہمارے لیے نمونہ عمل ہے

خوف کی طرح آپ -کی امید بھی مشہور ہے۔آغاز زندگی سے آخر عمر تک عبادات وطاعات میں مشغول رہے۔ایک لمحہ بھی فارغ نہیں رہے بلکہ بعض اوقات دن رات میں ہزار ہزار رکعت نماز پڑھا کرتے تھے۔تمام زندگی ماہِ شعبان کے روزے بلا ناغہ رکھے۔کبھی تہجد کی نماز نہیں چھٹی۔یہاں تک کہ جنگ صفین میں لڑائی کی رات جو کہ لیلۃ الہریر (سخت سردی کی رات) کہی جاتی ہے،نماز شب ترک نہیں کی۔روزے تین شب متواتر صرف پانی سے افطار کیے۔اپنے حصے کی روٹی یتیم اور مسکین واسیش کو دیتے رہے۔اپنے ہاتھ سے لگائے ہوئے باغ کو فروخت کر کے راہ خدا میں ہدیہ کر دیا۔بحارالانوار کے ایک مفصّل باب میں حضرت علی -کے صدقات واوقاف کا ذکر اور ان کے متعلق آپ -کا وصیت نامہ تفصیل سے درج ہے۔اس میں سے کچھ بیان تبرکاً نقل ہوتا ہے تا کہ خوف ورجاً کے زیر بحث موضوع کی زیادہ تائید ہو جائے۔

امیر المومنینؑ کی وصیت کا کچھ حصہ

وصیت نامے کی عبارت کچھ اس طرح ہے:

هٰذامَا وُصیٰ بِهٖ وَقَضیٰ بِهٖ فِیْ مَالِهٖ عَبْدُ اللّٰهِ عَلِیٌّ اِبْتِغَاءَ وَجْهِ اللّٰهِ لِیُوْ لِجَنِیْ بِهِ الجنّة وَیَصْرِفُ النَّارَ عنّیْ یَوْمَ تَبْیَضُّ وُجُوْهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ.

''یہ (تحریر) وہ چیز ہے جس میں اپنے مال کے بارے میں وصیت اور فیصلہ کیا گیا ہے کہ:اللہ کا بندہ علی ابن ابی طالب -اس امید سے کہ خداوند عالم اس کار خیر کے سبب مجھے بہشت میں داخل کرے گا اور آتش جہنم اس دن مجھ سے دور کر دے گا جس دن بعض لوگوں کے چہرے سفید اور کچھ روسیاہ محشور ہوں گے۔بے شک اپنی ملکیت وجائیداد کو جو کہ یَـنْبُـعُ اور اس کے مضافات میں واقع ہے،اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کی خاطر صدقہ (وقف) قرار دیتا ہوں۔''

اس قدر نیک اعمال وعبادات کے باوجود جب جنگ سے واپس آئے تو روتے ہوئے فرما رہے تھے کہ راہِ خدا میں شہادت سے بڑھ کر کوئی اور عمل سعادت کا باعث نہیں۔میں ڈرتا ہوں کہ کہیں اس فیض سے محروم نہ ہو جاؤں۔آخر کار حضرت رسول خدا ﷺ نے آپ -کو تسلی اور خوش خبری دی کہ اے علی -تیری عاقبت شہادت پر خاتمہ پائے گی۔

ہم علی- کی پیروی کریں گے!

ممکن ہے کچھ لوگ کہیں کہ حضرت امیر المومنین -کی معرفت اور یقین کا بلند مقام کہاں اور ہم جیسے گناہ گار کہاں۔ہم ان کی مانند بزرگی اور عذاب الٰہی کا خوف نیز اس کی رحمت کے امیدوار کیسے ہو سکتے ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ بات آپ کی درست ہے مگر کیا وہ بچہ جو ابھی زہریلی ناگن کو پہچانتا نہیں،یہ ممکن ہے کہ ظاہری چمک دمک اور نرمی دیکھ کر دھوکے میں ہاتھ بڑھائے اور سانپ اسے ڈس مارے اور بچہ موت سے ہمکنار ہو جائے۔

فرض کیجئے بچہ کے ساتھ اس کا باپ موجود ہو تو لازمی ہے کہ باپ اس خطرے کو محسوس کر کے شور وغل کرے گا اور آگے بڑھے گا۔اس صورت میں سانپ بچے کو چھوڑ کر بھاگ جائے گا۔

اے بے خبر! کیا حضرت علی -تمہارے روحانی پدر اور مقتدائے حقیقی نہیں؟اور کیا تم محبت وولایت علی -کے دعوے دار نہیں؟

اگر جواب اثبات میں ہے تو اپنے آقا ومولا کی تاسّی واطاعت کرنا جس قدر ممکن ہو لازم ہے۔

قیامت اور اس کے سخت ترین عذاب سے انسانی حالت مضطرب اور خوف زدہ ہو جاتی ہے،اور تم ہو کہ مطمئن ہو۔سفر آخرت کے اسباب فراہم کرنے سے غافل اگر علی -کے شیعہ ہو تو وہ تمہارے لیے نمونہ عمل ہیں۔

مولا -نے فرمایا:تم ہو بہو ہمارا عمل انجام نہیں دے سکتے مگر ہماری نقل اور پیروی تو کر سکتے ہو۔شِیْعَتُنَا مَنْ شَیَّعَنَا ہمارا شیعہ صرف وہی ہے جو ہماری پیروی کرے۔

خطرے کا اعلان

اگر سالار قافلہ خطرے کا اعلان کرے کہ ہماری منزل بہت دور ہے نہ آبادی ہے اور نہ ہی پانی۔ راستے میں حیوانات اور درندے موجود ہیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ جس قدر ممکن ہو خوراک و پانی اور دوسرے لوازمات اٹھائیں اور ہر شخص اپنا نگران اور ہوشیار رہے۔ اس اعلان کے ساتھ خود سالار قافلہ بھی جلدی جلدی اپنے سفر کا سامان جمع کرتا ہے اور اگلی منزل کے خوف سے اس پر وحشت طاری ہو جاتی ہے، وہ کانپتا ہے اور گریہ کرتا ہے۔ جب سربراہِ قافلہ، رہنمائے کاروان کی حالت ایسی ہوگی تو اس قافلے والوں کا کیا حشر ہوگا؟ اس کی پریشانی سے کاروان والوں کا پریشان ہونا لازمی امر ہے اور فطرت کا تقاضہ بھی۔

لہٰذا اس اطمینان سے قیمتی اوقات ضائع نہ کریں۔ اپنے رہنما کی پیروی کریں تا کہ میدان حشر میں حسرت بھرے دل اور آنسو بھری آنکھوں سے روبرو ہونے کی نوبت نہ آئے۔

سالار قافلہ خوف زدہ ھے

اے ایمان وتقویٰ کے قافلو! تمہارا امیرِ کارواں اور قافلے کا سالار حضرت علی ابن ابی طالب -سفر آخرت سے سخت ڈرتے ہیں اور اس راستے کے خطرات سے سب کو آگاہ فرماتے ہیں۔ ہر رات مسجد کوفہ میں بلند آواز سے فرماتے تھے:

تَجَهَّزُوا رَحِمَكُمُ اللّٰهُ فَاِنَّ اَمَامَكُمْ عَقَبَةً كَسئُوداً ؟ وَمَنَازِلٌ مُحَوِّفَةٌ لَابُدَّمِنَ الوُرُوْدِ عَلَيْهَا وَالوُقُوْفِ بِهَا.

''مسافرو! خدا تم پر رحم کرے، سامان سفر باندھ لو اور تیار رہا کرو۔ بے شک تمہارے آگے بہت سی دشوار گزار گھاٹیاں اور خوفناک منازل موجود ہیں۔ ان سے گزرے بغیر اور کوئی چارہ نہیں۔'' اس کے بعد مولا -فرماتے ہیں:

آه مِنْ قِلَّةِ الزَّادِ وَبُعْدِ السَّفَرِ وَعَظِيْمِ الْمَوْدِدِ (نہج البلاغہ)

''افسوس زادِراہ قلیل ہے، سفر طویل ہے اور پہنچنے کا مقام عظیم ہے۔''

افسوس کا مقام ہے کہ بے پناہ دنیوی مصروفیات اور نفسانی خواہشات کی لہروں میں پھنسنے کی بنا پر ہم حضرات آئمۂ اطہار ؑ سے جدا ہو کر رہ گئے ہیں۔ رابطہ منقطع ہے۔ ہم ان کے اخلاق کریمہ اور سیرت طیبہ کی پیروی سے قاصر ہیں۔

اللہ تعالیٰ اس بات سے محفوظ رکھے کہ ہم ان کی محبت وولایت کے دائرے سے باہر قدم رکھ کر شیطانی ولایت وگمراہی میں داخل ہوں۔ کیونکہ بعض گناہوں کے اثر سے گناہ گار انسان ولایت خدا اور ولایت اہل بیت ؑ سے خارج ہو جاتا ہے اور ولایتِ شیطان میں داخل ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد اس کے وجود پر شیطان مکمل مسلّط ہو کر اس پر حکمرانی کرنے لگتا ہے۔

مومن کی اھانت کرنے پر انسان ولایت سے خارج ھو جاتا ھے

حضرت امام جعفر صادق -سے روایت ہے:

مَنْ رَوَىٰ عَلٰى مُؤمِنٍ رِوَايَةً يُرِيْدُ بِهَاشَيْنَهُ وَهَدْمُ مُرُوَّتِهِ لِيَسْقُطَ مِنْ اَعْيُنَ النَّاس اَخْرَجَهُ اللّٰهُ مِنْ وَّلَايَتِهِ اَلٰى وَلَايَةِ الشَّيْطَانِ (اصول کافی)

''کوئی شخص کسی مومن کے خلاف ایک مطلب نقل کرے جس سے مراد اس کے عیوب ظاہر کرنے ہوں یا لوگوں کے درمیان اس کی آبروریزی کا ارادہ رکھتا ہو تو اللہ تعالیٰ اس کو اپنی سرپرستی اور یاری سے محروم کر دیتا ہے اور شیطان کی سرپرستی پر چھوڑ دیتا ہے۔''

اس موقع پر شیطان بھی اس سے بیزاری کا اظہار کرتا ہے:

كَمَثَلِ الشَّيْطٰنِ اِذْقَالَ لِلْاِنْسَانِ اكْفُرْ فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ اِنِّیْ بَرِیءٌ مِّنْکَ اِنِّیْ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ العَالَمِيْنَ

(سورہ ۵۹۔آیت ۱۶)

''(منافقوں کی) مثال شیطان کی سی ہے کہ انسان سے کہا کہ کافر ہو جاؤ، پھر جب وہ کافر ہو گیا تو کہنے لگا کہ میں تجھ سے بیزار ہوں۔ میں سارے جہاں کے پروردگار سے ڈرتا ہوں۔''

❁❁❁

قتل نفس

گناہ کبیرہ میں پانچواں بڑا گناہ اس شخص کا قتل ہے جس کو خداوند عالم اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جان سے مارنے کا حکم نہ دیا ہو۔

قتل انسان کے گناہِ کبیرہ ہونے کی دلیل وہ مستند روایات ہیں جو اس کتاب کے آغاز میں بیان کی گئی ہیں۔ اس کے علاوہ قرآن مجید میں صراحت کے ساتھ قاتل نفس محرّمہ کے لیے عذاب کا وعدہ کیا گیا ہے:

وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِناً مُتَعَمِّداً فَجَزَائُهُ جَهَنَّمُ خَالِداً فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهُ وَاَعَدَّلَهُ عَذَاباً عَظِيْماً

(سورہ ۴۔آیت ۹۳)

''اور جو شخص کسی مومن کو جان بوجھ کر مار ڈالے (تو غلام کی آزادی وغیرہ اس کا کفارہ نہیں بلکہ) اس کی سزا دوزخ ہے۔ اور وہ ہمیشہ اس میں رہے گا۔ اس پر خدا نے اپنا (غضب ڈھایا ہے) اور لعنت کی ہے اور بڑا سخت عذاب تیار کر رکھا ہے۔''

اس آیۂ شریفہ میں قتل نفس کے لیے پانچ سزائیں قرار دی گئی ہیں۔ پہلی جہنم، دوسری جہنم میں ہمیشگی، تیسری غضب خدا میں گرفتاری، چوتھی لعن خدا میں مبتلا ہونا اور پانچویں عذابِ عظیم۔

دائمی عذاب کفار کے لیے مخصوص ہے

ہمارے مذہب کے مسلّمہ عقائد میں سے ایک عقیدہ یہ ہے کہ کفار کے لیے ابدی عذاب مخصوص ہے۔ بایں معنی اگر کوئی شخص ایمان کے ساتھ دنیا سے رخصت ہو تو وہ ہمیشہ عذاب میں مبتلا نہیں رہے گا اگرچہ وہ نفسِ محترم کا قاتل بھی کیوں نہ ہو۔ اس کے علاوہ دوسرے گناہوں میں بھی ملوّث ہوا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ آیۂ مذکورہ کی کچھ توجیہات بھی بیان کی گئی ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ ابدی عذاب کا مستحق اس وقت بنتا ہے کہ مومن کا قتل اس کے ایمان کی وجہ سے واقع ہوا ہو۔ بلاشبہ اس صورت میں قاتل کافر ہے اور ابدی عذاب کا مستحق ہے۔ چونکہ اس نے مومن کا خون بہانا حلال سمجھا۔ جبکہ مومن کو جان سے مارنا حرام ہے اور یہ حرمت ضروریات دین میں سے ایک ہے اور ضروریات دینی کا منکر کافر ہے۔

مسلمان کا خون اور مال محترم ہے

حجۃ الوداع کے موقع پر حضرت رسول خدا ﷺ نے فرمایا:

اَيُّهَا النَّاسُ لايَحِلُّ دَمُ امْرِءٍ مُسْلِمٍ وَلَا مَالُهُ اِلَّا بِطِيْبَةِ نَفْسِهِ فَلا تَظْلِمُوْا اَنْفُسَكُمْ وَلَاتَرْجِعُوْا بَعْدِیْ كُفَّاراً (وسائل الشیعہ کتاب قصاص باب اوّل)

''لوگو! مسلمانوں کا خون بہانا حلال نہیں ہے۔ اسی طرح ان کی مرضی کے بغیر مال پر تصرف جائز نہیں۔ پس اپنے آپ پر ظلم نہ کرنا اور میری موت کے بعد دوبارہ کفر کی طرف نہ پلٹنا۔

دوسری توجیہ یوں بیان فرماتے ہیں کہ اس آیۂ شریفہ میں خلود سے مراد لمبی مدت تک عذاب دینا ہے۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ گناہ گار ہمیشہ کے لیے ابدی عذاب میں مبتلا ہو جائے گا۔

ایک قتل تمام انسانیت کے قتل کے برابر ہے

ارشادِ خداوندی ہے:

اِنَّـهُ مَـنْ قَتَـلَ نَـفْسـاً بِـغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادًا فِيْ الْاَرضِ فَكَانَمَّا قَتَلَ النّاسَ جَمِيْعاً وَمَنْ اَحْيَاه ا فَكَانَّما اَحْيىٰ النَّاسَ جَمِيْعاً (سورہ۵ . آیت ۳۲)

''اگر کوئی دوسرے کو (ناحق) قتل کرڈالے بغیر اس کے کہ وہ قصوروار ہو یا ملک میں فساد پھیلا دیا ہے جیسے لٹیرے، زانی (محصنہ)، شوہر دار عورت کے ساتھ بدفعلی کرنا وغیرہ، جن کو جان سے مارنا جائز ہے تو گویا اس سے سب لوگوں کو قتل کرڈالا اور جس نے ایک آدمی کو زندہ کر دیا گویا اس نے سب آدمیوں کو زندہ کر دیا۔

چونکہ حقیقت میں تمام مومنین آدم کے بیٹے اور ایک ہی نفس کا حکم رکھتے ہیں۔ قاتل نے لوگوں کے درمیان قتل جیسی بُری چیز کی تعلیم دی ہے اور سب کو قتل پر اُکسایا ہے۔

خود کشی بھی قتل کے برابر ہے

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَاتَقْتُلُوْا اَنْفُسَكُمْ ط اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيماً وَمَنْ يَفْعَلَ ذٰلِكَ عُدْوَاناً وَّظُلْمًا فَسَوْفَ نُصْلِيْهِ نَاراً ط وَكَانَ ذٰلِكَ عَلٰى اللّٰهِ يَسِيْراً (سورہ۴ . آیت ۲۹)

''تم اپنے آپ کو قتل نہ کرو کیونکہ خدا ضرور تمہارے حال پر مہربان ہے۔ (قتل نفس سے اس لیے منع کیا گیا ہے کیونکہ تمام مومنین ایک نفس کا حکم رکھتے ہیں۔ لہٰذا فرمایا کہ تم اپنی جانوں کو مت مارو)۔ دوسری عبارت میں تم اپنے آپ کو بتوں پر قربان نہ کرو یا غیظ و غضب کے وقت خود کشی نہ کرو۔ اور جو شخص ظلم و جور سے ایسا کرے گا تو (یاد رکھو) ہم بہت جلد اس کو آگ میں جھونک دیں گے۔ اور یہ کام اللہ کے لیے آسان ہے۔''

تمام لوگوں کو زندہ کرنے کے برابر

ارشادِ ربانی ہے:

وَمَنْ اَحْيَاها فَكَانَّمَا اَحْيىٰ النَّاسَ جَمِيْعًا

''اور جس نے ایک آدمی کو زندہ کیا تو گویا اس نے سب لوگوں کو زندہ کر دیا۔''

چنانچہ اگر کوئی کسی نفس محترم کی بقا کا سبب بنے جیسے کہ عفو کرے یا قصاص چھوڑ دے یا انتقام سے اپنے آپ کو باز رکھے یا کسی کو ہلاکت سے نجات دے یا دلائے تو یہ سب لوگوں کو نجات دینے کے برابر ہے اور وہ شخص اسی قدر ثواب کا مستحق بھی قرار پائے گا۔

بعبارت دیگر قتل نفس پروردگارِ عالم کے نزدیک سب سے بڑا گناہ ہے اور قاتل کے لیے سخت ترین عذاب کا وعدہ ہے۔ اسی طرح کسی نفس محترم کی حمایت وحفاظت بھی سب سے بڑی عبادت ہے۔

قاتل مسلمانی کی حالت میں نہیں مرتا

کسی کا قتل گناہ کبیرہ ہونے کے بارے میں احادیث کی طرف اشارہ ہوتا ہے:

عَـنْ اَبِـیْ عَبْـدِالـلّٰـهِ فِی رَجُلٍ قَتَلَ رَجُلاً مُؤمناً؟ قَالَ عَلَيْهِ السَّلامُ يُقالُ لَهُ مِتْ اَیَّ مَيْتَةِ اِنْ شِئْتَ يَهُوْدِيًّا وَاِنْ شِئتَ نَصْرَانِيًّا وَّاِنْ شِئْتَ مَجُوْسِيّاً (کافی)

''حضرت امام جعفر صادق - نے کسی مردِ مومن کے قاتل کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ قاتل کے مرتے وقت اس سے کہا جاتا ہے کہ جس حالت میں مرنا چاہو، مر جانا۔ اگر تم چاہو یہودی بن کر یا مسیحی کی موت مرو، یا مجوسی کی موت مرو۔''

دوسری حدیث:

لَايَزالُ الْمُؤْمِنُ فِیْ فسحةٍ مِنْ دِيْنِهِ مَالَمْ يُصِبْ دَمًّا حَرَاماً. وَقَالَ عَلَيْهِ السَّلامُ لَايُوَفَقِ قَاتِلُ الْمُؤْمِنُ مِتَعَمِّداً لِلتَّوْبَةِ (الوسائل کتاب قصاص۔ ص۴۶۲)

''مومن اپنے دین کی وسیع فضا میں آزاد ہوتا ہے جب تک کسی کے حرام خون سے اپنے ہاتھوں کو نہ رنگا ہو۔'' مزید فرمایا: ''جان بوجھ کر کسی مومن کو قتل

کرنے والے کو توبہ وانابہ نصیب نہیں ہوتی۔''

قتل کے شرکاء بھی قاتل ہیں

تیسری حدیث بھی امام جعفر صادق - سے منقول ہے کہ جناب رسولؐ خدا سے عرض کیا گیا کہ ایک شخص مسلمان مارا گیا ہے اور اس کی لاش گلی میں پڑی ہوئی ہے۔ آنحضرت ﷺ اور اصحاب وہاں پہنچے تو سوال کیا: اس کا قاتل کون ہے؟ عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ ہمیں معلوم نہیں۔ آپ نے تعجب کے ساتھ فرمایا: کوئی مقتول مسلمانوں کے درمیان پڑا ہو اور اس کے قاتل کا کسی کو پتہ نہ ہو۔ اس خدا کی قسم جس نے مجھے پیغمبری کے لیے منتخب فرمایا، اگر تمام آسمان اور زمین میں رہنے والے ایک مسلمان کے خون میں شریک ہو جائیں اور اس سے سب خوش ہوں تو ضرور اللہ تعالیٰ ان سے کو بلاتفریق عذاب میں مبتلا کرے گا اور جہنم میں ڈال دے گا۔

اس حدیث سے یہ استفادہ ہوتا ہے کہ قاتل اور شرکاءِ قتل کے درمیان کوئی فرق نہیں۔ چنانچہ حضرت امام محمد باقر - نے فرمایا کہ قیامت کے دن بارگاہ خداوندی میں کسی کو پیش کریں گے۔ اس کے ساتھ تھوڑا سا خون ہوگا (جتنا کہ حجامت سے نکلتا ہے)۔ وہ شخص کہے گا خدا کی قسم میں نے کسی کو قتل نہیں کیا اور نہ ہی کسی کے قتل میں شریک ہوا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا درست ہے لیکن کسی ایک دن تم نے میرے مومن بندے کا ذکر کیا اور یہی ذکر اُس کے قتل کا سبب بنا اس لیے اس کا خون تمہارے ذمے ہے۔

حضرت امام رضا - سے روایت ہے کہ اگر کوئی مشرق میں مارا جائے اور مغرب میں رہنے والا اس قتل پر راضی ہو جائے تو گویا وہ اس قتل میں شریک ہے۔

لَکَانَ الرَّاضِیُ عِنْدَ اللّٰہِ شَرِیْکُ الْقَاتِلِ (وسائل باب ۵ ص ۴۹۱)

حمل گرانا بھی حرام ہے

جو بچہ ماں کے پیٹ میں ہو اس کو کسی طریقہ سے ضائع کرنا یا مارنا حرام ہے۔ ایسی صورت میں مثل قاتل دیہ ادا کرنا پڑتا ہے۔

جنین (ناقص الخلقت بچہ) اور بڑے آدمی میں کوئی فرق نہیں۔ اگر چہ مارنے والے اس کے ماں باپ ہی کیوں نہ ہوں۔ جیسے ماں ایسی دوائی استعمال کرے جو حمل ساقط ہونے کا سبب بن جائے تو اس صورت میں اُن تمام سزاؤں کی مستحق ہوگی جو قاتل کے لیے معین ہیں۔ یعنی کسی نفس محترم کے قتل پر ایک ہزار مثقال سونا ادا کرنا واجب ہے۔

قاتل اگر چہ ماں باپ ہی ہوں پھر بھی اس دیہ سے ارث نہیں ملتی بلکہ ان کے سوا دوسرے ورثاء اس دیہ کے حق دار ہوں گے۔

عمداً نطفہ ضایع کرنا حرام ہے

مذکورہ بیان سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ دین اسلام کی شرعِ اقدس کس قدر انسانی زندگی اور اسکی حیات کی اہمیت کی قائل ہے۔ کسی دوسرے موضوع کے بارے میں اس قدر تاکید وسفارش نہیں فرمائی جتنی نفس محترم کے لیے فرمائی ہے۔

یہاں تک کہ تکوینِ انسانی کا مادہ یعنی نطفہ رحم مادر میں ٹھہرنے کے بعد ضائع کرنا حرام قرار دیا ہے۔ اور اس کے لیے دیہ بھی مقرر کر دیا ہے۔ جس کی تفصیل یوں ہے:

اگر نطفہ ضائع کیا گیا ہے تو ساٹھ مثقال سونا، اگر ہڈی پیدا ہو گئی تھی تو اسی مثقال سونا، اگر جنین (رحم مادر میں نا تمام بچہ) کے گوشت واعضاء نمودار ہو گئے تھے لیکن روح داخل نہیں ہوئی تو سو مثقال سونا، اگر روح داخل ہو گئی تھی اور وہ لڑکا تھا تو ہزار مثقال سونا، اور لڑکی تھی تو پانچ سو مثقال سونا۔

اگر حاملہ عورت مر جائے تو اس کا پیٹ چاک (آپریشن) کر کے بچے کا نکالنا واجب اور غفلت برتنا حرام ہے۔

اگر تاخیر کی بنا پر بچہ ضائع ہو جائے تو جس کی غفلت سے بچہ ضائع ہوا، اس پر دیہ واجب ہے۔

قتل کی توبہ

اگر کوئی جان بوجھ کر کسی نفس کو قتل کرے اور اس کے بعد توبہ کرنا چاہے تو اسے چاہیئے کہ اپنے آپ کو مقتول کے ولی کے حوالے کرے۔ مقتول کے ورثاء کو اختیار ہے کہ قاتل سے قصاص لیں یا دیہ (خون بہا) لے لیں یا معاف کر دیں۔

معاف کرنے کی صورت میں یعنی اسے قتل نہ کریں تو قاتل پر تین چیزیں واجب ہوتی ہیں: (۱) ایک بندہ راہِ خدا میں آزاد کرے (۲) ساٹھ مسکینوں

کو پیٹ بھر کے کھانا کھلائے (۳) ساٹھ روزے متواتر رکھے۔
اگر بندہ آزاد کرنا دسترس میں نہ ہو تو باقی دو کفارے ساقط نہیں ہوتے۔

اتفاقی اور خطائی قتل

غلطی سے کسی کو قتل کرنے کی صورت میں بھی مقتول کے سرپرستوں کو دیہ ادا کرنا واجب ہے لیکن اس صورت میں جبکہ مقتول کے ولی اسے معاف کر دیں۔
اس کے علاوہ مذکورہ طریقے پر بندہ آزاد کرنا، فقیروں کو کھانا کھلانا اور ساٹھ روزے رکھنا بالترتیب واجب ہے۔
اسی طرح کسی کے اعضائے بدن کو کاٹنا بھی گناہ کبیرہ ہے۔ تفصیل کے خواہشمند فقہی کتب کی طرف رجوع فرمائیں۔

❁❁❁

والدین کا عاق کرنا

گناہان کبیرہ میں سے چھٹا گناہ کبیرہ ماں باپ کا عاق ہے۔ چنانچہ حضرت رسول اکرم ﷺ اور بعض آئمۂ اطہار ؑ سے روایت ملتی ہے کہ والدین کا عاق بڑے گناہوں میں سے ہے۔ جیسا کہ اس کتاب کے شروع میں تفصیل سے ذکر ہوا ہے۔ بلکہ حضرت رسول اکرم ﷺ سے منقول ہے کہ تمام گناہان کبیرہ میں سب سے بڑا گناہ اللہ کا شریک قرار دینا اور والدین کا عاق ہے۔
عاق ایسا گناہ ہے جس کے لیے قرآن مجید اور احادیث صحیحہ میں عذاب جہنم کا وعدہ ہے۔ قرآن مجید میں حضرت عیسیٰ ؑ کا قول اللہ تعالیٰ اپنے کلام میں یوں بیان کرتا ہے:

وَبَرًّا ۢ بِوَالِدَتِیْ وَلَمْ یَجْعَلْنِیْ جَبَّارًا شَقِیًّا

''اور مجھ کو اپنی والدہ کا فرمان بردار بنایا اور الحمدللہ کہ مجھ کو سرکش نافرمان نہیں بنایا۔'' (سورہ ۱۹۔ آیت ۳۲)
چونکہ حضرت عیسیٰ ؑ کے باپ نہ تھے اس لیے ماں کا ذکر کیا گیا۔ اس سورے کی پانچویں آیت میں حضرت یحییٰ ؑ کے ماں باپ دونوں کا ذکر ہے۔
ان آیتوں میں عاق والدین کو تین صفات سے یاد فرمایا ہے: (۱) جبار یعنی سرکش (۲) شقی یعنی بدبخت (۳) عصی یعنی گناہ گار۔
اور ہر صفت کے لیے سخت عذاب کا وعدہ دیا گیا ہے۔ چنانچہ جبار کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے:

وَخَابَ کُلُّ جَبَّارٍ عَنِیْدٍ مِّنْ وَّرَائِہٖ جَھَنَّمُ وَیُسْقٰی مِنْ مَّآءٍ صَدِیْدٍ یَتَجَرَّعُہٗ وَلَا یَکَادُ یُسِیْغُہٗ وَیَاْتِیْہِ الْمَوْتُ مِنْ کُلِّ مَکَانٍ وَمَاھُوَ بِمَیِّتٍ ط وَمِنْ وَّرَآئِہٖ عَذَابٌ غَلِیْظٌ

(سورہ ۱۴۔ آیت ۱۵۔ ۱۶۔ ۱۷)

''اور ہر ایک سرکش عداوت رکھنے والا ہلاک ہوا۔ یہ تو دنیا کی سزا تھی اور اس کے پیچھے ہی پیچھے جہنم ہے اور اس میں اسے پیپ ولہو بھرا ہوا پانی پینے کو دیا جائے گا (زبردستی) اسے گھونٹ گھونٹ کر کے پینا پڑے گا۔ اور اُسے حلق سے بآسانی نہ اُتار سکے گا۔ اور (وہ مصیبت ہے کہ) اسے ہر طرف موت ہی موت آتی دکھائی دیتی ہے حالانکہ وہ مارے نہ مر سکے گا اور پھر اس کے پیچھے سخت عذاب ہوگا۔''
اور شقی صفت رکھنے والے کے بارے میں فرماتا ہے:

فَاَمَّا الَّذِیْنَ شَقُوْا فَفِی النَّارِ لَھُمْ فِیْھَا زَفِیْرٌ وَّشَھِیْقٌ خَالِدِیْنَ فِیْھَا مَادَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَاشَآءَ رَبُّکَ ط اِنَّ رَبَّکَ فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُO

(سورہ ۱۱۔آیت ۱۰۶،۱۰۷)

''پس جولوگ بد بخت ہیں وہ دوزخ میں ہوں گے اور اسی میں ان کی ہائے وائے اور چیخ وپکار ہوگی۔ وہ لوگ جب تک آسمان اور زمین ہے، ہمیشہ اسی میں رہیں گے۔(مگر جب تمہارا پروردگار نجات دینا چاہے) بے شک تمہارا پروردگار جو چاہتا ہے وہ کر ہی کے رہتا ہے۔''

عصی یعنی نافرمان کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے:

وَمَنْ يَعْصِ اللّٰهِ وَرَسُوْلَهُ وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهُ يُدْخِلْهُ نَاراً خَالِداً فِيْهَا وَلَهُ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ

(سورہ۴۔آیت۱۴)

''اور جس شخص نے خدا اور اس کے رسول کی نافرمانی کی اور اس کی حدود سے گزر گیا تو بس خدا اس کو جہنم میں داخل کرے گا۔ اور وہ اس میں ہمیشہ (اپنا کیا بھگتتا) رہے گا۔ اس کے لیے بڑا رسوائی کا عذاب ہے۔''

عاق والدین سے متعلق احادیث

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اِيَّاكُمْ وَعُقُوْقِ الْوَالِدَيْنِ فَاِنَّ رِيْحَ الْجَنَّةِ يُوْجَدُ مِنْ مَسِيْرَةِ اَلْفِ عَامٍ وَلَا يَجِدُ هَا عَاقٍ وَّلَاقَاطِعُ رَحِمٍ (وسائل الشیعہ)

''خبردار! والدین کی ناراضگی سے پرہیز کرو۔ بے شک بہشت کی خوشبو ایک ہزار سال دور کے فاصلے سے سونگھ سکتا ہے لیکن ماں باپ کے عاق اور رشتہ داروں سے قطع تعلق کرنے والا جنت کی خوشبو محسوس نہیں کر سکے گا۔''

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی سے روایت ہے:

مَنْ اَسْخَطَ وَالِدَيْهِ فَقَد اَسْخَطَ اللّٰهَ وَمَنْ اَغْضَبَهُمَا فَقَدْ اَغْضَبَ اللّٰهَ (مستدرک)

''جس نے اپنے والدین کو ناراض کیا تو گویا اس نے اللہ کو ناراض کیا۔ اور جس نے ان دونوں کو غضب ناک کیا تو اس نے اللہ کو غضب ناک کیا۔''

ایک اور مقام پر ارشاد ہوتا ہے:

مَنْ آذىٰ وَالِدَيْهِ فَقَدْآذَانِي وَمَنْ آذَانِيْ آذَىٰ اللّٰهَ وَمَنْ آذىٰ اللّٰهَ فَهُوَ مَلْعُوْنٌ. (مستدرک)

''جس کسی نے اپنے والدین کو اذیت دی اس نے مجھے اذیت دی ہے اور جس نے مجھے اذیت دی اس نے اللہ کو اذیت دی اور جس نے اللہ کو اذیت دی پس وہ ملعون ہے۔''

نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

وَلْيَعْمَلِ الْعَاقُ مَاشَآءَ اَنْ يَعْمَلَ فَلَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ (مستدرک)

''ماں باپ کو جس نے ناراض کیا پھر وہ جتنا بھی چاہے عمل کرے بہشت میں داخل نہیں ہوسکتا۔''

ایک اور مقام پر ارشاد ہوتا ہے:

ثَلَاثَةٌ لَّايُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ ى.وْمَ الْقِيَامَةِ وَلَايُزَكِيْهِمْ وَلَايَنْظُرُ اِلَيْهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ وَهُمُ الْمُكَذِّبُ بِالْقَدَرِ وَالْمُدْمِنُ لِلْخَمْرِ وَلْعَاقُ ل،وَالِدَ يْهِ

(مستدرک۔کتاب نکاح۔باب ۷۵)

''تین گروہوں کے ساتھ خداوند تعالیٰ قیامت کے دن بات نہیں کرے گا، نہ ان پر نظر رحمت رکھے گا، نہ ان کو گناہوں سے پاک فرمائے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔ ان تین گروہوں میں ایک تقدیر الٰہی کو جھٹلانے والا، دوسرا ہمیشہ شراب پینے والا اور تیسرا والدین کا عاق کیا ہوا۔

ولادین کا عاق قابل مغفرت نہیں

عاق والدین کی شقاوت کے لیے یہی کافی ہے کہ جبرائیل امین - نے اس کے حق میں بددعا کی اور کہا:

مَنْ اَدْرَكَ وَالِدَيْهِ وَلَمْ يُؤَرِّ حَقَّهُمَا فَلَاغَفَرَاللّٰهُ لَهُ فَقُلْتُ آمِيْن. (بحار الانوار)

''جس نے اپنے والدین کو پایا اور ان کے حقوق ادا نہ کئے تو اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت نہ کرے گا۔''

اس وقت حضرت رسول خدا ﷺ نے جبرائیل امین کی بددعا کے بعد آمین کہا۔

حضرت امام جعفر صادق - سے روایت ہے:

مَلْعُوْنٌ مَلْعُوْنٌ مَنْ ضَرَبَ وَالِدَیْہِ، مَلْعُوْنٌ مَلْعُوْنٌ مَنْ عَقَّ وَالِدَیْہِ (مستدرک)

''ملعون ہے، ملعون ہے وہ شخص جس نے اپنے والدین کو مارا۔ ملعون ہے، ملعون ہے وہ شخص جس نے اپنے والدین کو ناراض کیا ہو۔''

عاق والدین کی نماز قبول نہیں

حضرت امام جعفر صادق - سے روایت ہے کہ:

مَنْ نَظَرَ اِلٰی اَبَوَیْہِ نَظَرَ مَاقِتٍ وَّھُمَا ظَالِمَانِ لَہٗ لَمْ یَقْبَلِ اللّٰہُ لَہٗ صَلوٰۃً (کافی)

''جو کوئی اپنے والدین کی طرف غصے سے نظر کرے گا حالانکہ والدین اولاد کے حق میں ظالم ہوں پھر بھی اللہ اس کی نماز قبول نہیں کرے گا۔''

احتضار کی حالت میں ایک جوان کے لیے پیغمبر کی شفاعت

ایک جوان آخری سانسیں لے رہا تھا۔ اسی اثناء میں حضرت رسول خدا ﷺ تشریف لائے اور اس کے پاس بیٹھ کر اسے شہادتین کی تلقین فرمانے لگے۔ مگر وہ جوان کچھ نہ بول سکا۔ آنحضرت ﷺ نے دریافت کیا کہ کیا اس کی ماں موجود ہے؟ جوان کے سرہانے بیٹھی ہوئی ایک عورت نے کہا، جی ہاں، میں اس کی ماں ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کیا تم اس سے ناراض ہو؟ عورت نے عرض کیا: ہاں، یا رسول اللہ ﷺ۔ چھ سال سے میرے اور اس کے درمیان بات چیت بند ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے اس کی ماں سے خواہش کی کہ اپنے بیٹے کو معاف کر دے۔

چنانچہ اس عورت نے آنحضرت ﷺ کے کہنے پر بیٹے کی غلطیوں سے درگزر کیا اور اس سے راضی ہوگئی۔ فوراً ہی وہ جوان کلمہ شہادت پڑھنے لگا۔

آنحضرت ﷺ نے سوال کیا: اس وقت تم کیا دیکھ رہے ہو؟

نوجوان نے عرض کیا: اے رسولِ خدا ﷺ ایک کالا مرد نہایت بدصورت و بدبودار مجھے نہیں چھوڑ رہا۔

آپ نے فرمایا، یہ دعا پڑھو:

یَامَنْ یَّقْبَلُ الْیَسِیْرَ وَیَعْفُوْعَنْ الْکَثِیْرَ اقْبَلْ مِنِّی الْیَسِیْرَ وَاعْفُ عَنِّی الْکَثِیْرَ.

حضور ﷺ نے پوچھا، اب کیا دیکھ رہے ہو؟

نوجوان نے عرض کیا ایک سفید رنگ کا خوب صورت اور معطر مرد میری طرف بڑھ رہا ہے۔ فرمایا، اسی دعا کی تکرار کرو۔ جب دوبارہ پڑھی تو کہنے لگا: یا رسولؐ اللہ! دونوں میری نظروں سے غائب ہوگئے۔ اس کے بعد آنحضرتؐ کے چہرۂ مبارک پر خوشی کے آثار نمودار ہوگئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا، خداوندا! اس نوجوان کے گناہوں کے بخش دے۔ اس کے بعد جوان کی وفات ہوگئی۔ (بحار الانوار)

اس حدیث شریف سے پتہ چلتا ہے کہ عاق والدین کی عاقبت کس قدر سخت ہے۔ وہ بے ایمانی کی حالت میں دنیا سے رخصت ہوتا ہے اور ہمیشہ عذاب الٰہی میں مبتلا رہتا ہے۔ ورنہ کلمہ توحید کی تلقین کرنے والے جناب رسول خدا تھے۔ اس کے باوجود جوان کی زبان نہ کھل سکی۔ یہاں تک کہ اس کی ماں اس سے راضی نہ ہوئی۔ رسولؐ خدا کے قدموں کی برکت اور ماں کی رضایت سے اس نوجوان کی بخشش ہوگئی۔

عاق سے کیا مراد ہے

علامہ مجلسیؒ کتاب کافی کی شرح میں فرماتے ہیں:

اَلْمُرَادُ بِعُقُوْقِ الْوَالِدَیْنِ تَرْکُ الْاَدَبِ لَھُمَا وَالْاِتْیَانُ بِمَایُوْذِیْھِمَا قَوْلاً وَفِعْلاً وَمُخَا لِفُتُھِما فِیْ اَغْرَضِھِمَا الْجَائِزَۃِ عَقْلاً وَنَقْلاً.

''عاق والدین سے مراد یہ ہے کہ اولاد ان کا ادب و احترام نہ کرے۔ کسی قسم کی گفتار و رفتار سے ان کو تکلیف پہنچائے۔ ان کی ایسی خواہشات و مطالبات کی مخالفت کرے جن کا پورا کرنا عقلاً و شرعاً جائز ہو۔

عاق والدین حرام ہونے کی دلیل کتاب و سنت اور اہل تشیع و اہل تسنن کا اجماع ہے۔ چنانچہ حضرت امام جعفر صادق - سے روایت ہے کہ ''کم سے کم عاق ماں باپ کے سامنے اُف کہنا ہے۔ اگر خدا کی نگاہ میں اس سے کمتر کوئی چیز ہوتی تو اس کی مثال دے دیتا۔ والدین کی طرف تندی اور غصے سے نظر

کرنا عاق کا سبب بنتا ہے۔ نیز والدین کو غمگین کرنے سے عاق ہو جاتا ہے۔ ایسے مواقع جن سے والدین کا ناراض ہونا یقینی ہو گناہ کبیرہ ہے۔''

والدین سے نیک کرنا واجب ھے

آیات قرآنی اور احادیثِ آئمۂ طاہرین ؑ سے استفادہ ہوتا ہے کہ والدین کی نافرمانی ان کی خاطر آزردہ کرنا اور تکلیف پہنچانا، جہاں حرام و گناہِ کبیرہ ہے وہاں ان کے حق میں احسان و نیکی کرنا اور کما حقہٗ حق کی ادائیگی کرنا بھی واجب ہے۔ چنانچہ کچھ آیات تبرکاً ذکر کی جاتی ہیں:

وَوَصَّینا الْاِنسَانَ بِوَالِدَیْهِ حُسْناً (سورہ ۲۹ آیت ۸)

''اور ہم نے انسان کو اپنے ماں باپ سے نیکی کرنے کا حکم دیا ہے۔''

اَنِ اشکُرْ لِیْ وَلِوَالِدَیْکَ (سورہ ۳۱. آیت ۱۳)

''ہم نے انسان کو تاکید کی کہ میرا شکر ادا کرے اور اپنے والدین کا بھی۔''

اس آیۂ شریفہ میں اپنا شکر اور والدین کا شکر ایک ساتھ ذکر فرمایا ہے۔ بے شک بندگانِ خدا پر اس کے شکر واجب ہے۔ اسی طرح اولاد پر والدین کا شکر بھی واجب ہے۔

وَقضیٰ رَبُّکَ اَنْ لاَّ تَعْبُدُوْا اِلاَّ اِیَّاہُ وَبالْوَالِدَیْنِ اِحساناً اِمَّا یَبْلُغَنَّ عِنْدَکَ الکِبَرُ اَحَدُهُمَا اَوْ کَلاهُمَا فَلا تَقُلْ لَّهُمَا اُفٍّ وَّلاَتَنْهَرْ هُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلاً کَرِیْماً. وَخْفِضْ لَهُمَا جَناحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا کَمَا رَبَّیَانِیْ صَغِیراً (سورہ ۱۷۔ آیہ ۲۳، ۲۴)

''اور تمہارے پروردگار نے حکم دیا ہے کہ اس کے سوا کسی دوسرے کی عبادت نہ کرنا اور اپنے ماں باپ سے نیکی کرنا۔ اگر ان میں سے ایک یا دونوں تمہارے سامنے بڑھاپے کو پہنچیں اور تمہاری خدمت کی ضرورت پڑے (یا ناراض ہوں) تو خبردار ان کے جواب میں ''اُف'' تک نہ کہنا اور نہ جھڑکنا اور (جو کچھ کہنا سننا ہو تو) بہت ادب سے کہا کرو اور رحم دلی سے ان کے سامنے خاکساری کا پہلو جھکاؤ اور ان کے حق میں دعا کرو کہ اے پروردگار! جس طرح ان دونوں نے میرے چھٹپنے میں میری پرورش کی ہے، اسی طرح تو بھی ان پر رحم فرما۔''

یہاں آیۂ مذکورہ میں خداوند عالم نے والدین کے ساتھ نیکی کو اپنی عبادت کے مترادف قرار دیا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت واجب ہے، اسی طرح والدین کے ساتھ احسان کرنا بھی واجب ہے۔

حضرت صادق آل محمد -فرماتے ہیں کہ اگر ''اُف'' سے چھوٹا کوئی کلمہ عربی زبان میں ہوتا تو ذکر ہوتا اور ممنوع قرار دیا جاتا۔

ابی ولاد نے آپ سے وبالوالدین احساناً کے معنی دریافت کیے تو فرمایا کہ والدین کے ساتھ اچھا سلوک کیا کرو۔ اگر ان کو کسی چیز کی ضرورت پڑے تو اظہار سے پہلے پیش کر دو۔

اس کے بعد وَ قُلْ لَّهُمَا قَوْلاً کَرِیْماً کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ اگر والدین تم کو ماریں تو تم کہو کہ اللہ آپ کی مغفرت کرے۔

پھر وَاخْفِضْ لَهُمَا کے بارے میں پوچھا تو آپ -نے ارشاد فرمایا کہ تندی سے ان کی طرف نگاہ نہ کرنا، اپنی آواز ان کی آواز سے بلند نہ کرنا، ایک ساتھ چلتے وقت آگے نہ بڑھنا، مجالس میں ان سے پہلے جگہ نہ لینا، اپنے ہاتھ کو ان کے ہاتھوں سے بلند نہ کرنا۔

والدین کی خدمت جهاد هے بهتر هے

حضرت امام جعفر صادق -سے روایت ہے کہ ایک آدمی حضرت رسول اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ میں راہِ خدا میں جہاد کرنے کا شوق رکھتا ہوں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا، پس راہ خدا میں جہاد کرو۔ بے شک اگر تم مارے گئے تو اللہ کے نزدیک زندہ رہو گے اور رزق پاؤ گے اور اس کا اجر اللہ تعالیٰ کے ذمے ہوگا۔ اگر سلامتی کے ساتھ واپس آئے تو گناہوں سے اس طرح پاک ہو گے جس طرح بچہ ماں کے پیٹ سے پیدا ہوتا ہے۔ اس شخص نے کہا، یا رسول اللہ ﷺ، میرے والدین زندہ ہیں اور بڑھاپے کی حالت میں ہیں اور مجھ سے کافی انس رکھتے ہیں۔ مجھ سے جدائی ان کو پسند نہیں۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا اگر ایسا ہے تو ان کی خدمت میں ٹھہر جا۔ قسم اس خدا کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، والدین سے ایک دن رات انس میں رہنا ایک سال کے مسلسل جہاد سے افضل ہے۔ یہ روایت بھی آنحضرت ﷺ سے منقول ہے کہ فرمایا:

کُنْ بَاراً وَّ اقْتَصِرْ عَلَی الجَنَّة، وَاِنْ کُنْتَ عَاقاً فَاقْتَصِرْ عَلَی النَّارِ

''والدین کے خدمت گار بن کر جنت میں مقام حاصل کرلو اور اگر والدین کے عاق ہو گئے تو جہنم میں اپنا ٹھکانہ بنالو۔''

والدین سے نیکی گناھوں کا کفارہ ھے

ماں باپ سے نیکی بہت سارے گناہوں کا کفارہ ہے۔ چنانچہ روایت ہے کہ ایک آدمی حضرت رسولؐ خدا کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: یا رسولؐ اللہ، ایسا کوئی بُرا کام باقی نہیں بچا جس کا میں مرتکب نہ ہوا ہوں۔ کیا میرے لیے توبہ ہے؟ آنحضرتؐ نے فرمایا، جاؤ، باپ کے ساتھ نیکی کرو تا کہ تمہارے گناہوں کا کفارہ ہو۔ جب وہ نکل گیا تو آپ نے فرمایا اگر اس کی ماں زندہ ہوتی تو اس کے ساتھ نیکی کرنا زیادہ بہتر ہوتا۔

والدین کی خوشنودی خدا کی خوشنودی ھے

آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے:

رِضیٰ اللّٰہِ مَعَ رِضیٰ الْوَلِدَیْنِ وَسَخَطُ اللّٰہِ مَعَ سَخَطِ الْوَالِدَیْنِ (بحارالانوار)

''والدین کی رضامندی میں اللہ کی رضا ہے اور ان کی ناراضگی میں اللہ کی ناراضگی ہے۔''

آپ ﷺ نے مزید ارشاد فرمایا:

بَیْنَ الْاَنْبِیَاءِ وَالْبَارِ دَرَجَۃٌ وَبَیْنَ الْعَاقِ وَالْفَرَاعِنَہِ دَرَکَۃُ (مستدرک)

''والدین کے ساتھ نیک سلوک کرنے والا بہشت میں پیغمبروں سے صرف ایک درجہ کے فرق پر ہوگا۔ اور والدین کا عاق شدہ جہنم میں فراعنہ سے صرف ایک درجہ نیچے ہوگا۔''

والدین کے ساتھ نیکی کرنے والے کے لیے ملائکہ کی دعائیں

حضرت امیر المومنین -فرماتے ہیں:

بِرُّالوَالِدَیْن اَکْبَرُ فَرِیضَۃٍ.

''والدین کے ساتھ نیکی کرنا واجباتِ الٰہیہ میں سب سے بڑا فریضہ ہے۔''

حضرت رسول خدا ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ اللہ کے دو فرشتے ہیں ان میں سے ایک کہتا ہے:

اللّٰھُمَّ احْفِظِ الْبارِیْنَ بِعِصْمَتِکَ (مستدرک)

''خدایا! والدین کے ساتھ نیکی کرنے والوں کو (تمام برائیوں اور آفتوں) سے محفوظ رکھ۔'' دوسرا فرشتہ کہتا ہے:

اللّٰھُمَّ اَھْلِکِ العَاقِیْنَ بِغَضَبِکَ (مستدرک)

''خداوندا! جن لوگوں سے ان کے والدین ناراض ہیں، انہیں اپنے غضب کے ذریعہ ہلاک فرما۔''

اس میں شک نہیں کہ فرشتوں کی دعا قبول درگاہ الٰہی ہوتی ہے۔

عاق کا دنیوی اثر

مذکورہ احادیث میں عاق والدین کے لیے آخرت کے عقوبات بیان ہوئے ہیں۔ عاق ہونا ایک ایسا گناہ ہے کہ اس کے وضعی وطبعی آثار اور ردّعمل آخرت سے پہلے ہی اسی دنیا میں ظاہر ہوتے ہیں۔ چنانچہ حضرت خاتم الانبیاءؐ نے فرمایا:

ثَلاثَۃٌ مِّنَ الذُّنُوْبِ تُعَجِّلُ عُقُوْبَتُھَا وَلَاتُؤَخِرُ الْآخِرَۃَ عُقُوْقُ الوالِدَیْنِ وَالْبَغْی عَلَی النَّاس وَکُفْرِ الْاِحسانِ (بحارالانوار)

''گناہوں میں تین گناہ ایسے ہیں جن کی سزا عجلت سے اس دنیا میں دی جاتی ہے اور قیامت تک تاخیر نہیں کی جاتی۔ ان میں سے پہلے والدین کا عاق ہونا، دوسرے اللہ کے بندوں پر ظلم کرنا اور تیسرے احسان پر ناشکری کرنا۔''

حضرت امام محمد باقر -نے فرمایا:

صَدَقَۃُ السِرِ تُطْفِیُٔ غَضَب الرَّبِ وَبِرُّالْوَالِدَیْنِ وصِلَۃُ الرَّحِمِ یَزیدَانِ فِیُ الْاَجَلِ

(بحارالانوار)

''مخفی طور پر صدقہ دینا پروردگار کے غضب کو ٹھنڈا کرتا ہے اور والدین کے ساتھ نیکی و قرابت داروں سے صلۂ رحم عمر کو دراز کرتا ہے۔''

ایک اور حدیث میں فرمایا:

البِرُّ وَصَدَقَةُ السِّرِّ يَنْفِيَانِ الفَقْرَ وَيَزِيْدَان فِيْ العُمرِ وَيَدْفَعَانَ عَنْ سَبْعِيْنَ مَيْتَةَ سُوْءٍ

(بحارالانوار)

''ماں باپ سے نیکی اور پوشیدہ خیرات کرنے سے فقر دور ہوتا ہے اور یہ دونوں عمر کو طویل کرتے ہیں اور ستر قسم کی بُری موت اس سے دور ہوتی ہے۔''

یہ بھی فرمایا کہ:

مَنْ يَضْمِنُ لِي بِرَّ الْوالِدَيْنِ وَصِلَةَ الرَّحِمِ اَضْمِنُ لَهُ كَثْرَةَ الْمَالِ وَزِيَارَةَ الْعُمَر وَالْمَحَبَّةَ فِي العَشِيْرَة (مستدرک)

''جو کوئی مجھے یہ ضمانت دے کہ والدین سے نیکی اور رشتہ داروں سے اچھا سلوک کرے گا تو میں بھی اسے کثرت مال اور درازیٔ عمر کے علاوہ اپنے قبیلہ میں محبوب بننے کی ضمانت دوں گا۔''

حضرت امام نقی - نے فرمایا:

اَلعُقُوْقُ يُعَقِّبُ الْقِلَّةَ وَيُؤَدِّيْ اِلَى الذِلَّةِ

''والدین کی ناراضگی سے (روزی کی) کمی اور ذلت پیچھا کرتی ہے۔''

عاقِ والدین گدائی و بد نصیبی کا سبب بنتا ھے

مدینۂ منورہ کے ایک دولت مند جوان کے ضعیف ماں باپ زندہ تھے۔ وہ جوان ان کے ساتھ کسی قسم کی نیکی نہیں کرتا تھا اور انہیں اپنی دولت سے محروم کیے ہوئے تھا۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس جوان سے اس کا سب مال و دولت چھین لیا۔ وہ ناداری، تنگ دستی اور بیماری میں مبتلا ہو گیا اور مجبوری و پریشانی انتہا کو پہنچ گئی۔

جناب رسول خدا ﷺ نے فرمایا جو کوئی ماں باپ کو تکلیف پہنچاتا ہے اُسے اس جوان سے عبرت حاصل کرنی چاہیئے۔

دیکھو! اس دنیا میں اس سے مال و دولت واپس لے لی گئی، اس کی ثروت و بے نیازی فقیری میں اور صحت بیماری میں تبدیل ہو گئی۔ اس طرح جو درجہ اس کو بہشت میں حاصل ہونا تھا، وہ ان گناہوں کے سبب اُس سے محروم ہو گیا۔ اس کی بجائے آتشِ جہنم اس کے لیے تیار کی گئی۔ (سفینۃ البحار)

حضرت امام جعفر صادق - سے منقول ہے کہ جب حضرت یعقوب - اپنے بیٹے حضرت یوسف - سے ملاقات کرنے مصر تشریف لائے تو حضرت یوسف - اپنی ظاہری سلطنت اور شان و شوکت کو برقرار رکھتے ہوئے اپنے والد بزرگوار کے احترام کے لیے اپنی سواری سے نیچے نہیں اُترے تو حضرت جبرائیل - نازل ہوئے اور حضرت یوسف - سے کہا کہ اپنا ہاتھ کھولیے، آپ - نے جب ہاتھ کھولا تو اس سے ایک روشنی نکلی اور آسمان کی طرف بلند ہوئی۔

حضرت یوسف - نے دریافت کیا یہ نور جو میرے ہاتھ سے نکلا اور آسمان کی جانب چلا گیا، یہ کیا تھا؟

جبرائیل - نے عرض کیا، نبوت کا نور آپ - کے صلب سے باہر نکل گیا۔ کیونکہ آپ - نے اپنے والد کا احترام بجا نہیں لایا تھا اس لیے آپ - کے بیٹوں میں سے کسی کو پیغمبری نہیں ملے گی۔

اس میں شک نہیں کہ حضرت یوسف - اپنے والد بزرگوار کے احترام میں سواری سے نیچے نہیں اُترے لیکن یہ تکبّر اور بے اعتنائی کی وجہ سے نہیں تھا۔ کیونکہ انبیائے کرام ؑ ہر قسم کے گناہوں سے پاک و پاکیزہ ہوتے ہیں۔ البتہ اپنی سلطنت اور شان و شوکت کا اعلیٰ مقام برقرار رکھنے اور رعایا پر رُعب و دبدبہ بٹھانے کی خاطر تھا۔

عاق والدین کا بُرا انجام

عاق والدین کے وضعی آثار میں سے ایک اثر بُرا انجام ہے۔ اس کے برعکس والدین کے ساتھ نیکی کرنے سے عاقبت سنور جاتی ہے۔ جیسا کہ امام جعفر صادق - نے فرمایا:

مَنْ اَحَبَّ اَنْ یُّخَفِّفَ اللّٰہُ عَنْہُ سَکَرَاتَ الْمَوْتِ فَلْیَکُنْ لِقَرَابَتِہٖ وَصُوْلاً وَّلوَالِدَیْہِ بَارّاً فَاِذَا کَانَ کَذٰلِکَ ھَوَّنَ اللّٰہُ عَلَیْہِ سَکَرَاتَ الْمَوْتِ وَلَمْ یَصبَہُ فِیْ حیوٰتہٖ فَقْرٌ اَبَداً (سفینۃ البحار جلد ۲ ص ۶۸۷)

''جس کی خواہش ہو کہ جان کنی کی کیفیت اس پر آسان ہو جائے، اسے اپنے رشتہ داروں سے صلۂ رحم اور والدین کے ساتھ نیکی بجالانا چاہیئے۔ جب کوئی ایسا کرے گا تو خداوند عالم موت کی سختیاں اس پر آسان کردے گا اور وہ شخص زندگی بھر کسی پریشانی وتنگ دستی میں نہ ہوگا۔''

والدین کی دعا جلد مستجاب ہوتی ہے

ماں باپ اولاد کے حسن سلوک کے یا بدسلوکی کے نتیجے میں جو بھی دعا کرتے ہیں، وہ بارگاہِ الٰہی میں ضرور قبول ہوتی ہے۔اس بارے میں بہت سی روایات وارد ہوئی ہیں۔اس سلسلے کی ایک روایت دعائے مشلول کی فضیلت میں نقل ہوئی ہے۔

کہتے ہیں کہ ایک نوجوان کا اپنے باپ کی بددعا کے نتیجے میں سیدھا ہاتھ بے کار ہو گیا تھا۔ وہ نوجوان باپ کی وفات کے بعد متواتر تین سال مسجد الحرام میں ساری رات بارگاہِ رب العزت میں گڑگڑا کر دعائیں کرتا تھا۔ایک دن مولائے متقیان حضرت امیر المومنین -کو اس نوجوان پر ترس آیا۔ چنانچہ آپ نے اُسے دعائے مشلول تعلیم فرمائی۔اور وہ نوجوان اس دعا کی برکت سے شفایاب ہو گیا۔

ماں حسنِ سلوک کی سب سے زیادہ سزا وار ہے

ماں کے ساتھ نیکی کرنا زیادہ فضیلت رکھتا ہے۔ چنانچہ حضرت رسول خدا ﷺ نے ماں کے ساتھ اچھے برتاؤ کے سلسلے میں تین مرتبہ تکراراً حکم دیا ہے اور چوتھی مرتبہ باپ سے نیک سلوک کرنے کا حکم دیا ہے۔

آپ ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ والدین میں کس کا حق زیادہ ہے؟

آپ نے فرمایا:

کیا ماں وہی ہستی نہیں ہے جس نے مدتوں تجھے اپنے رحم میں اٹھائے رکھا اور اس کے بعد وضعِ حمل کی سختیاں برداشت کیں؟ پھر اپنی چھاتی سے تیرے لیے غذا مہیا کی۔ پس ماں کا حق سب سے زیادہ ہے۔(مستدرک ۶۲۸)

ماں باپ کے حقوق

کسی نے آنحضرت ﷺ سے سوال کیا کہ باپ کا کیا حق ہے؟ فرمایا، جب تک وہ زندہ ہے اس کی اطاعت کرنا، پھر پوچھا کہ ماں کا کیا حق ہے؟ فرمایا، اگر صحراؤں میں ریت کے ذرات کے برابر اور بارش کے قطرات کی مقدار میں بھی اگر ماں کی خدمت سرانجام دی جائے تو پھر بھی شکم مادر میں ایک دن بھی رہنے کا حق ادا نہیں ہوسکتا۔(مستدرک)

ایک جوان اور اس کی اپاہج ماں

روایت ہے کہ ایک آدمی آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی، یارسول اللہ ﷺ میری ماں ہاتھ پیر سے معذور ہے۔ وہ اپنی جگہ سے خود ہل نہیں سکتی۔ میں اس کے پیٹھ پر بٹھاتا ہوں، اس کے منہ میں نوالہ دیتا ہوں، اس کی گندگی کو پاک وصاف کرتا ہوں، کیا میں نے اس کا حق ادا کر دیا؟

آنحضرت ﷺ نے فرمایا، نہیں۔ کیونکہ تم اس کے پیٹ میں مدتوں رہے۔ اس کے جسم سے تم کو کھانے اور پینے کی اشیاء فراہم ہوتی رہیں۔ اس کے ہاتھ پیر مسلسل تمہاری حفاظت کے لیے استعمال ہوئے۔ ان زحمات کے باوجود یہ تمہاری درازیٔ عمر کے لیے تمنا کرتی رہی۔ لیکن تم ہو کہ آرزو رکھتے ہو کہ وہ دنیا سے رخصت ہو جائے تاکہ تم کو اس کی فکر سے آزادی مل جائے۔

آنحضرت ﷺ نے ماں کی عظمت بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر تم مستحبّی نماز پڑھ رہے ہو اور اسی اثناء میں باپ نے تم کو بلایا تو نماز قطع نہ کرنا، لیکن ماں اگر بلائے تو تم نماز چھوڑ دو۔

جی ہاں، ماں کی عظمت وعزت بہت زیادہ ہے۔ جیسا کہ حضرت خاتم الانبیاءؐ نے ارشاد فرمایا:

اَلْجَنَّۃُ تَحْتَ اَقْدَامِ الْاُمَّھَاتِ

''بہشت کی تلاش میں دور جانے کی ضرورت نہیں، بہشت تو ماؤں کے قدموں تلے موجود ہے۔''

والدین مسلمان ہوں یا کافر، ان کے ساتھ نیکی کرو

والدین مومن وعبادت گزار ہوں یا کافر وخطا کار، بلاتفریق ان کے حق میں نیکی کرنا واجب ہے اوران کا عاق ہونا حرام ہے۔ چنانچہ سورۂ لقمان کی پندرہویں آیت میں ارشاد ہوتا ہے:

وَاِنْ جَاهَداکَ عَلٰی اَن تُشْرِکَ بِی مَالَیْسَ لَکَ بِهِ عِلمٌ فَلا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِی الدُّنْیَا مَعْرُوْفاً.

''اگر تیرے ماں باپ تجھے اس بات پر مجبور کریں کہ تو میرا شریک ایسی چیز کو قرار دے، جس کا تجھے کچھ علم نہیں، تو ان کی اطاعت نہ کر، (مگر ان کو تکلیف نہ پہنچانا) اور دنیا کے کاموں میں ان کا اچھی طرح ساتھ دینا جو کہ شرعِ مطہر کی نظر میں پسندیدہ اور مقتضائے رحم وکرم ہو۔''

سُنّی ماں باپ کے لیے دعا

معمر بن خلاّد نے حضرت امام رضا - سے پوچھا اگر میرے ماں باپ حق کی پیروی کرنے والے اور شیعہ نہ ہوں تو کیا پھر بھی ان کے حق میں دعا کرنا جائز ہے؟

آپ - نے فرمایا، ہاں۔ اگر وفات پا گئے ہوں تو ان کے حق میں دعا کرو، ان کے نام پر صدقہ دو اور اگر زندہ ہوں تو ان کی دل جوئی کرو اور خوش رکھو۔

حضرت رسول خدا ﷺ نے فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ بَعَثَنِیْ بِالرَّحْمَةِ لَا بِالعُقُوْقِ

''اللہ تعالیٰ نے مجھے رحمۃٌ للعالمین بنا کر بھیجا مگر عاق میں۔''

جناب جابر نے کہا کہ میں نے کسی سے سنا ہے کہ امام جعفر صادق - سے ایک شخص نے دریافت کیا کہ میرے والدین حق کے مخالف ہیں۔ یعنی شیعۂ اہل بیت ؑ نہیں ہیں۔ آپ - نے فرمایا کہ ان کے حق میں ایسی ہی نیکی کرو جیسے تم ہمارے شیعوں کے ساتھ نیکی کرتے۔ (اصول کافی)

تین چیزوں میں مومن و کافر برابر ہیں

حضرت امام محمد باقر - نے فرمایا:

ثَلاثٌ لَّمْ یَجْعَلِ اللّٰهِ تَعَالٰی لِاَحَدٍ فِیْهِنَّ رُخْصَةٍ: اَدَاءُ الْاَمَانَةِ اِلٰی البِرَ وَالْفَاجِرِ و. الْوَفَاءُ بِالْعَهْدِ اِلٰی البِرِّ وَالْفَاجِرِ وَبِرُّ الْوَالِدَیْنِ بِرَّین کَانَا اَوْفَاجِرَیْنِ (اصول کافی)

''تین چیزوں میں اللہ تعالیٰ نے کسی کو بھی مستثنیٰ قرار نہیں دیا۔ (اول) امانت کی واپسی، اگر چہ مالک مومن ہو یا کافر (دوم) ایفائے عہد کرنا، معاہدہ کرنے والا خواہ مومن ہو یا کافر (سوم) والدین سے نیکی کرنا، خواہ وہ مومن ہوں یا کافر۔

حضرت امام رضا - نے مامون کے نام ایک خط لکھا جس میں شریعت اسلامیہ کا ذکر تھا اور اس ضمن میں یہ مضمون بھی تحریر تھا:

وَبِرُّالْوَالِدَیْنِ وَاجِبٌ وَاِنْ کَانا مُشْرِکَیْنِ وَلاطَاعَةَ لَهُمَّا فِیْ مَعْصِیةِ الخالِق (عیون الاخبار الرضا)

''والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرنا واجب ہے اگر چہ دونوں مشرک ہی ہوں۔ البتہ والدین کی اطاعت واجب نہیں جبکہ خالق کی نافرمانی کا سبب بنے۔''

زکریا بن ابراھیم کو صادق آل محمدؑ کی نصیحت

ابراہیم کا بیٹا زکریا نصرانی تھا، بعد میں مسلمان ہو گیا اور حضرت امام جعفر صادق - کی زیارت سے مشرف ہوا تو اس نے عرض کی کہ میری ماں نصرانی و نابینا ہے، وہ بڑھاپے کی حالت میں ہے۔ آپ - نے فرمایا، ماں کی خدمت کرو اور اچھے طریقے سے پیش آؤ۔

مرنے پر اس کا جنازہ دوسروں کے حوالے نہ کرنا، بذات خود تجہیز وتکفین کا کام انجام دینا۔ اس جملے میں بعد ہونے والی دو پیش گوئی کی طرف اشارہ فرمایا، ایک اس کی ماں کی وفات اور دوسرا اس کا مسلمان ہونا۔

زکریا جب واپس کوفہ پہنچا تو والدہ کے ساتھ بہت ہی ہمدردی ومہربانی سے پیش آنے لگا۔ یہاں تک کہ نوالے اس کے منہ میں رکھتا، کپڑے تبدیل کرتا، نہلاتا ودھلاتا تھا۔ مختصر یہ کہ ہر ممکن خدمات انجام دیتا رہا۔

ماں نے پوچھا، بیٹا، جس وقت تم نصرانی تھے اس قدر میری خدمت نہیں کرتے تھے۔ اب کیا وجہ ہے کہ دن رات میری خدمت کرتے ہو؟

زکریا نے جواب دیا: اے میری ماں، میرا ایک مولا ہے، وہ رسول خدا ﷺ کا فرزند ہے۔ اس نے مجھے اس طرح تیری خدمت انجام دینے کی نصیحت کی ہے۔

ماں نے پوچھا، کیا وہ پیغمبر ہے؟

زکریا نے کہا نہیں۔ بلکہ وہ فرزند پیغمبر ہے۔

ماں نے کہا، اے بیٹا، ایسا شخص پیغمبر ہونا چاہیئے۔ کیونکہ ایسی نصیحتیں اور احکامات انبیاء کرام ؑ ہی دیتے ہیں۔

زکریا نے کہا، پیغمبر اسلام حضرت محمد بن عبداللہ پر سلسلۂ نبوت ختم ہو چکا ہے۔ وہ خاتم الانبیاءؐ ہیں۔ لیکن مجھے نصیحت کرنے والے فرزند رسول خدا ﷺ ہیں۔

اس کی ماں بے ساختہ کہہ اٹھی کہ اے بیٹا، یہ دین اسلام تمام ادیان سے بہتر ہے۔ جسے تو اپنایا ہے۔ وہ مجھے بھی تعلیم دے تا کہ میں بھی مسلمان ہو جاؤں۔

پس زکریا نے اسے شہادتین اور تمام عقائد حقہ کی تعلیم دی۔ اس کے بعد اس عورت نے نماز ظہرین و مغربین ادا کی۔ اسی شب اس پر موت کے آثار ظاہر ہونے لگے تو اپنے بیٹے سے کہنے لگی، بیٹا، جو کچھ تم نے مجھے تعلیمات دی تھیں، ان کی دوبارہ تکرار کرو۔ زکریا نے تکرار شروع کی، وہ عورت سنتی رہی اور اسی حالت میں رحلت کر گئی۔

والدین سے زندگی اور موت کے بعد نیکی کرنا

والدین کی نافرمانی کرنا حرام اور ان کے ساتھ نیکی کرنا واجب ہے، چاہے وہ زندہ ہوں یا مر گئے ہوں۔ بعبارت دیگر، ان کی موت کے بعد بھی اولاد کے ذمے ان کے حقوق باقی رہتے ہیں۔

اگر والدین کی موت کے بعد اولاد ان کو فراموش کر دے، ان کے لیے کارِ خیر بجا نہ لائے تو اس صورت میں اولاد عاقِ والدین شمار ہوگی۔ اگر چہ ان کی زندگی میں حقوق ادا بھی کیے ہوں اور مرتے وقت تک ان کی خدمت سرانجام دی ہو۔

مرنے کے بعد والدین کے حقوق

اول) ایسے واجبات کا ادا کرنا جو انہوں نے اپنی حیات میں انجام نہ دیئے ہوں۔ مثلاً نماز، روزہ، حج اور قرضے وغیرہ

دوم) ان کی وصیت پر عمل کرنا

سوم) ان کی مغفرت و بخشش کے لیے مختلف اعمال بجالانا چاہیئے۔ ان کی طرف سے صدقہ دینا، کارِ خیر انجام دینا، مستحب اعمال بجالانا، مختصر یہ کہ جتنا ممکن ہو مادّی و معنوی تحائف اور ہدیے ان کو بھیجنے چاہئیں۔

والدین کے عقوق ان کی وفات کے بعد

حضرت امام محمد باقر ؑ سے روایت ہے:

اِنَّ الْعَبْدَ لَیَکُوْنُ بَارّاً لِوَالِدَیْهِ فِی حَیٰوتِهِمَا ثُمَّ یُمُوْتَانِ فَلَا یَقْضِیْ عَنْهُمَا دَیْنَهُمَا وَلَا یَسْتَغْفِرُ لَهُمَا فَیَکْتُبُهُ اللّٰهُ عَاقاً.

وَاِنَّهُ لَیَکُوْنُ عَاقاً لَّهُمَا فِیْ حَیٰوتِهِمَا وَغَیْرُ بَارٍّ بِهُمَا فَاِذا مَاتَا قَضیٰ دَیْنَهُمَا وَاسْتَغْفَرَ لَهُمَا فَیَکْتُبُهُ اللّٰهُ بارّاً. (اصول کافی)

''بے شک اگر ایک بندہ والدین کی زندگی میں تو نیک رہے اور جب وہ دونوں مر جائیں تو وہ اُنہیں بھول جائے، ان کے قرض ادا نہ کرے، اور نہ ہی ان کے لیے مغفرت و رحمت طلب کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے نامۂ اعمال میں عاق والدین لکھے گا۔ اور دوسرا بندہ ماں باپ کی زندگی میں تو عاق رہے مگر ان کی موت کے بعد ان کے قرضے ادا کرے اور ان کے لیے مغفرت و بخشش طلب کرے تو اللہ تعالیٰ اس بندے کا نام والدین کے ساتھ نیکی کرنے والوں کی فہرست میں لکھے گا۔''

عمل ایک، ثواب متعدد

حضرت امام جعفر صادق -نے فرمایا کہ تمہیں کس چیز کی مشکل درپیش ہے کہ والدین کی حیات وموت میں ان کی خدمت نہیں کرتے۔آنحضرت ﷺ پہلے والدین کے مرنے کے بعد نیکی کرنے کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں: ان کی نماز پڑھو(یعنی ان کی قضا نمازیں خود یا اُجرت دے کر پڑھوائیں،اگران کے ذمے قضانماز نہ ہوتو نوافل خود پڑھے یا اُجرت دے کے پڑھوائے)،ان کی طرف سے صدقہ دو،ان کے قضاروزے رکھواورحج ادا کرو۔تم جو کچھ عمل بجالاؤ گے اس کا ثواب دونوں کو ملے گا۔

اس کے علاوہ والدین کے حق میں نیکی کرنے کا صلہ دوگنا عطا ہوگا۔ایک اصل عمل بجالانے کے سلسلے میں،دوسرا والدین کے حق میں نیکی کرنے کے صلے میں۔

والدین کے لیے دعا و استغفار

حضرت رسول خدا ﷺ سے روایت ہے کہ ایک شخص آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ ﷺ سے دریافت کیا کہ کیا والدین کے مرنے کے بعد بھی میرے ذمے ان کے کچھ حقوق باقی رہتے ہیں؟

قَالَ نَعَمْ، الصَّلوٰةُ عَلَيْهِمَا وَالْاِسْتِغْفَارُ لَهُمَا وَاِكْرَامُ صَدِيْقِهِمَا وَصِلَةُ رَحِمِهُمَا (كافى)

''فرمایا،ہاں۔ان کے لیے نماز پڑھواور استغفار کرواوران کے دوستوں کا احترام کرو،ان کے رشتہ داروں سے حسن سلوک رکھو۔''

اطاعت والدین واجب ہونے کے مواقع

والدین کے امر ونہی واجبات عینی اور محرماتِ الٰہی کے مقابل کوئی حقیقت نہیں رکھتے۔مثلاً والدین اگر اولاد کو شراب پینے کا حکم دیں یا اُس کو واجب نماز روزے سے روکیں تو ایسی صورت میں والدین کی اطاعت ممنوع ہے۔چنانچہ سورۂ لقمان کی پندرھویں آیت میں اس کی تصریح فرمائی ہے:

وَاِنْ جَاهَدَكَ عَلٰى اَنْ يُشْرِكَ بِىْ مَالَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا.

''اگر تمہارے ماں باپ تمہیں اس بات پر مجبور کریں کہ تم میرا شریک کسی ایسی چیز کو قرار دو جس کا تمہیں کچھ علم نہیں،تو تم ان کی اطاعت نہ کرنا۔''

یہ حدیث شریف اس آیت کریمہ کی تائید کرتی ہے:

لَاطَاعَةَ لِمَخلُوْقٍ فِىْ مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ (بحار الانوار)

''مخلوق کی اطاعت جائز نہیں جبکہ اس میں خالق کی نافرمانی ہو۔''

ان دوصورتوں کے علاوہ تمام مستحبات ومکروہات اور مباحات بلکہ وجوب کفائی انجام دینے کی صورت میں والدین کی رضایت ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔اگر یہ عمل والدین کی ناراضگی کا سبب بن جائیں یا تکلیف کا موجب ہوں تو ان کی مخالفت کرنا حرام اور گناہ کبیرہ ہے۔اس اسی مخالفت کو عاق کہتے ہیں۔مثلاً بیٹا غیر واجب سفر پر جانا چاہتا ہولیکن والدین جانی ومالی ضرر کے اندیشے سے یا اس کے ساتھ شدید محبت کی بنا پر جدائی کو برداشت نہ کر سکنے کی وجہ سے اسے سفر پر جانے سے منع کریں اور بیٹا منع کرنے کے باوجود سفر پر جائے تو اس صورت میں معصیت کا سفر ہوگا اور حرام ہوگا۔ایسے سفر میں نماز وروزہ قضا نہیں ہوگا۔

مختصر یہ کہ ہر وہ مخالفت جو والدین کی ناراضگی،رنجش اور اذیت کا سبب بن جائے،حرام ہے۔مگر یہ کہ ان کی اطاعت اولاد کے لیے ناقابل برداشت ہو یا دینی ودنیوی ضرر کا موجب ہو۔مثلاً والدین اولاد کو شادی کرنے سے منع کریں،جبکہ شادی کے بغیر زندگی گزارنا دشوار ہو یا عسر وحرج درپیش ہوتا ہو یا یہ کہ والدین بیٹے سے کہیں کہ بیوی کو طلاق دے دو جبکہ یہ حکم دونوں میاں بیوی کے لیے نقصان کا باعث ہو۔ایسی صورت میں والدین کی اطاعت واجب نہیں لیکن ایسے امور جن میں والدین مخالفت کے باوجود ناراض نہ ہوتے ہوں اور ان کو کوئی تکلیف بھی نہ پہنچتی ہو،ایسے موقعوں پر مخالفت کا حرام ہونا یا اطاعت کا واجب ہونا میرے علم میں نہیں ہے۔

بہتر ہے بلکہ احتیاط یہ ہے کہ تا حد امکان ان اوامر کو بجالائیں اور مخالفت سے پرہیز کریں۔خصوصاً جبکہ والدین اولاد کی مصلحت ملحوظ خاطر رکھ کر امر و نہی کریں اور اس میں ان کی ذاتی غرض نہ ہو۔

والدین کے امر و نہی میں تضاد

جب کبھی والدین کے احکام میں تضاد واقع ہو جائے مثلاً باپ کہے کہ فلاں کام کرو،ماں کہے کہ وہ کام نہ کرو تو ایسی صورت میں کوشش کی جائے کہ

دونوں کو راضی رکھا جا سکے اور اگر کوئی دونوں کو راضی نہ کر سکے تو ماں کی خوشنودی کو ترجیح دے۔ چونکہ ابتدائے خلقت میں باپ سے پہلے ماں کے حقوق انسان پر عائد ہوتے ہیں کیونکہ ماں زیادہ تکالیف سہتی ہے خصوصاً ایامِ حمل، وضعِ حمل اور دودھ پلانے کی زحمات ماں ہی برداشت کرتی ہے۔ ماں اس لیے بھی زیادہ نیکی کا استحقاق رکھتی ہے کہ عورت پیدائشی طور پر مرد کی نسبت نازک مزاج ہوئی ہے۔ وہ اولاد کی معمولی سی تکلیف کو دیکھ کر تڑپ جاتی ہے، بیتاب ہو جاتی ہے مامتا اُسے بے قابو کر دیتی ہے۔

اس کے برعکس باپ کی عقل و ہوش مضبوط اور مزاج سنجیدہ ہوتا ہے وہ اولاد کی تکلیف سے کم متاثر ہوتا ہے۔ باپ احساس کر لیتا ہے کہ بیٹا میری مخالفت ذاتی دشمنی کی بنا پر نہیں بلکہ ماں کی خاطر داری کی بنا پر کر رہا ہے۔ اس لیے وہ مخالفت سے ناراض نہیں ہوتا۔

والدین کی اجازت لازم ھے

شرع مقدس اسلام میں یہ ضروری قرار دیا گیا ہے کہ کچھ امور میں اولاد ماں باپ دونوں سے یا کسی ایک سے اجازت حاصل کرے۔ جیسے وجوبِ کفائی مثلاً جہاد یا مستحبات مثلاً مستحبی روزہ یا بعض عقود مثلاً عہد، قسم اور نذر بجالانے میں ان سے اجازت لینا چاہیئے۔

شہیدِ اولؒ نے کتاب قواعد میں حقوق والدین بیان فرماتے ہوئے دن عنوانات ترتیب دیئے ہیں۔ اختتام انہیں عناوین پر زیادہ مناسب سمجھتا ہوں۔

اولاد کے سفر کے متعلق قول شہید

۱) مباح اور مستحب سفر والدین کے اذن کے بغیر حرام ہے لیکن تجارت کا سفر جس سے فائدہ حاصل کرنا مقصود ہو یا تحصیلِ علم کے لیے سفر کرنا، جبکہ جس جگہ والدین رہتے ہیں، ممکن نہ ہو، ایسی صورت میں بعض فقہاء سفر جائز سمجھتے ہیں۔

۲) بعض فقہاء قائل ہیں کہ بیٹے پر ہر جگہ اور ہر حالت میں والدین کی اطاعت واجب ہے اگر چہ اس میں شک و شبہ بھی ہو۔ پس اگر والدین حکم کریں کہ ہمارے ساتھ غذا تناول کرو اور بیٹا غذا میں شبہ کی نظر رکھتا ہو، پھر بھی واجب ہے کہ اطاعت بجالائے اور ان کے ساتھ کھانا کھائے۔ کیونکہ والدین کی اطاعت بجالانا واجب ہے اور شبہات چھوڑنا مستحب ہے۔

۳) جبکہ نماز کا وقت داخل ہو اور والدین کسی کام کی انجام دہی کے لیے حکم دیں تو اطاعتِ والدین کو مقدم سمجھیں چونکہ اوّل وقت میں نماز پڑھنا مستحب ہے اور اطاعتِ والدین واجب ہے۔

(جو سفر ماں باپ کی تکلیف کا باعث ہو، حرام ہے اور انسان کو اس سفر میں نماز پوری پڑھنا پڑے گی اور روزہ بھی رکھنا ہوگا۔ اگر اولاد ماں باپ کے روکنے کے باوجود سفر کرے جبکہ وہ سفر ان پر واجب ہو۔ البتہ حج واجب کا سفر ہے تو نماز قصر پڑھے۔ دیکھو توضیح المسائل امام خمینی مسئلہ ۱۲۹۲،۱۲۹۱، الخوئی مسئلہ ۱۳۰۵،۱۳۰۴) (مترجم)

نماز جماعت سے منع کرنا

۴) اقرب یہ ہے کہ والدین اپنے فرزند کو نمازِ باجماعت میں شرکت سے منع نہیں کر سکتے۔ مگر جبکہ بیٹے کی جماعت میں شرکت ان کے لیے تکلیف کا باعث بن جائے۔ مثلاً بیٹا نمازِ عشاء یا نمازِ فجر جماعت سے پڑھنے کے لیے مسجد جائے تو والدین کو خوف محسوس ہوتا ہو اپنے جان و مال کا یا پھر خود اولاد کی جان کا۔

۵) اس صورت میں جبکہ جہاد کے لیے سفر کرنا فرزند پر واجبِ عینی نہ ہو تو والدین اس سفر سے منع کر سکتے ہیں۔

۶) واجباتِ کفائی میں والدین اولاد کو صرف اُسی صورت میں روک سکتے ہیں جبکہ دوسرے افراد کے ذریعے اسے انجام دینے کا گمان یا یقین حاصل ہو جائے۔ اس صورت میں والدین تمام واجباتِ کفائی سے بیٹے یا بیٹی کو روک سکتے ہیں۔

۷) بعض فقہاء کہتے ہیں کہ اگر مستحبی نماز میں مشغول ہو اور والدین اس کو بلائیں تو وہ نماز توڑ سکتا ہے۔

۸) باپ کے اذن نہ دینے کی صورت میں مستحبی روزہ ترک کر دینا چاہیئے۔

۹) قسم اور عہد کے عقود کے بارے میں اگر والدین اجازت نہ دیں تو پھر ترک کر دینا چاہیئے۔

۱۰) اولاد پر واجب ہے کہ والدین کو کسی قسم کی تکلیف نہ دے یا کوئی دوسرا تکلیف پہنچانے کا ارادہ کرے تو اپنے امکان وقوت کے مطابق ان کا دفاع

کرنا چاہیئے۔

احترام والدین

والدین کے حقوق کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ ان کے ساتھ نہایت ادب واحترام سے پیش آنے کی سخت تاکید کی گئی ہے۔اس سلسلے میں اہل بیت اطہار ؑ سے متعدد روایات نقل ہوئی ہیں۔مثلاً:

۱) والدین کو پکارنے کی صورت میں ان کا نام نہیں لینا چاہیئے بلکہ لقب یا کنیت وغیرہ سے یاد کرنا چاہیئے۔

۲) راستہ چلتے ہوئے والدین سے آگے نہ بڑھیں اوران سے پہلے نہ بیٹھیں۔

۳) والدین سے قبل دسترخوان پر ہاتھ آگے نہ بڑھائیں۔

حضرت امام زین العابدین -اپنی والدۂ گرامی کے ساتھ احتراماً کھانا تناول نہیں کرتے تھے۔آپ -فرماتے تھے کہ میں اس بات سے ڈرتا ہوں کہ کہیں کسی نوالہ کو والدہ اٹھانے کا ارادہ رکھتی ہوں اور میں ہاتھ بڑھادوں۔اگر میں نے ایسا کیا تو گویا ان کا ادب واحترام نہ کیا۔

۴) کسی مجلس میں والدین سے منہ پھیر کر نہ بیٹھیں۔

۵) دورانِ گفتگو اپنی آواز کو ان کی آواز پر بلند نہ کریں۔

۶) ایسے کام نہ کریں جس سے لوگ والدین کو ملامت کریں اوران کو لعن طعن کرنے کا سبب بنیں۔یعنی کسی کے والدین کو بُرا بھلا نہ کہیں،نتیجتاً وہ اس کے والدین کو نازیبا کلمات کہیں گے۔

۷) حضرت سجاد -نے راستے میں ایک لڑکے کو دیکھا جو اپنے والد کے ہاتھوں کے سہارے راستہ چل رہا تھا۔چنانچہ آپ -اس لڑکے سے ناراض ہوئے اور آخر عمر تک اس سے بات چیت نہ کی۔(کافی)

واضح رہے کہ والدین کے حق میں نیکی کے بارے میں جو کچھ بیان ہوا ہے،فقہاء کے درمیان مسلمہ احسان وہ ہے جس سے والدین کی دل آزاری نہ ہوتی ہو۔مثلاً ان کے مقررہ مصارف معیّن وقت میں ادا نہ کرنا اور مطالبہ پر مجبور کرنے کے بعد دینا،کسی تقریب میں مدعوئین کے ساتھ ان کو بھی باقاعدہ دعوت نہ دینا،کسی سفر سے واپسی پر ان کے لیے دوسروں کے ساتھ تحفہ تحائف نہ دینا۔

اس قسم کے احسانات کا ترک کرنا حرام ہے۔البتہ ایسے امور جن سے والدین کی ناراضگی نہ ہوتی ہو،ان کی حرمت معلوم نہیں۔

البتہ آداب واحترام کے بارے میں جو کچھ بیان ہوا ہے،علمائے عظام کے درمیان مسلم آداب واحترام وہی نہیں ہیں جس کے ترک کرنے کی صورت میں والدین کے دل میں رنجش پیدا ہوتی ہے۔مثلاً اہانت وتحقیر کی نیت سے والدین سے منہ پھیرنا یا پیٹھ موڑ کر بیٹھنا،ان کی آواز سے اونچی آواز میں گفتگو کرنا،راستہ چلتے ہوئے ان سے آگے نکل جانا،یہ سب حرام ہیں۔

لیکن توہین وتحقیر کے بغیر بعض اوقات احترام وآداب کو ترک کرنا جس سے والدین ناراض نہ ہوتے ہوں،اس قسم کے بے احترامی کی حرمت معلوم نہیں،پھر بھی اس قسم کے احترامات مستحبات میں شمار کیے گئے ہیں۔

اولاد کے حقوق جو کہ والدین پر واجب ہیں

جس طرح والدین کا ادب واحترام بجالانا اوران کے ساتھ احسان کرنا اولاد پر واجب ہے،اسی طرح والدین کے ذمے بھی اولاد کے کچھ حقوق عائد ہوتے ہیں۔ان حقوق کی رعایت کرنا ماں باپ پر واجب ہے۔اگر خیال نہ کریں تو گویا صلۂ رحم منقطع کیا کیونکہ انسان کے لیے ماں باپ کے بعد قریب ترین ارحام اولاد ہیں جبکہ قطعِ رحم بہت بڑا گناہ ہے،جو کہ بعد میں ذکر ہوگا۔

چنانچہ جیسا کہ اولاد والدین کے حقوق کی مراعات نہ کرنے پر عقوق جیسے گناہ سے دوچار ہوتی ہے،اسی طرح والدین بھی اولاد کے حقوق ادا نہ کرنے پر عاق جیسی مشکلات ومسائل سے روبرو ہوتے ہیں۔

والدین اولاد کو کسی ناقابل برداشت کام کرنے کو مامور نہ کریں۔بصورتِ دیگر اولاد اس بارِگراں سے بچنے کے لیے بہانے تلاش کرے گی،جس کے نتیجے میں وہ عاق ہوسکتی ہے۔

اولاد کے کردار وگفتار پر تادیبی وتعمیری تنقید کی بجائے اگر ان پر بار بار اعتراض کیے جائیں اور ڈانٹ ڈپٹ کرتے رہیں تو یہ عمل رفتہ رفتہ والدین کے

ادب واحترام کے ترک پر منتج ہوگا اور اس سے ایک دوسرے کے درمیان نفرت بھی پیدا ہوسکتی ہے اور آخر میں عاق کی نوبت پہنچ سکتی ہے۔

اسی طرح اولاد کے ساتھ محبت ترک کرنے سے ردعمل کے طور پر اولاد بھی ماں باپ سے پیار ومحبت کرنا چھوڑ دیتے ہیں جس سے دونوں گناہِ کبیرہ کے مرتکب ہوتے ہیں۔اسی لیے حضرت رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

يَلْزِمُ الْوَالِدَيْنَ مِنَ الْعُقُوْقِ مَايَلْزِمُ الْوَالَدُ مِنْ عُقُوْقِهِمَا

''والدین کا عاق ہونا لازم آتا ہے جس طرح اولاد والدین کے حقوق ادا نہ کرنے پر عقوق میں مبتلا ہوتی ہے۔

بنابرایں والدین کا فریضہ ہے کہ اپنی اولاد کو ادب واحترام سے تعلیم وترغیب دیں اور ان کی تربیت کے وسائل فراہم کریں۔نیز ان کو شفقت ومہربانی سے قابو میں رکھیں اور عاق ہونے کے اسباب سے باز رکھنے کی کوشش کریں۔

مثلاً معمولی خطا ولغزش سے تجاہل عارفانہ کے طور پر چشم پوشی کیا کریں۔ان کے ناچیز احسان اور معمولی اطاعت کو قبول کر کے شکریہ ادا کریں۔ان کے سامنے نیک خواہشات کا اظہار کرتے ہوئے دعائیں دیں۔

علماء عظام نے فقہی کتابوں میں ماں باپ پر اولاد کے حقوق کے بارے میں تفصیل سے مسائل بیان کیے ہیں۔ان کا خلاصہ اس طرح یہاں ذکر کریں گے کہ ہم اپنے موضوع سے ہٹ نہ سکیں۔

نفقہ باپ پر واجب ہے

اولاد کی پیدائش سے لے کے رُشد (عقل وہوش سنبھالنے اور نفع نقصان کی تمیز کرنے) تک نیز برسرِ روزگار ہونے سے خود کفیل ہونے تک خوراک و لباس اور رہائش وغیرہ کا انتظام باپ پر واجب ہے۔

اولاد کے بھی شوہر کے گھر پہنچنے یا خود کفیل ہونے تک اخراجات باپ کے ذمے ہیں۔

اولاد کی شادی کے لیے کوشش کرنا

والد پر عائد ہونے والے حقوق میں سے ایک اہم حق یہ ہے کہ جب لڑکا بالغ ورشید ہو جائے تو اس کی شادی کی کوشش کی جائے۔اگر لڑکی ہو تو اسے شوہر کے گھر پہنچائے۔والدین لڑکی کو خاوند اختیار کرنے سے روک نہیں سکتے۔چنانچہ قرآن مجید میں واضح ارشاد ہوتا ہے:

فَلَا تَعْضُلُوْ هُنَّ اَنْ تَنكِحنَ اَزْوَاجَهُنَّ اِذَا تَّرَاضَوبِيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ

(سورہ۲۔آیت۲۳۲)

''انہیں اپنے شوہروں کے ساتھ نکاح کرنے سے نہ روکو، جب آپس میں دونوں میاں بیوی شریعت کے مطابق اچھی طرح مل جل جائیں۔''

دینی تعلیم و تربیت

حقوق اولاد میں سے ایک اہم ترین حق ان کی تعلیم وتربیت ہے۔والدین کو چاہیئے کہ وہ اپنی اولاد کو ہر ممکن طریقے سے اصول وفروع دین سے آگاہ کریں۔خصوصاً تلاوت قرآن وحفظ قرآن کی ترغیب دیں۔آداب واخلاق شرعی سکھانے میں غفلت نہ کریں۔اگرچہ سختی بھی کرنا پڑے۔البتہ اس سختی میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے مراتب کا لحاظ رکھنا ضروری ہے جو کہ ''امر بالمعروف اور نہی عن المنکر'' کے باب میں بیان ہوں گے۔

اولاد سے محبت کرنے کے بارے میں بہت سی روایتیں موجود ہیں۔یہاں ان میں سے چند ایک تبرکاً تحریر کی جاتی ہیں۔

اولاد سے پیار و محبت کرنا

پیغمبر اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کہ اپنی اولاد سے محبت کیا کرو، ان پر رحم کیا کرو، جب ان سے کوئی وعدہ کرو تو اسے ضرور پورا کرو۔چونکہ اولاد کی نظرِ امید صرف ماں باپ پر ہوتی ہے۔

وعدہ وفا نہ ہونے کی صورت میں بد دلی پیدا ہو جاتی ہے۔آخر کار توقعات کے رشتے منقطع ہو جاتے ہیں۔بے شک اللہ تعالیٰ اتنا کسی چیز سے غضب ناک نہیں ہوتا جتنا عورتوں اور بچوں کی دل شکنی سے ہوتا ہے۔

شفقت سے بچوں کو چومنا

آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے جس نے اپنے بچے کو پیار کیا تو اس کے نامۂ اعمال میں ایک حسنہ درج ہوتا ہے۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ بچوں کے ہر ایک بوسے پر بہشت کا ایک درجہ بڑھا دیا جاتا ہے۔ آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ جب باپ اولاد کے چہرے پر شفقت و محبت سے نگاہ ڈالتا ہے اور خوش حال ہوتا ہے تو ایک بندہ راہ خدا میں آزاد کرنے کا ثواب اس کے نامۂ اعمال میں لکھا جاتا ہے۔

والدین کے بعد اولاد کے حق میں نیکی کرنا

حضور سرور کائنات ﷺ کا فرمان ہے کہ بچے کی ماں کا بھی احترام کرو۔ اس کے ساتھ برائی نہ کرو کیونکہ اولاد کے دل میں ماں کی خصوصی محبت ہوتی ہے۔ ماں کے ناراض ہونے سے بچوں کا دل دکھتا ہے اور وہ پھول کی طرح مرجھا جاتے ہیں۔

یہ روایت بھی منقول ہے کہ انصار میں سے ایک آدمی نے امام جعفر صادق - سے پوچھا: کس کے حق میں نیکی کرنا لازم ہے؟ فرمایا: ماں باپ کے حق میں۔ عرض کیا: دونوں اس دنیا سے رحلت کر گئے ہوں تو؟ فرمایا: اولاد کے حق میں۔

لڑکی نیکی کی زیادہ سزاوار ہے

اولاد کے حق میں والدین کی جانب سے لڑکی کے ساتھ نیکی کرنے کی زیادہ تاکید ہے۔ مستحب ہے کہ باپ جو تحفہ گھر میں لائے اسے لڑکے سے پہلے لڑکی کو دے۔ خصوصاً جس لڑکی کا نام فاطمہ ہو۔ نیز اولاد کو لعن طعن اور بد دعا کرنے کی ممانعت کی گئی ہے اگرچہ بیٹا بیٹی والدین کی مخالفت ہی کیوں نہ کرتے ہوں۔ والدین کی لعن طعن اولاد کی پریشانی اور فقیری کا باعث بنتی ہے۔

روحانی باپ نیکی کا زیادہ مستحق ہوتا ہے

اس سے قبل عقوق والدین کی حرمت اور ان کے حق میں نیکی کرنے کے جو احکام بیان ہوئے تھے وہ عام والدین کے لیے تھے، جن سے اولاد پیدا ہوتی ہے۔ جسمانی تربیت اور نشو و نما ان کے وجود کے سبب ہوئی لیکن روحانی باپ یعنی انسانوں کو ان کی غرض خلقت بتانے اور سعادت حقیقی سے ہمکنار کرنے والی ہستیاں حضرات محمد و آل محمد ؑ ہیں۔ ہم سب روحانی اعتبار سے ان سے وابستہ ہیں اور ہر حال میں ان کے پیروکار۔ ان سے وابستگی ہی سے ہم جملہ آفات سے محفوظ اور نیکیوں سے مالا مال ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

اَنَا وَعَلِیٌّ اَبَوَا هٰذِهِ الْاُمَّةِ

''میں اور علی دونوں اس امت کے باپ ہیں۔''

روحانی باپ کی شرافت و اہمیت جسمانی باپ کی نسبت اس قدر زیادہ ہے جیسا کہ بدن خاکی کی نسبت روح کو حاصل ہے۔

اسی طرح تمام والدین کے عقوق کے بارے میں جتنے عقاب کا وعدہ ہے، روحانی باپ کے عاق کی سزا اس سے ہزاروں گنا زیادہ سخت ہے۔

ثواب زیادہ عذاب سخت

ماں باپ کے ساتھ احسان کرنے پر جتنے ثواب کا وعدہ فرمایا اس سے ہزاروں درجے زیادہ روحانی باپ کے ساتھ احسان کرنے کا ثواب ہے۔ اور اسی طرح عاق کرنے کا عذاب بھی بہت سخت ہے۔ مثلاً بہشت اس کے لیے حرام ہونا، کسی عمل کا قبول نہ کرنا اگرچہ روزانہ رات بھر عبادت کرے، صبح کو روزہ رکھے۔

اس قسم کا عذاب اہل بیتِ اطہار ؑ کی ولایت ترک کرنے پر بھی ہے۔ چونکہ آل محمد ؑ حقیقی روحانی باپ ہیں۔

جتنی بھی آیات و روایات عاق والدین کے سلسلے میں ہم تک پہنچی ہیں، انہیں والدین سے مخصوص کر دینا غلط ہوگا۔ کیونکہ تمام آیاتِ قرآنی و روایات اس سلسلے میں عمومی ہیں۔ عقوق والدین سے مراد والد جسمانی و والد روحانی، دونوں شامل ہیں۔ اس بات کی دلیل کے لیے قرینہ موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ نے والدین کی اطاعت، ان کی شکر گزاری کو اپنی اطاعت اور شکر گزاری کے ساتھ ساتھ ذکر فرمایا ہے:

اَنِ اشْكُرْ لِیْ وَلِوَالِدَیْكَ لَا تَعْبُدُوْا اِلَّا اِیَّاهُ وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًاO

حضور اکرم ﷺ و حضرت علیؑ کی سپاس گزاری

آیۂ شریفہ اَنِ اشْكُرْ لِیْ وَلِوَالِدَیْكَ کے متعلق بہت سی روایتیں موجود ہیں۔ فرماتے ہیں کہ یہاں ''والدیک'' سے مراد حضرت محمد ﷺ اور حضرت علی - ہیں۔ یہاں والدین مقصود نہیں۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی پاک ذات کے بعد افرادِ والدین میں سے بہترین، شریف ترین اور کامل ترین

والدین کا ذکر فرمایا ہے۔ چنانچہ اصول کافی میں صلۂ رحم کے باب میں امام جعفر صادق -سے دو روایتیں نقل کی گئی ہیں۔

پہلی حدیث عمرو بن یزید کا امام جعفر صادق -سے سورۂ رعد کی اکیسویں آیت کا ترجمہ دریافت کرنا ہے جس میں ارشاد رب العزت ہے:

يَصِلُوْنَ مَا اَمَر اللّٰهُ بِهِ اَن يو صَلَ وَيَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَيَخَافُوْنَ سُوْءَ الْحِسَابَ

''یہ وہ لوگ ہیں جنہیں تعلقات قائم رکھنے کا حکم خدا نے دیا ہے۔ اُسے قائم رکھتے ہیں اور اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں اور قیامت کے دن سخت حساب سے ڈرتے ہیں۔''

دوسری حدیث اسی آیۂ مبارکہ کی تفسیر ہے جس میں کہا گیا ہے کہ مذکورہ آیت محمد وآل محمدؐ کے صلۂ رحم کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ اوراس میں مومنین کے قریبی رشتہ دار بھی شامل ہیں۔ اس کے بعد فرمایا: تجھے ایسا شخص نہیں ہونا چاہیئے کہ جو مذکورہ آیت کو فردِ واحد کے لیے مخصوص جانے بلکہ جب بھی سنیں کہ فلاں آیت فلاں کے بارے میں نازل ہوئی ہے تو اس کی مانند دوسرے افراد کے درمیان عمومیت قرار دینا چاہیئے۔

روحانی والدین کے عقوق

روحانی والدین کے عقوق سے مراد یہ ہے کہ انہوں نے جن امور کو بجالانے کا حکم دیا ہے، ان کو ترک کرنا، پیروی واطاعت کی حدود سے نکل جانا، باہمی معنوی اتصال اور حقیقی روابط کو منقطع کرنا ہے۔ حضرت امام رضا -نے فرمایا کہ کیا تم کو یہ بُرا نہیں لگے گا کہ ماں باپ ناراضگیوں کی بنا پر کہیں کہ یہ میری اولاد نہیں ہے۔ حاضرین نے کہا، ضرور، ہمیں بُرا لگے گا۔

آپ نے فرمایا کہ روحانی ماں باپ تمہارے والدین سے افضل ہیں، لہٰذا اُنہیں اس بات کا موقع نہ دو بلکہ اُن کے فرزند ہونے کا شرف حاصل کرو۔

❁❁❁

اظہار تشکر و التماس دعا

جن احباب نے اس کار خیر میں تعاون فرمایا ہے

خداوند منان سے دعا ہے اُن کو صحت و تندرستی اور اُن کے کاروبار میں مزید ترقی عطا فرمائے۔

قارئین سے التماس ہے کہ

ایک مرتبہ سورہ فاتحہ اور تین مرتبہ سورہ اخلاص

کی تلاوت کا ثواب جملہ مومنین و مومنات

اور بالخصوص ادارہ کے معاونین کے مرحومین کو اہداء فرمائیں

آپ بھی اس کار خیر میں مالی و فنی تعاون کے ذریعہ شریک ہو سکتے ہیں

محتاج دعا

صادق عباس (فاضل قم)

info@islaminurdu.com